فتاوی رضویہ
جہانِ علوم و معارف

جلدِ سوم

مرتب

مولانا محمد احمد مصباحی

ناشر

المجمع الاسلامی

ملت نگر، مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی

۱۴۴۰ھ صد سالہ عرس رضوی پر
شائقین کے لیے ایک دل نواز تحفہ

فتاوی رَضَوِیّہ
جہانِ علوم و معارف

جلد سوم

مشتمل بر معارف فتاوی جلد نہم تا دوازدہم و ضمیمہ

﴿تحریر﴾

طلبۂ تحقیق فی الفقہ
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

ادارۂ اشاعت

المجمع الاسلامي
مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۸۴

کتاب	:	**فتاوی رضویہ: جہانِ علوم و معارف** (جلد سوم)
اصحابِ قلم	:	(تفصیل بر صفحہ ۳)
مرتّب و اصلاح کار	:	حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، بانی رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور و ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
کمپوزنگ	:	محمد زاہد ابن مولانا اختر حسین فیضی مصباحی مولانا فیضان رضا امجد مصباحی ـ مصباحی پبلیکیشن، محمد آباد گوہنہ مولانا احمد رضا مصباحی- المجمع الاسلامی مولانا اسلم پرویز مصباحی
پروف ریڈنگ	:	مولانا شمشیر علی مصباحی ، مولانا عبد الباری مصباحی مولانا عرفان رضا مصباحی (رفیقانِ المجمع الاسلامی)
صفحات	:	۴۴۸
اشاعت اول	:	صفر ۱۴۴۰ھ / نومبر ۲۰۱۸ء
ناشر	:	المَجْمَعُ الاِسْلَامِی

ملنے کا پتا

المجمع الاسلامی ، ملت نگر ، مبارک پور ، ضلع اعظم گڑھ ـ یوپی

ORDERED FROM :

AL-MAJMAUL ISLAMI , MILLAT NAGAR , MUBARAKPUR
DIST. AZAMGARH , U.P.

رابطہ نمبر : 917007576367 مولانا عرفان رضا مصباحی
917007133781 مولانا شمشیر علی مصباحی

جلد	اصحاب قلم		سال فراغت از جامعہ اشرفیہ
اول	مولانا محمد رضوان مصباحی (استاذ مدرسہ نثار العلوم، اکبر پور)	ضلع فیض آباد - یوپی	۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء
دوم	مولانا محمد قاسم مصباحی	ضلع اعظم گڑھ - یوپی	۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
سوم	مولانا عابد رضا مصباحی	ضلع بانکا - بہار	۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء
چہارم	مولانا قطب الدین رضا مصباحی	ضلع دربھنگہ - بہار	۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء
پنجم	مولانا رفیق الاسلام مصباحی	ضلع دیناج پور - بنگال	۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
ششم	مولانا ذوالفقار مصباحی	ضلع کشن گنج - بہار	۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
ہفتم	مولانا محمد رضا مصباحی	ضلع دھنوشا - نیپال	۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
ہشتم	مولانا محمد شہاب الدین مصباحی	ضلع باندہ - یوپی	۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
نہم	مولانا محمد اسرائیل مصباحی	ضلع سیتاپور - یوپی	۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء
دہم	مولانا شہاب الدین مصباحی	ضلع مہراج گنج - یوپی	۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء
یازدہم	مولانا محمد ابراہیم مصباحی	ضلع پونچھ - کشمیر	۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء
دوازدہم	مولانا عارف حسین مصباحی	ضلع دیناج پور - بنگال	۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء

جلد اول کے علاوہ باقی جلدوں کا تعارف لکھنے والے وہ طلبہ ہیں جو درجۂ فضیلت سے فارغ ہو کر درجۂ تحقیق فی الفقہ میں زیر تعلیم تھے۔ اور درجۂ تحقیق کی دو سالہ تعلیمی مدت میں انھوں نے فتاوی رضویہ کی کسی جلد پر مقالہ لکھا تھا۔ یہاں فراغت کا جو سنہ درج ہے وہ تحقیق سال اخیر کا ہے۔ سکونت کی پوری تفصیل کی بجائے صرف ضلع کی نشان دہی کی گئی ہے۔

ابتدا میں ذکر حالات : از مولانا عبد المبین نعمانی و مولانا ساجد علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور (جلد اول)

آخر میں ضمیمہ : امام احمد رضا اور عربی زبان و ادب از : مولانا نفیس احمد مصباحی (جلد سوم)

اجمالی فہرست مقالات

معارف جلد نہم

از

مولانا محمد اسرائیل مصباحی
ضلع سیتاپور

عنوانات

۱-قرآنی آیات سے استناد

۲-کثیر احادیث سے استدلال

۳-مطالب حدیث کی توضیح وتشریح

۴-مختلف روایات میں تطبیق

۵-تخریج احادیث

۶-فکر انگیز تحقیقات

۷-دلیل طلب احکام کے لیے دلائل کی فراہمی

۸-غیر مستنبط احکام کا استنباط

۹-مختلف اقوال میں تطبیق

۱۰-حوالوں کی کثرت

۱۱-کثیر جزئیات کی فراہمی

۱۲-ماضی کے فقہا و محدثین پر تطفلات

۱۳-مخالفین پر تعاقبات

۱۴-موافقین پر تنقید

۱۵-حل اشکالات و جواب اعتراضات

قرآنی آیات سے استناد

امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے فتاوی میں مسائل کی توضیح اور ان کے اثبات میں نصوص فقہ، ارشادات سلف صالحین اور احادیث طیبہ تو فراہم کرتے ہی ہیں، ساتھ ہی ساتھ آیات قرآنیہ سے بھی جگہ جگہ استناد و استدلال فرماتے ہیں اور بسا اوقات ایک دو آیتیں نہیں، بلکہ دس دس پندرہ پندرہ بلکہ اس سے بھی زیادہ آیتیں پیش کر دیتے ہیں اور ان سے مسئلے کو مبرہن کرتے ہیں۔

مسئلہ اعفاے لحیہ:

چنانچہ داڑھی بڑھانے کے ثبوت میں اور اس کے کاٹنے اور چھیلنے کی ممانعت و مذمت میں اٹھارہ آیات قرآنیہ ذکر فرمائیں۔

ان آیات کو دو طریق پر تقسیم کیا، اول عموم کے طریقے پر، دوم خصوص کے طریقے پر، طریق اول کے تحت وہ آیات ذکر فرمائیں، جن کے عام حکم میں اِعفاے لحیہ اور ممانعتِ حلقِ لحیہ داخل ہے اور دوسرے طریق میں وہ آیات ذکر کیں، جن سے اعفاے لحیہ کا اثبات ہو یا اس کے خلاف پر وعید یا مذمت ثابت ہو۔

طریق اول کی آیات:

پہلی آیت: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ [النساء، آیت:۵۹]

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اپنے علما کی۔

دوسری آیت: وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ [الحشر، آیت:۷]

جو کچھ یہ رسول تمہیں دے اختیار کرو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

تیسری آیت: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ [النساء، آیت:۸۰]

جو رسول کے فرمانے پر چلا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

استدلال: رب تبارک و تعالیٰ ان آیات اور ان کے امثال میں نبی کا حکم بعینہ اپنا حکم اور نبی کی اطاعت بعینہ

اپنی اطاعت بتاتا ہے تو تمام احکام کہ احادیث میں ارشاد ہوئے سب قرآن عظیم سے ثابت ہیں، جو اخلاقی حکم، حدیث میں ہے کتاب اللہ اس سے ہرگز خالی نہیں، اگرچہ بظاہر تصریح جزئیہ ہماری نظر میں نہ ہو۔

چوتھی آیت: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا [الاحزاب، آیت:۲۱]

البتہ بے شک تمھارے لیے رسول اللہ کے چال طریقہ میں اچھی ریت ہے اس کے لیے جو ڈرتا ہو اللہ اور پچھلے دن سے اور بہت یاد کرے اللہ کی۔

استدلال: اللہ تبارک و تعالیٰ اس آیت میں اپنے حبیب ﷺ کے طریق و روش پر چلنے کی ہدایت فرماتا ہے اور مسلمانوں کو اس کی ترغیب اور جوش دلاتا ہے اور پوری دنیا کے انسان خواہ مخالف ہوں یا موافق حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہنود سبھی جانتے ہیں کہ داڑھی رکھنی سرور کونین ﷺ کی سنت مستمرہ دائمہ تھی۔ جس پر تمام عمر مداومت فرمائی، محافظت فرمائی، تاکید فرمائی، ہدایت فرمائی۔

مذکورہ استدلالات کے بعد اس کی تائید میں سات احادیث ذکر کیں جو نور عین، سرور جان اور دلوں کی تازگی اور ایمان کی سیرابی ہیں۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ کوئی امر کیسا ہی مرغوب اور پسندیدہ ہو، جب شرعًا لازم و ضروری نہ ہوتا تو بیان جواز کے لیے گاہے ترک بھی فرما دیتے یا قولاً یا تقریراً جواز ترک بتا دیتے۔ اس لیے علمائے کرام نے سنت کی تعریف میں "مع الترك احياناً" کا اضافہ کیا اور محققین فرماتے ہیں کہ ایسی مواظبت دائمہ، جس کو ایک بار بھی ترک نہ فرمایا ہو، دلیل وجوب ہے اور حضرت محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "عدم الترك مرة دليل الوجوب".

طریق دوم کی آیات: اس طریق کے تحت جو آیتیں مذکور ہوں گی، ان سے اس مسئلے کا ثبوت بطریق امر ہوگا، یا بطریق طلب، یا یہ کہ اس کے خلاف پر وعید و مذمت۔

پانچویں آیت: وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ [النساء:۱۱۷-۱۱۹]

کافر نہیں پوجتے مگر شیطانِ سرکش کو جس پر خدا نے لعنت کی اور وہ بولا میں ضرور لے لوں گا تیرے بندوں

میں سے اپنا ٹھہرا ہوا حصہ اور میں ضرور انھیں بہکا دوں گا اور ضرور خیالی لالچوں میں ڈالوں گا اور ضرور انھیں حکم دوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور بے شک انھیں حکم دوں گا کہ اللہ کی بنائی چیز بگاڑیں گے۔

استدلال: اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: یہی وہ آیت کریمہ ہے جس کی رو سے حضور پر نور سید المرسلین ﷺ نے گودنے اور گودوانے والی اور منہ کے بال نوچنے والی اور خوب صورتی کے لیے دانتوں میں کھڑکیاں بنانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی اور اس کی علت یہی خدا کی بنائی چیز بگاڑنی بتائی۔ بعینہ یہی کیفیت داڑھی مونڈانے کی ہے اور یہ بھی تغییر لخلق اللہ میں داخل ہے، شیخ عبد الحق محقق اشعۃ اللمعات میں زیر حدیث " المغیّرات خلق اللہ " فرماتے ہیں:

علتِ حرمتِ مثلہ و حلقِ لحیہ و امثالِ آں نیز ہمیں است۔

چھٹی آیت: ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔[الحج، آیت:۳۲]

بات یہ ہے اور جو بڑائی کرے دین الٰہی کے شعاروں کی تو وہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہیں۔

ساتویں آیت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔[المائدہ، آیت:۲]

اے ایمان والو! حلال نہ ٹھہرالو دین خدا کے شعاروں کو۔

خلاصۂ استدلال: آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے شعاروں کو حلال ٹھہرانے سے منع فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ داڑھی شعار اسلام سے ہے۔ علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں ختنہ کو شعار اسلام قرار دیا ہے، جو کہ امر خفی ہے۔ تو داڑھی جو امر ظاہر ہے، بدرجۂ اولیٰ شعار اسلام ہے کہ آدمی کی نظر سب سے پہلے اسی پر پڑتی ہے۔

آٹھویں آیت: ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔[النحل، آیت:۱۲۳]

میں نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین کو اپناؤ جو ہر قسم کے باطل سے الگ تھلگ رہنے والے تھے۔

نویں آیت: قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا۔[البقرۃ، آیت:۱۳۵]

تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے۔

دسویں آیت: وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔[البقرۃ، آیت:۱۳۰]

(اور ملت ابراہیمی سے کون بے رخی کر سکتا ہے سوا اس کے جس کو اس کے نفس نے بے وقوف بنا ڈالا ہو)

گیارہویں آیت: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ۔[الممتحنۃ، آیت:۴]

(بے شک تمھارے لیے حضرت ابراہیم اور ان اہل ایمان حضرات کی زندگیوں میں جو ان کے ساتھی تھے بہترین اقتدا ہے)

بارہویں آیت: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ. وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ . [الممتحنة،آیت:٦]

(بے شک تمھارے لیے ان میں اچھی پیروی تھی اسے جو اللہ اور پچھلے دن کا امیدوار ہو اور جو منہ پھیرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا)

استدلال: مذکورہ آیات سے امام احمد رضا قدس سرہٗ یوں استدلال فرماتے ہیں:

ہر ذی علم جانتا ہے کہ داڑھی بڑھانا ملت ابراہیمی کا مسئلہ، شریعت ابراہیمی کا طریقہ ہے اور ان آیات میں رب جل وعلا نے ہمیں ملتِ ابراہیم علیٰ ابنہ الکریم وعلیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی اتباع کا حکم دیا اور معاذ اللہ اس سے اعراض کو سخت حماقت اور سفاہت فرمایا۔ اور ان کی رسم و راہ اختیار کرنے کی کمال ترغیب دی اور آخر میں فرمادیا کہ جو ہمارے حکم سے پھرے تو اللہ بے نیاز بے پرواہ ہے اور ہر حال میں اسی کے لیے حمد ہے۔

تیرہویں آیت: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ.[الانعام،آیت:٩٠]

یہ انبیا وہ ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے راہ دکھائی تو تو انھیں کی راہ کی پیروی کر۔

استدلال: احادیث کی متعدّد کتب مثلاً: مسلم، ابوداؤد، ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث مذکور ہے کہ دس چیزیں انبیاے کرام کی قدیم شریعتوں سے ہیں جن میں داڑھی بڑھانے کا بھی ذکر ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ آیت مذکورہ سے استناد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داڑھی بڑھانی راہِ قدیم حضراتِ رُسل علیہم السلام ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ راہ انبیا کی پیروی کرو"

چودہویں آیت: وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا.[النساء،آیت:١١٥]

(جو خلاف کرے رسول کا حق واضح ہوئے پر اور چلے راہ مسلمانان کے سوا راہ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں اور جہنم میں ڈالیں اور کیا بری پلٹنے کی جگہ)

پندرہویں آیت: وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ. اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ. [البقرة،آیت:٢٠٨]

(شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے)

سولہویں آیت: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ.[النور،آیت:۲۱]

(اے ایمان والو! شیطان کے رستے نہ چلو اور جو شیطان کی راہ چلے تو وہ یہی بے حیائی اور بری بات کا حکم کرتا ہے)

سترہویں آیت: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ. اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴿۲۰۹﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ. وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ﴿۲۱۰﴾[البقرۃ،آیت:۲۰۸-۲۱۰]

(اے ایمان والو! پورے اسلام میں داخل ہو اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، یقیناً وہ تمھارا صریح بدخواہ ہے۔ پھر اگر اس کی طرف جھکو بعد اس کے کہ تمھارے پاس آچکیں الٰہی حجتیں تو جان رکھو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے، یہ لوگ کس انتظار میں ہیں مگر یہ کہ آئے ان پر عذاب خدا کا بادل کی گھٹاؤں میں اور فرشتے، اور ہو جائے ہونے والی، اور اللہ کی طرف پھرتے ہیں سب کام)

استدلال: ان آیات طیبات میں راہ مسلماناں کے سوا دوسری راہ پر چلنے والوں کی تہدید اور خصلت کفار اختیار کرنے پر وعید شدید فرمائی اور بلا شبہہ داڑھی رکھنی روز اول ہی سے مسلمانوں کی راہ ہے اور اس کو منڈانا، کترنا، خصلتِ کفار ہے۔ [1]

وعظ و نصیحت: لوگوں تک پیغام علم و عمل پہنچانا اور خلق خدا کو مسائل وغیرہ امور دین سے آگاہ کرنا بڑا اہم اور عظیم دینی فریضہ ہے، اس لیے جس مجلس و محفل میں خطیب وعظ کر رہا ہے، اس کا سننا بھی سامعین و حاضرین پر واجب و ضروری ہے، اس میں کسی قسم کا ہنگامہ، شور و غل روا نہیں، یہاں تک کہ خطبۂ نکاح و خطبۂ ختم قرآن جو مسنون ہیں، ان کا بھی سننا واجب ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب در مختار میں مرقوم ہے:

"کذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح وعید و ختم علی المعتمد".

یوں ہی تمام خطبوں مثلاً خطبۂ نکاح، عید اور مذہب معتمد پر خطبۂ ختم قرآن۔

اعلیٰ حضرت سے اس مسئلے کے بارے میں سوال ہوا، تو آپ نے عبارات فقہا سے اس کی اہمیت و فرضیت اور وعظ کے وقت سکوت اور خاموشی کو ثابت فرمایا، ساتھ ہی متعدد قرآنی آیات سے استناد فرمایا، آپ رقم طراز ہیں:

عالم دین کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا، بندگان خدا کو دینی نصیحتیں دینا جسے وعظ کہتے ہیں ضرور اعلیٰ فرائض

(۱) ج:۹، ص:۱۲۲تا۱۲۶۔ نصف اول

دین سے ہے۔

پہلی آیت: اللہ عزوجل فرماتا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ [آل عمران، آیت:۱۱۰]

(تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں حکم دیتے ہو بھلائی کا اور منع کرتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر)

دوسری آیت: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ . [آل عمران، آیت:۱۰۴]

(لازم ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا رہے کہ نیکی کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)

تیسری آیت: وَ ذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ [الذاریات، آیت:۵۵]

(وعظ کہتا رہ کہ وعظ مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے)

آگے فرماتے ہیں:

حاضرین کا ادب و خاموشی اور رجوع قلب کے ساتھ اس وعظ کو سنتے رہنا بھی مذہبی عبادت اور دینی فریضہ ہے اور اس میں دست اندازی کرنا، غل مچانا، گالیاں بکنا، مذہب اسلام کی توہین اور بے دین کافروں کی عادتِ خاصہ ہے۔ (ملخصًا)

چوتھی آیت: فَبَشِّرْ عِبَادِ & الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهٗ . [الزمر، آیت:۱۷-۱۸]

(خوش خبری دے میرے ان بندوں کو جو متوجہ ہو کر بات سنتے پھر اس کے بہتر پر عمل کرتے ہیں)

پانچویں آیت: وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ . [فصلت، آیت:۲۶]

(کافر بولے اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے میں غل وشور کرو شاید یوں ہی تم غالب آؤ)

چھٹی آیت: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ . [المدثر، آیت:۴۹-۵۱]

(انھیں کیا ہوا وعظ سے منہ پھیرے ہیں گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں کہ شیر سے بھاگے ہیں)

مذکورہ بالا آیات طیبات اور فقہی جزئیات ذکر کرنے کے بعد آخر میں رقم طراز ہیں:

جب وعظ میں مطلق حرکت اور آہستہ بات بے ضرورت بھی گستاخی و بے ادبی و گناہ ٹھہرے، تو غل مچانا، گالیاں بکنا کس قدر سخت توہین ہوگا، یہ توہین اس عالم دین کی توہین نہ ہوگی، جو اس وقت وعظ کرتا ہے، بلکہ اصل دین اسلام اور خود ہمارے نبی اکرم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی توہین ٹھہرے گی کہ مسند وعظ اصل مسند حضور پر نور سید المرسلین ﷺ ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ساتویں آیت: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا. [الاحزاب، آیت:۴۵-۴۶]

(اے نبی ہم نے تجھے بھیجا (حاضر و ناظر) خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور آفتاب روشنی پہنچاتا)۔

نیکیوں پر مژدہ دینا، برائیوں پر ڈر سنانا، اللہ کی طرف مطابق شریعت بلانا، یہی معنیٔ وعظ ہے، یہ کام علماے دین حضور کی وراثت سے کرتے ہیں کہ علما وارث انبیا ہیں اور نائب جب مسند نیابت پر ہو تو اس دربار کی توہین اصل سلطان کی توہین ہے، ہر عاقل جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ادنی درجے کے اجلاس میں غل کرے، گالیاں بکے تو وہ اس ادنی ہی کی توہین نہ ہوگی بلکہ اصل بادشاہ کی۔ والعیاذ باللہ رب العالمین.[1]

شریعت کے مطابق قرآنی آیات سے استناد و استنباط ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، بلکہ قرآن مقدس کی آیات کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے اور ان سے استناد کے لیے کثیر علوم و فنون میں مہارت شرط ہے، علم فقہ کو بھی ان سے جدا نہیں رکھا جا سکتا اور بغیر علمی کمال و تبحر کے، قرآنی آیات سے استناد صحیح اور درست ہو ہی نہیں سکتا، امام احمد رضا قدس سرہ نے دونوں مسئلوں میں مذکورہ آیات قرآنیہ سے داڑھی بڑھانے اور وعظ و نصیحت کے مسئلے میں جو زبردست اور انوکھے طریقے سے استناد کیا ہے، وہ یقیناً آپ کے علوم و فنون میں فضل و کمال کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

(۱) ج:۹، ص:۲۰۷-۲۰۸، نصف اول

کثیر احادیث سے استدلال

یوں تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اپنے تفصیلی فتاوی میں احادیث کا کسی قدر اہتمام فرماتے ہیں تاکہ سائل کے ذہن و دماغ میں مسئلہ یقینی ہو جائے، مگر کبھی کبھی کسی مسئلے کے ثبوت میں احادیث کریمہ کا خاصا ذخیرہ جمع فرما دیتے ہیں، جو علم حدیث میں آپ کی مہارت و کمال کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے۔ فتاوی رضویہ میں جگہ جگہ اس کے شواہد موجود ہیں، ہم یہاں فتاوی رضویہ جلد نہم سے کچھ مثالیں آپ کی نظروں کے حوالے کرتے ہیں، یقیناً انھیں دیکھ کر آپ کی نگاہیں تر و تازہ ہوں گی اور آپ اعلیٰ حضرت کی محد ثانہ شان و شوکت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہیں گے۔

خیال رہے کہ اعلیٰ حضرت کا دور وہ دور تھا کہ جب کسی موضوع اور مسئلے سے متعلق کثیر احادیث کا ذخیرہ جمع کرنا، جزئیات فقہیہ اور غیر فقہیہ کا جمع کرنا یا کسی عنوان کے تحت وافر مقدار میں مواد کی فراہمی آج کی طرح کوئی آسان اور معمولی کام نہ تھا کہ مطلوبہ عنوان اور موضوع سے متعلق احادیث و جزئیات یا مواد کی فراہمی کے لیے کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ پر متعلق بٹن دبا دیا اور احادیث و جزئیات کا بھاری ذخیرہ اسکرین پر مہیا ہو گیا، بلکہ اس زمانے میں ان مقاصد کے حصول کے لیے کتب احادیث و فقہ و تفسیر پر گہری نظر اور کثرت مطالعہ و قوت حافظہ جیسی عظیم صفات کا حامل ہونا ضروری تھا اور اعلیٰ حضرت نے ایسے ہی حالات میں یہ عظیم الشان کام انجام دیا۔

سیاہ خضاب کی حرمت کا مسئلہ:

شریعت اسلامیہ نے بالوں میں سیاہ خضاب کے استعمال کو ناجائز قرار دیا ہے، ہاں اگر مجاہدین و غازیان اسلام اس کا استعمال کریں تو ان کے لیے جائز ہے۔ ایک صاحب نے وسمۂ نیل کو، جس کے لگانے سے بال سیاہ ہو جاتے ہیں، استعمال کرنا جائز ٹھہرایا، تو اعلیٰ حضرت نے اس مسئلے پر زبردست بحث فرمائی اور سیاہ خضاب کی حرمت پر سولہ احادیث نبویہ سے استدلال فرمایا۔ یہاں وہ احادیث مختصراً درج کی جاتی ہیں:

پہلی حدیث: حضور ﷺ نے حضرت صدیق اکبر کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی خالص سپید

دیکھ کر ارشاد فرمایا: ”غیروا هذا بشیءٍ واجتنبوا السواد“. اس سپیدی کو کسی چیز سے بدل دو اور سیاہ رنگ سے بچو۔

دوسری حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بهذا السواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحة الجنة“. آخر زمانے میں کچھ لوگ سیاہ خضاب کریں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے وہ جنت کی بو نہ سونگھیں گے۔

تیسری حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”غیروا الشیب ولا تقربوا السواد“.

پیری کو تبدیل کرو اور سیاہ رنگ کے پاس نہ جاؤ۔

چوتھی حدیث: ابن سعد عامر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”إنّ الله تعالیٰ لا ینظر الی من یخضب بالسواد یوم القیمة“.

جو شخص سیاہ خضاب لگائے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

پانچویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”انّ الله تعالیٰ یبغض الشیخ الغربیب“. بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے کوّے کو دشمن رکھتا ہے۔

چھٹی حدیث: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”الصفرة خضاب المؤمن، والحمرة خضاب المسلم، و السواد خضاب الکافر“. زرد خضاب ایمان والوں کا ہے اور سرخ اسلام والوں کا، اور سیاہ خضاب کافر کا۔

ساتویں حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”الشیب نور، من خلع الشیب فقد خلع نور الاسلام“. سپیدی نور ہے جس نے اسے چھپایا اس نے اسلام کا نور زائل کیا۔

آٹھویں حدیث: ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”من شاب شیبة فی الاسلام کانت له نورا ما لم یغیرها“.

جسے اسلام میں سپیدی آئے وہ اس کے لیے نور ہوگی جب تک اسے بدل نہ ڈالے۔

نویں حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”اول من خضب بالحناء و الکتم ابراهیم، و اول من اختضب بالسواد فرعون.“ سب میں پہلے

حنا و کتم سے خضاب کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سب میں پہلے سیاہ خضاب کرنے والا فرعون ہے۔

دسویں حدیث: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من خضب بالسواد سود الله وجهه يوم القيمة". جو سیاہ خضاب کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا منہ کالا کرے گا۔

گیارہویں حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من مثل بالشعر فليس له عند الله خلاق". جو بالوں کی ہیئت بگاڑے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے کچھ حصہ نہیں۔

بارہویں، تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں حدیث: حضرت واثلہ بن اسقع، حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "شرُّ كهولكم من تشبه بشبابكم." تمھارے ادھیڑوں میں سب سے بد تر وہ ہے جو جوانوں کی سی صورت بنائے۔

سولہویں حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ: "نهى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عن الخضاب بالسواد." رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا۔[1]

ان احادیث کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ سیاہ خضاب لگانے والے سخت وعیدوں کے مستحق اور عقاب الٰہی کے سزاوار ہیں۔ ان احادیث کو پڑھ کر امام احمد رضا کی حدیث دانی اور احادیث کے وسیع مطالعے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

﴿۲﴾

معانقہ کا ثبوت:

شریعت مصطفویہ میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملاقات کریں تو سلام و مصافحہ کے بعد معانقہ کریں یعنی گلے ملیں، اس میں سفر کی تخصیص و تقیید نہیں، کہ یہ اسی وقت جائز ہے جب کوئی سفر سے آئے، ہاں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ معانقہ کپڑوں کے اوپر سے ہو اور نیت نیکی و کرامت اور اظہار محبت ہو، فساد نیت اور شہوت کا دخل نہ ہو، مگر بعض حضرات نے اس کو قدوم مسافر کے ساتھ مقید کر کے عام حالات میں ناجائز قرار دیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بلا قید سفر معانقہ کے جواز کو فقہی جزئیات و عبارات سے ثابت فرما کر

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص: ۳۰ تا ۳۱

سولہ احادیث طیبہ سے اس مسئلے کو مبرہن و مدلل فرمایا۔ حصول برکت کے لیے ان میں سے صرف چھ احادیث ذکر کی جاتی ہیں:

پہلی حدیث: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:"ضمّنی النبی ﷺ الیٰ صدرہ فقال اللھم علّمہ الحکمۃ." سیدعالم ﷺ نے مجھے سینے سے لپٹا لیا پھر دعا فرمائی الٰہی اسے حکمت سکھادے۔

دوسری حدیث: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"ما لقیتہ ﷺ قط الا صافحنی، و بعث إلیّ ذات یوم و لم اکن فی اھلی، فلما جئت اخبرت انہ ارسل الیّ، فاتیتہ و ھو علی سریرہ،فالتزمنی فکانت تلك اجود و اجود".

میں جب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے، ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا، میں گھر میں نہ تھا، آیا تو خبر پائی، حاضر ہوا، حضور تخت پر جلوہ فرما تھے۔ مجھے گلے سے لگا لیا تو یہ اور زیادہ جید و نفیس تر تھا۔

تیسری حدیث: ام المومنین (حضرت عائشہ) صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:"قالت رأیت النبی ﷺ التزم علیاً و قبّلہ وھو یقول:بأبی الوحید الشھید."

میں نے نبی ﷺ کو دیکھا، حضور نے مولیٰ علی کو گلے لگایا اور پیار کیا اور فرماتے تھے: میرا باپ نثار اس وحیدِ شہید پر۔

چوتھی حدیث: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے:"قال: کنا عند النبی ﷺ فقال: یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احداً خیرا منہ ولا افضل، ولہ شفاعۃ مثل شفاعۃ النبیین. فما برحنا حتی طلع ابو بکر، فقام النبی ﷺ فقبّلہ والتزمہ."

ہم خدمت اقدس حضور پرنور سیدعالم ﷺ میں حاضر تھے، ارشاد فرمایا: اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر و بزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت انبیا کی مانند ہوگی، ہم حاضر ہی تھے کہ ابوبکر صدیق نظر آئے، سیدعالم ﷺ نے قیام کیا اور صدیق کو پیار کیا اور گلے لگایا۔

پانچویں حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:"قال: بینما نحن مع رسول اللہ ﷺ فی نفر من المھاجرین، منھم ابوبکرو عمرو عثمان و علی و طلحۃ و الزبیر و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص، فقال رسول اللہ ﷺ: لینھض کل رجل إلی کفؤہ فنھض النبی ﷺ الیٰ عثمان، فاعتنقہ وقال: انت ولیّي فی الدنیا و الآخرۃ."

ہم چند مہاجرین کے ساتھ خدمت اقدس حضور سید المرسلین ﷺ میں حاضر تھے، حاضرین میں خلفاے اربعہ (ابوبکر، عمر، عثمان، علی) و طلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اٹھ کر جائے اور خود حضور والا ﷺ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اٹھ کر تشریف لائے، ان سے معانقہ کیا اور فرمایا: تو میرا دوست ہے دنیا و آخرت میں۔

چھٹی حدیث: حضور سید عالم ﷺ نے حضرت بتول زہرا سے فرمایا: عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی کہ نامحرم شخص اسے نہ دیکھے، حضور نے گلے سے لگایا اور فرمایا: "ذرية بعضها من بعض". (یہ ایک دوسرے کی نسل ہے)(۱)

﴿۳﴾

داڑھی بڑھانے کا ثبوت:

داڑھی رکھنا اور بڑھانا، تمام انبیا و رسل، اولیاے کاملین، سلف صالحین اور علماے کرام کی سنت متوارثہ متواترہ ہے اور دین محمدی میں بڑھانا واجب اور ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں تراشنا، منڈانا ناجائز و حرام قرار دیا گیا ہے، کثیر آیات قرآنیہ، احادث نبویہ اور نصوص فقہیہ اس پر دال ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایک سائل نے استفتا کیا، جس میں ولید کا یہ قول نقل کیا کہ " داڑھی بڑھانا واجب نہیں، اس لیے کہ قرآن و احادیث سے اس کے منڈانے کی حرمت ثابت نہیں، بلکہ قرآن کریم کی آیت "يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي" سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ داڑھی بڑھانا بسا اوقات مضر ہے، ہاں احادیث سے زیادہ سے زیادہ اس کا استحباب یا بہت زیادہ تو استنان ثابت ہے، اس سے آگے کچھ نہیں۔" دو حدیثیں نقل کر کے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، گو کہ حقیقت سے اس استدلال کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔

داڑھی بڑھانے کے وجوب پر آیات قرآنیہ سے استناد کی تفصیل اس سے پہلے مذکور ہو چکی اور ولید کے اقوال مزخرفہ کا رد و تعاقب اور آیات و احادیث سے اس کے استدلال کی حقیقت کا بیان اعلیٰ حضرت کی زبانی اپنے مقام پر پیش کیا جائے گا، اس مقام پر ہم گلہاے رنگارنگ کی مہکتی ہوئی لڑیوں میں سے چند آپ کی نظروں کے حوالے کرتے ہیں، جنھیں محدث بریلوی نے احادیث کے چمنستان سے چن چن کر جمع فرمایا ہے۔

پہلی حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"جزوا الشوارب وأرخوا اللحى وخالفوا المجوس."

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول ص:۲۶ تا ۲۸ ملتقطاً

مونچھیں کتراؤ اور داڑھیاں بڑھنے دو، آتش پرستوں کا خلاف کرو۔

دوسری حدیث: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"خذوا من عرض لُحاكم وأعفوا طولها."

داڑھیوں کے عرض سے لو اور ان کے طول کو معاف رکھو۔

تیسری حدیث: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

" لا يأخذن أحدكم من طول لحيته."

ہرگز کوئی شخص اپنی داڑھی کے طول سے کم نہ کرے۔

خیال رہے کہ مذکورہ بالا دونوں احادیث میں طول سے کچھ نہ لینے کی ممانعت اس صورت میں ہے، جب کہ داڑھی ایک مشت یا اس سے کم ہو اور ایک مشت سے زیادہ ہونے کی صورت میں ممانعت نہیں، بلکہ اس وقت تو مستحب ہے اور اگر طول فاحش ہو تو واجب ہے، جیساکہ دوسری احادیث اور فقہا کی عبارات میں وضاحت ہے۔

چوتھی حدیث: عبد اللہ بن عبد اللہ سے مرسلاً مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لكن ربي أمرني أن أحفي شاربي و أعفي لحيتي."

مگر مجھے میرے رب نے حکم فرمایا کہ اپنی لبیں پست کروں اور داڑھی بڑھاؤں۔

پانچویں حدیث: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کوئی لشکر کفار پر بھیجتے، فرماتے: "لا تمثلوا بآدمي ولا بهيمة".

مثلہ نہ کرو، نہ کسی آدمی کو، نہ چوپائے کو۔ (اور داڑھی چھیلنا اور کاٹنا مثلہ میں داخل ہے۔) [1]

امام احمد رضا قدس سرہ کی ذکر کردہ ۲۲ احادیث طیبہ میں سے یہ چند حدیثیں یہاں ہم نے ذکر کر دیں، جو حدیث میں اعلیٰ حضرت کے وسعت مطالعہ کی دلیل ہے۔ قارئین مزید تفصیل کے لیے فتاوی رضویہ کا مطالعہ کریں۔

(۴)

غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی کرنے کا مسئلہ:

غیر اللہ کو سجدۂ عبادت کسی قرن و زمان، کسی جگہ، مکان، کسی نبی کے دین و شریعت، کسی رسول کی امت و قوم میں جائز و روا نہیں رہا، بلکہ یہ تمام انبیا و مرسلین کے ادیان و شرائع میں ہمیشہ سے شرک و کفر رہا اور ہمیشہ رہے گا، کبھی جائز نہیں ہو سکتا۔ ہاں سابقہ شرائع و ادیان میں سجدۂ تحیت و تعظیم ضرور جائز و درست تھا، مگر دین محمدی میں غیر اللہ کے لیے اسے

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص: ۱۲۳ تا ۱۳۵ ملتقطاً

بھی حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود کچھ جاہلوں نے اپنے پیر اور مرشد طریقت کے لیے سجدۂ تحیت جائز ثابت کرنے کی کوشش کی اور حرمت کا انکار کیا۔ دوسری جانب وہابیوں اور دیوبندیوں نے اس کو بھی کفر و شرک کے زمرے میں داخل کر دیا۔ حالاں کہ یہ دونوں افراط و تفریط کا شکار اور راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ایک نے جائز ٹھہرا کر تفریط سے کام لیا تو دوسرے نے کفر و شرک بتا کر افراط سے کام لیا اور امت مسلمہ کو کافر و مشرک بنانے کی سعی کی۔

مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی نے ان کا سخت نوٹس لیا اور پورے شرح و بسط کے ساتھ اپنے پرائے کی رعایت کے بغیر ایضاح حق و ابطال باطل فرمایا اور شریعت کے اس مسلّمہ مسئلے کو دلائل سے ثابت فرمایا۔ سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر آپ نے چالیس احادیث طیبہ سے استناد کیا، چند یہاں پر ذکر کی جاتی ہیں:

پہلی حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”قال:جاءت امراة الیٰ رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله، اخبرني ماحق الزوج على الزوجة؟ قال: لو كان ينبغي لبشر ان يسجد لبشر، لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها اذا دخل عليها لما فضله الله عليها.“

ایک عورت نے بارگاہ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ شوہر کا عورت پر کیا حق ہے؟ فرمایا: اگر کسی بشر کو لائق ہوتا کہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے، تو میں عورت کو فرماتا کہ جب شوہر گھر میں آئے، اسے سجدہ کرے اس فضیلت کے سبب جو اللہ نے اسے اس پر رکھی ہے۔

دوسری حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ”قال: دخل النبي ﷺ حائطا للأنصار و معه ابوبكر و عمر في رجال من الانصار، و في الحائط غنم فسجدن له، فقال ابوبكر: يا رسول الله، كنا نحن أحق بالسجود لك من هذه الغنم. قال: انه لا ينبغي في امتي ان يسجد احد لأحد، ولو كان ينبغي ان يسجد احد لاحد، لأمرت المراة أن تسجد لزوجها.“

حضور انور ﷺ انصار کے ایک باغ میں تشریف فرما ہوئے، صدیق و فاروق اور کچھ انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہم راہ تھے، باغ میں بکریاں تھیں انھوں نے حضور ﷺ کو سجدہ کیا، صدیق نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ان بکریوں سے ہم زیادہ حق دار ہیں اس کے کہ حضور کو سجدہ کریں۔ فرمایا: بے شک میری امت میں نہ چاہیے کہ کوئی کسی کو سجدہ کرے اور ایسا مناسب ہوتا تو میں عورت کو شوہر کے سجدے کا حکم فرماتا۔

تیسری حدیث: یعلی بن مرہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

"قال خرج النبی ﷺ یوماً فجاء بعیر یرغو، حتیٰ سجد له. فقال المسلمون: نحن أحق ان نسجد للنبی ﷺ فقال: لو کنت آمر أحدا أن یسجد لغیر الله تعالیٰ، لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها."الحدیث

ایک روز حضور اقدس ﷺ باہر تشریف لیے جاتے تھے، ایک اونٹ بولتا ہوا آیا، قریب آکر حضور ﷺ کو سجدہ کیا، مسلمانوں نے کہا: ہمیں تو زیادہ لائق ہے کہ نبی ﷺ کو سجدہ کریں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں کسی کو غیر خدا کے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو فرماتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔[1]

ان احادیث کریمہ میں سجدۂ تعظیمی کی ممانعت واضح طور پر موجود ہے۔ اسی طرح سے محدث بریلوی نے کثیر احادیث کو متعدّد کتب حدیث سے چن کر جمع فرمایا، جن کی تعداد چالیس تک پہنچتی ہے اور ثابت فرمادیا کہ غیر اللہ کو سجدہ ہرگز جائز نہیں، بلکہ مسئلے کے تحت اتنی مقدار میں احادیث فراہم کر دینا مجدد اعظم کی حدیث دانی پر روشن دلیل ہے۔

مذکورہ مسائل کے علاوہ ریشم پہننے کی ممانعت و عدم جواز پر سولہ ۱۶/ احادیث، ذکر بالجہر کے جواز پر پچیس ۲۵/ احادیث، قرآن کریم کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کے جواز و استحباب پر دس احادیث، شوہر کی نافرمانی کے عدم جواز و استحقاقِ وعید پر گیارہ احادیث اور نام محمد و احمد کی فضیلت پر پندرہ احادیث اور دیگر کثیر مسائل کے حوالے سے وافر مقدار میں احادیث کا ذخیرہ اسی جلد نہم میں جمع فرمادیا ہے، ارباب ذوق اور اصحاب تحقیق کو ان کا مطالعہ کرنا بڑا نافع ہوگا۔

(۱) فتاوی رضویہ، ج:۹، ص:۲۱۶، نصف اخیر

مطالب احادیث کی توضیح و تشریح

یوں تو امام احمد رضا قدس سرہ کسی بھی مشکل مسئلے کو تحریر میں لاتے ہیں تو اس پر سیر حاصل بحث فرما کر پورے طور سے منقح کر دیتے ہیں، لیکن جب کسی حدیث کا مفہوم و معنی بیان کرتے ہیں، تو اس کا کچھ الگ ہی انداز ہوتا ہے، ایسی توضیح و تشریح فرماتے ہیں کہ اس کے سبھی تاریک گوشے اور پوشیدہ معانی روشن ہو کر نمایاں ہو جاتے ہیں اور دلِ تشنہ سیراب ہو کر ترو تازہ ہو جاتا ہے۔ یہاں چند مثالیں پیش ہیں:

مثال(۱) ایک حدیث پاک ہے: ”طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم.“ (طلب علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔)

حدیث پاک میں طلب علم سے کون سا علم مراد ہے؟ مطلق علم مراد ہے دنیا کا علم ہو، جیسے انگریزی، ہندی، سائنس، منطق و فلسفہ وغیرہ، یا دین کا علم ہو، یا صرف دینی علوم مراد ہیں۔ موجودہ دور کے بعض ناخواندہ اور کم فہم لوگ خاص کر جدیدیوں کا طبقہ تو یہی گمان رکھتا ہے کہ محض دنیاوی علم، مثلاً: انگریزی، سائنس وغیرہ کا علم بھی حاصل کرنا فرض ہے، اگرچہ دینی علوم کا حصول سرے سے ہی نہ ہو، نیز اس طبقے کا یہ بھی تصور ہے کہ موردِ فضائل یہی علوم ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اس کے صحیح مفہوم و معنی کو دلائل سے واضح فرمایا، فرماتے ہیں:

طلب علم کی ”فرضیت“ کا صحیح مفاد اس علم پر صادق آتا ہے جس کا سیکھنا فرض عین ہو۔ اور فرض عین انھیں علوم کا تعلّم ہے کہ انسان بالفعل جن کا اپنے دین میں محتاج اور ضرورت مند ہو اور ان علوم میں سب سے اوّل علم اصول عقائد ہے۔ آدمی پر فرضِ اول اسی کا سیکھنا ہے، پھر مسائل نماز یعنی نماز کے فرائض و شرائط اور مفسدات وغیرہ۔ پھر آمدِ رمضان پر مسائل صوم، مالک نصابِ نامی ہو تو مسائل زکاۃ، حج کی استطاعت ہو تو اس کے مسائل، نکاح، بیع و شرا وغیرہ کے مسائل، غرض ہر آدمی کو اس کی حاجت موجودہ کے مسائل سیکھنا فرض عین ہے۔ مسائل حلال و حرام اور فرائض قلبیہ مثلاً: تواضع و اخلاص وغیرہ کے طرقِ تحصیل، حسد و کینہ وغیرہ اور ان کے معالجات کا سیکھنا بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے۔ اس حدیث پاک میں بس اسی قدر علم کی نسبت ارشاد ہے۔ اس کے

علاوہ کوئی دوسرا علم مراد نہیں۔ [1]

مذکورہ مفہوم کی تائید میں علامہ مناوی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارات نقل فرمائیں پھر آگے فرماتے ہیں:

ہاں آیات و احادیث دیگر کہ فضیلت علما و ترغیب علم میں وارد ہیں، وہاں ان کے سوا اور علوم کثیرہ بھی مراد ہیں، جن کا تعلم فرض کفایہ، یا واجب، یا مسنون، یا مستحب ہے، اس کے آگے کوئی درجۂ فضیلت و ترغیب اور جو ان سے خارج ہو ہرگز ان میں مراد نہیں ہو سکتا۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اس کے دین میں نافع ہوں، خواہ اصالۃً جیسے فقہ و حدیث و تصوف بے تخلیط۔ و تفسیر قرآن بے افراط و تفریط، خواہ وساطۃً مثلاً نحو و صرف و معانی و بیان کہ فی حدّ ذاتہا امر دینی نہیں، مگر فہم قرآن و حدیث کے لیے وسیلہ ہیں اور فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ اس کے لیے عمدہ معیار عرض کرتا ہے۔ مراد متکلّم جیسے خود اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے دوسرے کے بیان سے نہیں ہو سکتی، مصطفیٰ ﷺ جنھوں نے علم و علما کے فضائلِ عالیہ و جلائلِ غالیہ ارشاد فرمائے، انھیں کی حدیث میں وارد ہے کہ "علما وارث انبیا کے ہیں، انبیا نے درہم و دینار ورثہ میں نہ چھوڑے، علم اپنا ورثہ چھوڑا ہے، جس نے علم پایا اس نے بڑا حصہ پایا"۔ بس ہر علم میں اسی قدر دیکھ لینا کافی کہ آیا یہ وہی عظیم دولت، نفیس مال ہے جو انبیا علیہم السلام نے اپنے ورثہ میں چھوڑا، جب تو بے شک محمود اور فضائل جلیلہ موعودہ کا مصداق اور اس کے جاننے والے کو لقب عالم و مولوی کا استحقاق، ورنہ مذموم و بد ہے جیسے فلسفہ و نجوم، یا لغو و فضول جیسے: قافیہ و عروض، یا کوئی دنیا کا کام جیسے نقشہ و مساحت، بہر حال ان فضائل کا مورد نہیں نہ اس کے صاحب کو عالم کہہ سکیں۔

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ قرآن و حدیث سے صدہا دلائل اس معنی پر قائم کر سکتا ہے کہ مصداق فضائل صرف علوم دینیہ ہیں وبس۔ ان کے سوا کوئی علم شرع کے نزدیک نہ علم، نہ آیات و احادیث میں مراد، اگرچہ عرف ناس میں یا باعتبار لغت اسے علم کہا کریں، ہاں آلات و وسائل کے لیے حکم مقصود کا ہوتا ہے مگر اسی وقت تک کہ وہ بقدر توسل و بقصد توسل سیکھے جائیں، اس طور پر وہ بھی مورد فضائل ہیں، جیسے نماز کے لیے گھر سے جانے والے کو حدیث میں فرمایا کہ وہ نماز میں ہے جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے۔ نہ یہ کہ انھیں مقصود قرار دے لیں اور ان کے حصول میں عمر گزار دیں۔ نحوی، لغوی، ادیب، منطقی، کہ انھیں علوم کا ہو رہے اور مقصود اصلی سے کام نہ رکھے، زنہار عالم نہیں۔

اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان و تکذیبِ گردش سیارات وغیرہ کفریات اور امور مخالفۂ شرع تعلیم

---

(۱) مصدر سابق، ملخصا، جلد نہم، ص:۱۶

کیے جائیں، وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم، اور حساب، جغرافیہ وغیرہ ضرورت سے زیادہ ناپسندیدہ اور فضول ہیں اور دین میں خلل پیدا کریں تو ناجائز و حرام۔[1]

خلاصہ: (۱) آدمی پر حاجت موجودہ کے شرعی مسئلے سیکھنا فرض عین ہے۔ (۲) فرائض قلبیہ مثلاً تواضع، اخلاص، توکل وغیرہ اور ان کی تحصیل کے طریقے اور محرمات باطنیہ تکبر، غرور، حسد وغیرہ اور ان کے معالجات کا تعلّم اہم فرائض سے ہے۔ (۳) قرآن وسنت کی نظر میں پسندیدہ علوم اور جن پر عظیم الشان فضائل کا وعدہ ہے وہ علوم ہیں جن پر میراث انبیا کا صدق ہوتا ہے، اور ان کے حاصل کرنے والے قرآن وسنت میں وارد فضیلت علم وعلما کے مصداق ہیں۔ (۴) منطق، حساب، جغرافیہ، انگریزی، سائنس، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر، وغیرہ علوم فرض مسائل دینیہ اور علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد بطور وسیلۂ علم دین حاصل کرنے کی صورت میں مصداق فضائل ہیں۔ (۵) صرف انھیں میں مشغول رہنا مورد فضائل نہیں بلکہ شریعت اور دین میں خلل انداز ہونے کی صورت میں، مثلاً: عقائد خراب ہونے کا اندیشہ ہو، نماز وغیرہ احکام شرع کی پابندی نہ ہو سکے، تو ان کا حاصل کرنا ناجائز و حرام ہے۔

مثال (۲): احادیث مبارکہ میں اولاد پر ماں کا حق باپ کی بنسبت زیادہ بتایا گیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مرد پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ تو حضور نے فرمایا: اس کی ماں کا۔ (مسند بزار) ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اس کا کون مستحق ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت کروں؟ فرمایا: تیری ماں، ان صاحب نے تین بار یہی سوال کیا، حضور نے تینوں بار یہی جواب ارشاد فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

زیادتی حق والدہ کا کیا مطلب اور اس سے کیا مراد ہے، اس طرح کی بعض احادیث ذکر کرنے کے بعد امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بڑے اچھوتے انداز میں اس کی وضاحت اور تشریح فرمائی۔ فرماتے ہیں:

اس زیادت کے یہ معنی ہیں کہ خدمت میں۔ دینے میں باپ پر ماں کو ترجیح دے، مثلاً: سو روپے ہیں اور کوئی وجہ خاص مانع تفضیل مادر نہیں، تو باپ کو پچیس دے اور ماں کو پچھتر، یا ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا، تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو، یا دونوں سفر سے آئے ہیں، پہلے ماں کے پاؤں دبائے پھر باپ کے۔ وعلی ھذا القیاس. نہ یہ کہ اگر والدین میں باہم تنازع ہو، تو ماں کا ساتھ دے کر معاذ اللہ باپ کے درپے ایذا ہو، یا اس پر کسی طرح درشتی کرے، یا اسے جواب دے، یا بے ادبانہ آنکھ ملا کر بات کرے، یہ سب باتیں حرام اور اللہ عزوجل کی معصیت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نہ ماں کی اطاعت نہ باپ کی، تو اسے ماں باپ میں کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز

(۱) ملخصا، جلد نہم، ص:۱۶،۷ ملخصًا

جائز نہیں۔ وہ دونوں اس کی جنت و نار ہیں جسے ایذا دے گا دوزخ کا مستحق ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ معصیت خالق میں کسی کی اطاعت نہیں، اگر مثلاً: ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو کسی طرح کا آزار پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے، ہونے دے اور ہرگز نہ مانے، ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملہ میں۔[1]

ایسے جامع اور مختصر انداز میں احادیث کریمہ کی توضیح و تشریح، فقہِ حدیث میں آپ کی مہارت تامہ اور علم حدیث میں اثر و رسوخ پر بین دلیل ہے۔ اس طرح کی توضیح و تنقیح آپ ہی کے سیال قلم کا حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

(۱) مصدر سابق، جلد نہم، نصف اول، ص:۵۹-۶۰

مختلف روایات میں تطبیق

کسی ایک مسئلے میں وارد شدہ بظاہر مختلف اور متعارض احادیث کے درمیان تطبیق و توفیق کے کام کے لیے حدیث و فقہِ حدیث میں جس کمال اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اہل علم و دانش پر مخفی نہیں، جب ہم مجدد اعظم امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاوی کا مطالعہ کرتے ہیں، تو اس حوالے سے بھی آپ کی ذات منفرد اور یکتاے روز گار نظر آتی ہے۔ جگہ جگہ آپ کے فتاوی میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ ”گُلے نمونہ از بوستاں“ کے طور پر آپ بھی چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

﴿۱﴾

جذامی سے دور رہنے کا مسئلہ:

بیماری و صحت اللہ کی طرف سے ہی بندے کو ہوتی ہے، پھر بیماریاں الگ الگ قسم کی ہوتی ہیں، جن میں بعض ایسی ہوتی ہیں کہ لوگ ان سے متنفر ہوتے ہیں، مثلاً: ٹی، بی اور کھجلی وغیرہ، اور ایسی بیماری والے کے پاس اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے اور معاشرت سے گریز کرتے ہیں۔ بلکہ آج کے دور میں اطبا اور ڈاکٹر ہاسپٹل، کلینک اور مطب وغیرہ میں ایسے مریض کو منہ بند کرنے کی تاکید کے ساتھ دور فاصلے پر بٹھاتے ہیں۔ جذام اور برص بھی ایسا ہی ایک مرض ہے۔

جس شخص کو برص، سفید داغ کی بیماری ہو، اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کا کیا حکم ہے؟ پرہیز اور دوری رکھنی چاہیے، یا اس سے معاشرت رکھنی چاہیے؟

کتب احادیث میں اس بارے میں دونوں طرح کی احادیث کریمہ ملتی ہیں، بعض وہ حدیثیں ہیں، جن میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ صریح حکم ہے کہ مجذوم سے بات چیت کرنے یا اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے میں دوری بنائے رکھنا چاہیے، جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے: ”اتقوا المجذوم كما يتقى الاسد.“

مجذوم سے بچو جیسا کہ شیر سے آدمی بچتا ہے۔

اور فرماتے ہیں: ”كلم المجذوم و بينك و بينه قيد رمح او رمحين.“

جذامی سے اس طور پر بات کرو کہ تمھارے اور اس کے درمیان ایک نیزے کا فاصلہ ہو۔

جب وفد ثقیف بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور دست انور پر بیعتیں کیں، ان میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جن کو یہ بیماری لاحق تھی، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: "ارجع فقد بایعناك" واپس جاؤ، تمھاری بیعت ہو گئی، یعنی زبانی کافی ہے۔

اس کے بر خلاف دوسری احادیث رسول اللہ ﷺ و آثار صحابہ میں یہ صراحت ہے کہ برص والے کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ کوئی بیماری کسی کو اڑ کر نہیں لگتی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار اقدس ﷺ سے روایت کرتے ہوئے فرماتی ہیں: "لاعدوی."

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں قوم ثقیف کے سفیر حاضر ہوئے جن میں ایک صاحب اس مرض میں مبتلا تھے، اس لیے کھانے کے وقت الگ ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انھیں قریب بلا کر کھانا کھلایا، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کھانا شروع کیا اور جہاں سے مجذوم لیتے، وہیں سے صدیق اکبر بھی نوالے لیتے اور تناول فرماتے۔

"وجعل أبو بكر يضع يده موضع يده فياكل مما ياكل منه المجذوم."

اس طرح سے اور بھی کثیر احادیث، کتب احادیث میں متفرق طور سے موجود ہیں، جن میں دونوں طرح کے مضمون پر دلالت ہے۔ امام احمد رضا نے ان میں بہت سی احادیث کو فتاوی رضویہ جلد نہم میں جمع فرمایا ہے۔[1]

آپ نے پہلے ان احادیث کے تعلق سے نہایت تحقیقی کلام فرمایا، پھر ان کے مابین بظاہر جو تعارض تھا، اس کو دفع کر کے ان میں ایسی جامع تطبیق دی کہ دونوں طرح کی احادیث کا حکم بھی واضح ہو گیا اور کوئی تخالف بھی باقی نہ رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں جذام وغیرہ بیماری والوں سے دور رہنے کا، تندرست جانور کو خارش وغیرہ مرض والے جانور سے الگ رکھنے کا حکم ہے، وہ ضعیف الاعتقاد اور کمزور ایمان والوں کے لیے سدّباب وسوسۂ فاسدہ و عقیدۂ باطلہ کے تحت ہے کہ بالفرض اگر ایسے شخص کو جذامی کے پاس نشست و برخاست ہوتی تھی اور وہ اسی مرض میں مبتلا ہو گیا تو یہ خیال کرے گا کہ اس کا مرض مجھ کو لگ گیا ہے اور اس طرح سے ایک باطل عقیدے پر اس کا اعتقاد ہو گا۔ علاوہ ازیں ایسا ضعیف الایمان اس کے پاس بیٹھنے میں کراہت اور اذیت کا شکار ہو گا، تو اس کے اندر خود بینی اور خود پسندی کی ابتدا ہو گی اور مبتلائے مرض کو حقیر و ذلیل تصور کرے گا، اور یہ تمام باتیں اس کے خسران اور ہلاکت کا سبب ہوں گی۔ اِن ہلاکتوں سے بچانے کے لیے استحبابی حکم فرمایا۔

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص: ۲۴۲ تا ۲۴۴

اور جن احادیث و آثار صحابہ میں اجازت، معاشرت و اکل و شرب کی ہے وہ قوی الایمان اور کامل الایقان افراد کے لیے ہے، کیوں کہ سرکار کا ارشاد ہے کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ بالفرض وہ اس میں مبتلا بھی ہو جائیں، تو بھی ان کے خواب و خیال میں کبھی یہ وسوسہ راہ نہیں پا سکتا کہ فلاں کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے اس کی بیماری مجھے لگ گئی۔ دیکھیے نا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جذام، کھجلی، چیچک، طاعون وغیرہا کوئی بھی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز ہرگز متعدّی نہیں ہوتی ہے، یہ محض وہم و گمان باطل ہے۔ اب اگر کسی کو کبھی کوئی بیماری ہو گئی تو وہ گمان کرتا ہے کہ اسی کی وجہ سے لگی، حالاں کہ اسے اس دوسرے کی بیماری اڑ کر نہیں لگی، بلکہ خود اس کی باطنی بیماری جو کہ وہم کی پروردہ تھی، صورت پکڑ کر ظاہر ہو گئی۔

لہٰذا علما کا اتفاق ہے کہ مجذوم کے پاس بیٹھنا، اٹھنا، مباح ہے اور اس کی خدمت گزاری اور تیمارداری موجبِ ثواب ہے۔ (۱)

﴿۲﴾

حقوق العباد کی معافی کا مسئلہ:

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے کچھ حقوق مقرر فرمائے ہیں جن کی بجاآوری بندوں کے لیے لازم و ضروری ہے۔ یوں ہی بندوں کو بھی باہم ایک دوسرے کے حقوق کا پابند کیا ہے جن کی رعایت ان کے لیے آپس میں ضروری ہوتی ہے، اس طرح سے مجموعی طور پر دو طرح کے حقوق ہیں: (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد۔

حقوق باری تعالیٰ کی معافی کا تعلق اسی کی ذات سے ہے۔ اس کے سوا مخلوق میں سے کسی کو کوئی دخل نہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے بندوں پر نماز، روزہ، حج و زکات وغیرہ کو فرض قرار دیا، اگر کوئی مسلمان ان کی بجاآوری نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ادائگی کا اس پر جو اپنا حق مقرر فرمایا تھا، اس نے اس کو پورا نہیں کیا، جس کی وجہ سے مستحق سزا و عقاب ہے، اب رب تعالیٰ جب تک معاف نہ فرمادے معاف نہیں ہو سکتا اور وہ عقاب کا مستحق ہے۔

اور حق العبد، مثلاً ایک شخص نے دوسرے شخص کو مارا، اس کو ستایا، اس کی عزت سے کھلواڑ کیا، مال چوری کیا، یا غصب کر لیا، تو جب تک وہ صاحب حق بندہ معاف نہ کرے، معاف نہیں ہو گا اور جب تک وہ معاف نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں فرمائے گا اور قیامت کے دن اس سے اس کا بدلہ دلایا جائے گا۔

حقوق العباد کی معافی کے تعلق سے جو احادیث وارد ہوئی ہیں، دونوں طرح کی ہیں، کچھ احادیث میں یہ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص: ۲۴۱-۲۵۳، ملخصًا

صراحت موجود ہے کہ جب تک صاحب حق کو اس کا حق نہ دلا دیا جائے یا وہ معاف نہ کر دے معاف نہیں ہوگا۔

سرکار اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

”الدواوین ثلثة: فديوان لا يغفر الله منه شيئا، و ديوان لا يعبأ الله به شيئاً، و ديوان لا يترك الله منه شيئاً. فأما الديوان الذى لا يغفر الله منه شيئاً، فالإشراك بالله.(عزوجل) واما الديوان الذى لا يعبأ الله منه شيئاً، فظلم العبد نفسه فيما بينه و بين ربه، من صوم يوم تركه أو صلاة تركها، فان الله تعالىٰ يغفر ذلك إن شاء و يتجاوز إن شاء. وأما الديوان الذى لا يترك الله منه شيئاً، فمظالم العباد بينهم القصاص لا محالة.“[1]

یعنی تین دفتر ہیں: ایک دفتر میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ بخشے گا اور ایک دفتر کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں اور ایک دفتر میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا۔ وہ دفتر جس میں اصلاً معافی کی جگہ نہیں، وہ تو کفر ہے کہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا، اور وہ دفتر جس کی اللہ عزوجل کو کچھ پرواہ نہیں، وہ بندے کا گناہ ہے خالص اپنے اور اپنے رب کے معاملہ میں کہ کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی، اللہ چاہے تو اسے معاف کر دے اور درگزر فرمائے، اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا، وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے کہ اس میں ضرور بدلہ ہونا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حق العبد معاف نہیں ہو سکتا، تاوقتے کہ اس کا بدلہ نہ دیا جائے یا صاحب حق معاف نہ کر دے، حدیث پاک میں ہے کہ ” غیبت کرنے والے کی مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی ہے “۔ جب کہ دوسری جانب یہ حدیثیں ہیں کہ حاجی اگر حلال مال سے خالصاً لوجہ اللہ حج کرے اور بغیر گناہ کیے انتقال کر جائے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، خواہ حقوق اللہ کی قبیل سے ہوں یا حقوق العباد سے، یوں ہی شہیدِ بحر، کہ خاص اللہ عزوجل کی رضا و خوشنودی اور کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے سمندر میں جہاد کرے اور وہاں ڈوب کر شہید ہو جائے، تو اس کے بھی سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یوں ہی شہیدِ صبر، یعنی وہ مسلمان سنی المذہب صحیح العقیدہ، جسے ظالم نے گرفتار کر کے بحالت بے بسی و بے کسی و مجبوری قتل کر دیا، سولی پر چڑھا دیا، اس کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

اس طرح سے دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں، جن میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے، ایک طرف یہ کہ حقوق العباد سے بغیر معافی ارباب حقوق کے دست برداری نہیں ہو سکتی، اور دوسری طرف یہ ہے کہ حجاج و شہدا وغیرہ کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج: ٤، ص: ٤٧٥، ٤٧٦.

امام احمد رضا قدس سرہٗ اس طرح کی تمام احادیث میں یوں تطبیق و توفیق پیش فرماتے ہوئے ازالۂ تعارض کرتے ہیں:

بلا شبہہ جب اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حقوق ان کے اختیار میں دے دیے ہیں، تو وہ بغیر ان کے عفو و درگزر کے معاف نہیں ہوں گے، رہی وہ احادیث، جن میں شہدا و حجاج کی تمام خطائیں، گناہ اور حقوق کی معافی کا ذکر ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ رب رحیم و کریم اپنی رحمت و فضل سے صاحب حق کے حقوق کو اپنے ذمۂ کرم پر لے کر اس کو بے بہا، قصورِ جنت معاوضہ میں دے کر عفو و درگزر پر راضی کر دے گا اور ایک کرشمۂ کرم میں دونوں کا بھلا ہو جائے گا، نہ اس کی حسنات اسے دی جائیں گی اور نہ صاحب حق کی سیآت اس کے او پر ڈالی جائیں گی۔ (ملخصًا)

اس کے بعد ایک بڑی ہی ایمان افروز حدیث نقل فرمائی، جس میں رب رحیم و کریم کی بے انتہا رحمت و احسان کے جلووں کا نظارہ ہوتا ہے اور بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے: رحمت حق بہانہ می جوید، تفصیل کے لیے فتاوی رضویہ جلد نہم نصف اول ص:۴۹ کا مطالعہ کیا جائے۔

اس طرح سے دونوں قسم کی احادیث کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی تعارض باقی نہیں رہتا،[۱]

﴿۳﴾

کفار کے ہدایا اور تحائف قبول کرنے کا مسئلہ:

کفار کے ہدایا اور تحائف قبول کرنا درست ہے یا نہیں، اس سلسلے میں جب ہم احادیث نبویہ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو یہاں بھی دونوں طرح کی احادیث طیبہ کتب احادیث میں ہمیں ملتی ہیں۔ بعض میں یہ تصریح ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے کافروں کے ہدیے قبول فرمائے ہیں اور بعض سے ممانعت ثابت ہے، مثال کے طور پر کسریٰ بادشاہ نے ایک خچر حضور کو نذر کیا، حضور ﷺ نے قبول فرمایا اور اس پر سواری کی۔ حضرت عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبل اسلام کوئی ہدیہ یا اونٹنی نذر کی، حضور ﷺ نے فرمایا: تو مسلمان ہے؟ عرض کی: نہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: "انی نھیت عن زبد المشرکین." "میں کافروں کی دی ہوئی چیز لینے سے منع کر دیا گیا ہوں۔

درج بالا دونوں حدیثوں میں سے اول الذکر کفار کے ہدایا و تحائف کے قبول کرنے پر دلالت کرتی ہے، جب کہ دوسری میں عدم قبول پر دلیل ہے، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث رد و قبول میں وارد ہیں۔

بہر حال احادیث طیبہ چوں کہ دونوں طرح کی ہیں، اس لیے فقہاے عظام کے بھی دو گروہ سامنے آتے ہیں، نوع اول کی احادیث کو دیکھتے ہوئے کچھ فقہا نے یہ مذہب اختیار کیا کہ ہدایاے کفار لینا درست نہیں اور احادیث قبول احادیثِ رد سے منسوخ ہیں، اور نوع ثانی کی احادیث کو دیکھ کر یہ مذہب اختیار کیا کہ اہل کتاب سے ہدیے قبول کرنا

(۱) ملخصا، فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول ص:۴۸ – ۵۱

درست ہے، مشرکین سے نادرست۔ اور دونوں نوع کی احادیث کے درمیان تطبیق یوں دی کہ جن احادیث میں کفار کے ہدایا کے قبول کرنے کی تصریح آئی ہے، ان سے مراد اہل کتاب کا ہدیہ ہے، نہ کہ مشرکین کا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذہب ثانی پر نقد وارد کرکے اس مسئلے کی ایسی انوکھی تحقیق فرمائی کہ احادیث کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے اور کوئی اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

أقول: " قد قبل عن کسری و لم یکن کتابیا الا ان یتمسك فی المجوس بقوله علیه الصلاة والسلام: سنّوا بهم سنة أهل الکتاب غیر ناکحی نساءهم و لا اٰکلی ذبائحهم."

(میں کہتا ہوں: آپ نے کسریٰ شاہ ایران کا ہدیہ قبول فرمایا، حالاں کہ وہ اہل کتاب میں سے نہ تھا، بلکہ مجوسی تھا، مگر یہ کہا جائے کہ مجوس سے متعلق یہ ارشاد ہے کہ ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کرو، مگر یہ کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو نہ ہی ان کا ذبیحہ کھاؤ)۔

اس کے بعد مسئلے کی تحقیق فرماتے ہیں:

یہ معاملہ مصلحت وقت، ہدیہ دینے اور لینے والے کی حالت وکیفیت پر موقوف ہے، اگر یہ امید ہے کہ اس کے ہدایا لینے دینے کا معاملہ رکھنے میں وہ اسلام کی طرف راغب ہوگا، تو ایسی صورت میں اس کا ہدیہ ضرور قبول کرے اور اگر حالت ایسی ہے کہ ہدیہ نہ لینے سے اس کو تکلیف ہوگی اور اپنے باطل مذہب سے بیزار ہوگا، تو ہرگز ہرگز نہ لے۔ اور اگر کیفیت یہ ہو کہ اس کا ہدیہ لے کر اس کے دل میں اس کے تعلق سے نرمی پیدا ہوگی اور دینی معاملہ میں مداہنت پیدا ہوگی، تو اس صورت میں بالکل ناجائز ہے اور اگر کچھ اندیشہ نہ ہو تو ان کا ہدیہ لینا مباح ہے۔[1]

اس تحقیق و تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ کفار کے ہدیے لینے اور دینے میں مواقع و مصالح اور حالات و کوائف کا اعتبار ہے، اگر حالت یہ ہے کہ ان کے ہدایا و تحائف قبول کرنے میں کسی قسم کی مداہنت اور نقصان دینی کا اندیشہ ہے تو ان کے ہدیے نہ قبول کیے جائیں گے اور اگر ان کے تعلق سے نرمی و ملائمت دل میں پیدا نہ ہو اور نہ ہی نقصان دینی کا اندیشہ ہو، تو لینے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ اگر کوئی فائدہ دینی ہو تو لے لینا ضروری ہے۔

ملاحظہ کیجیے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیسی زبردست تحقیق فرمائی کہ مسئلے کے سبھی گوشے اجاگر ہو گئے اور احادیث مختلفہ کے درمیان توفیق و تطبیق بھی ہو گئی اور یہ سب آپ کی قوت تحقیق و تنقیح کی روشن دلیل ہے۔

﴿۴﴾

سرخ لباس پہننے کا مسئلہ:

سرخ لباس پہننے کے سلسلے میں نہی و اجازت دونوں طرح کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ حضرت جابر بن سمرہ

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص:۹۴ تلخیصا و تسہیلا

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں:

"رأیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی لیلة مقمرة اضحیان، فجعلت انظر الیه و الیٰ القمر، وعلیه حلة حمراء، فاذا هو أحسن عندی من القمر."(دارمی و ترمذی)

اِنھیں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

"کان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یلبس برده الاحمر فی العیدین والجمعة. (مواهب لدنیه)

ان احادیث میں سرخ لباس پہننے کا ثبوت ہے۔ جب کہ بعض دوسری احادیث سے نہی ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، فرماتے ہیں:

"رأی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عليَّ ثوبین معصفرین فقال: ان هذا لباس الکفار فلا تلبسها." (مسلم شریف)

مواہب شریف میں اس کے تحت ہے: "ومعلوم أن ذلك یصبغ صبغا أحمر."

اس حدیث پاک میں معصفر اور سرخ رنگ کا لباس پہننے سے ممانعت اور عدم جواز ثابت ہے۔

اس طرح ان احادیث کے درمیان بظاہر تعارض ہے اور خالص سرخ لباس پہننے میں علما کے اقوال میں باہم اضطراب پایا جاتا ہے، جس کے سبب ذہن میں خلجان پیدا ہونا طے ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت نے اس طرح کی احادیث کے درمیان مختصر الفاظ میں بڑی جامع تطبیق فرمائی ہے، جس سے تمام شکوک وشبہات دور ہو کر حکم مسئلہ سامنے آجاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

احادیثِ نہی، سرخ معصفر کے بارے میں ہیں، جیسے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور احادیثِ جواز، سرخ غیر معصفر کے بارے میں ہیں، یعنی جو لباس کسم کا رنگا ہوا سرخ ہو، اس کا پہننا ناجائز ہے اور جو خالص سرخ ہو کسم کا رنگا ہوا نہ ہو، اس کا پہننا جائز ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا بیانِ جواز کے لیے ہے۔

اصل حکم تو یہی ہے، لیکن کثرت اختلاف کی وجہ سے سرخ لباس نہ پہننا ہی اولیٰ ہے اور کوئی پہنے تو اعتراض کرنا بھی بے جا ہے، چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

" انصاف یہ ہے کہ شدت اختلاف کے باعث احتراز اولیٰ اور اعتراض بے جا۔ "[1]

(۱) ج:۹، نصف اخیر، ص:۲۶۶

تخریج احادیث

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاوی کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب کبھی کوئی حدیث کسی مسئلہ کے تعلق سے نقل فرماتے ہیں، تو اس کی تخریج بھی کر دیتے ہیں، جس میں کثیر کتابوں اور راویوں کا حوالہ مندرج ہوتا ہے، جس کو پڑھ کر علم حدیث میں آپ کی وسعت نظر اور وسعت مطالعہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ چند مثالیں نذر قارئین ہیں:

﴿۱﴾

جذامی سے متعلق حدیث:

(۱) آپ نے ایک حدیث نقل فرمائی:

”ان رسول الله ﷺ أخذ بيد رجل مجذوم فأدخلهامعه فى القصعة ثم قال: كل ثقة بالله وتوكلا على الله.“

رسول اللہ ﷺ نے ایک جذامی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالے میں رکھا اور فرمایا: اللہ پر توکل اور اس پر بھروسہ کر کے کھا۔

اب اس کی تخریج فرماتے ہیں:

”رواه أبو داؤد و الترمذى، وابن ماجه، وعبد بن حميد و ابن خزيمة و ابن ابى عاصم و ابن السنى فى عمل اليوم والليلة و ابو يعلى و ابن حبان والحاكم فى المستدرك والبيهقى فى السنن والضياء فى المختارة وابن جرير و الامام الطحاوى كلهم عن جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنهما.“[۱]

یعنی اس حدیث کو چودہ ائمۂ حدیث نے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے۔

(۲) ایک خاتون نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ مجذوموں

(۱) مرجع سابق، جلد نہم، ص: ۲۴۳، نصف اول

کے بارے میں یہ فرماتے ہیں:

"فِرُّوا منهم كفراركم من الاسد."

حضرت ام المومنین نے ارشاد فرمایا:

"كلا و لكنه لا عدوى فمن أعدى الاول."

ہرگز نہیں، بلکہ یہ فرماتے تھے کہ بیماری اڑکر نہیں لگتی جسے پہلے ہوئی اسے کس کی اڑکر لگی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں اٹھارویں سے تیس تک حدیث جلیل عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر جس سے حضرت ام المومنین نے استدلال کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "لا عدوى"

اس کی تخریج یوں فرماتے ہیں:

رواه الأئمة أحمد، والشيخان، وأبوداؤد، وابن ماجه عن ابى هريرة

وأحمد،والستّة إلا النسائى عن انس.

والشيخان،وابن ماجه،والطحاوى عن ابن عمر-

وأحمد، ومسلم، والطحاوى عن السائب بن يزيد-

وهم، وابن جرير جميعا عن جابر.

وأحمد، والترمذى، والطحاوى عن ابن مسعود-

وأحمد،وابن ماجه،والطحاوى،والطبرانى،وابن جرير عن ابن عباس-

والثلاثة الأخيرة عن أبى أمامة.

وابن خزيمة، والطحاوى، وابن حبان، وابن جرير عن سعد بن ابى وقاص.

والإمام الطحاوى عن أبى سعيد الخدرى.

والشيرازى فى الألقاب،والطبرانى فى الكبير، والحاكم، وأبونعيم فى الحلية عن عمير بن سعد الأنصارى.

والطبرانى، وابن عساكر عن عبد الرحمٰن بن أبى عميرة المزنى-

وابن جرير عن أم المومنين.

وأيضا هو وصححه، والقاضى محمد بن عبدالباقى الأنصارى فى جزئه الحديثى عن امير المومنين علي كرم الله تعالىٰ وجهه الكريم بلفظ "لايعدّي سقيم صحيحا".

یعنی یہ حدیث چودہ صحابۂ کرام سے مروی ہے اور سولہ ائمۂ حدیث نے بہ تفصیلِ مذکور اپنی کتابوں میں اسے روایت کیا ہے، اس مقام پر ایک حاشیے میں کچھ اور حوالوں کا اضافہ ہے اسے ہم نے ترک کر دیا۔[1]

﴿۲﴾

کفار کے ساتھ صحبت و موالات سے متعلق حدیث

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کفار کی محبت اور ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت پر پندرہ احادیث طیبہ ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے درج ذیل احادیث کو رقم کرنے کے بعد متعدّد کتب احادیث سے ان کی تخریج فرمائی آپ بھی ملاحظہ کیجیے۔

(۱) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:"ثلث احلف علیهن، وعدَّ منها "لا يحب رجل قوماً الا جعله الله معهم."

میں قسم کھاکر فرماتا ہوں کہ جو شخص کسی قوم سے دوستی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے انھیں کا ساتھی بنائے گا۔

اس کی تخریج یوں فرماتے ہیں:

"رواه احمد والنسائی والحاكم والبيهقی **عن** ام المومنين الصديقة والطبرانی فی الكبير، و ابو يعلی **عن** ابن مسعود. وايضا فی الكبير **عن** ابی أمامة، وفی الاوسط والصغير **عن** امير المومنين علي رضی الله تعالی عنهم باسانيد جياد."

(اس حدیث کو احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔

اور طبرانی نے کبیر میں اور ابو یعلی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

نیز طبرانی نے کبیر میں ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ اوسط اور صغیر میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ان سبھی ائمہ نے جید سندوں سے روایت کیا)۔

چار صحابۂ کرام سے روایت کے باعث یہ چار حدیثیں ہیں، جن کی تخریج امام احمد رضا نے آٹھ کتابوں سے فرمائی۔

(۲) سید کونین ﷺ فرماتے ہیں:

"اياك و ما يسوء الأذن."بچ اس بات سے جو کان کو بری لگے۔

اس کی تخریج فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"رواه احمد عن ابی الغاوية، والطبرانی فی الكبير وابن سعد فی الطبقات والعسكری فی الأمثال، وابن مندة فی المعرفة، والخطيب فی الموتلف عن أم

---

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص:۲۴۴، نصف اول

الغاو ية، و ابو نعيم فى المعرفة عن حبيب بن الحارث رضى الله تعالىٰ عنهم، وعبدالله بن احمد فى الزوائد والمعرفتان عن العاص بن عمروالطفاوى مرسلاً."

(اس حدیث کو احمد نے ابوالغاویہ سے روایت کیا، طبرانی نے کبیر میں، ابن سعد نے طبقات میں، عسکری نے امثال میں، ابن مندہ نے معرفہ میں، خطیب نے موتلف میں حضرت ام غاویہ سے روایت کیا۔

ابونعیم نے معرفہ میں حبیب بن حارث سے روایت کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اور عبداللہ ابن احمد نے زوائد میں اور معرفتان (معرفہ ابن مندہ و معرفۂ ابونعیم) میں حضرت عاص ابن عمرو طفاوی تابعی سے مرسلاً روایت کیا)۔

یعنی روایت کرنے والے تین حضرات صحابی اور ایک تابعی ہیں اور جن کتابوں میں یہ روایات ہیں ان کی تعداد آٹھ ہے۔[1]

(۳) اعلیٰ حضرت نے اس بارے میں کہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہو، اس میں اللہ کے مقدس فرشتے داخل نہیں ہوتے، یہ حدیث پاک نقل فرمائی:

"لا تدخل الملٰئكة بيتاً فيه كلب أو صورة." "جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے۔

اس کی یوں تخریج فرماتے ہیں:

"رواه الأئمة أحمد والستة والطحاوى **عن** ابى طلحة، والبخارى و الطحاوى **عن** ابن عمر و **عن** ابن عباس ومسلم وابوداؤد والنسأى والطحاوى **عن** ام المومنين ميمونة، ومسلم و ابن ماجه والطحاوى **عن** أم المومنين الصديقة، و احمد و مسلم والنسائى و الطحاوى و ابن حبان **عن** ابى هريرة، والامام احمد و الدارمي و سعيد بن منصور و ابو داؤد والنسائى وابن ماجه و ابن خزيمة وابو يعلى و الطحاوى وابن حبان والضياء والشاشى وأبو نعيم فى الحلية **عن** امير المومنين علي، والامام مالك فى المؤطا، والترمذى والطحاوى **عن** ابى سعيد الخدرى، واحمد والطحاوى والطبرانى فى الكبير **عن** اسامة بن زيد، والطحاوى **عن** ابى ايوب الانصارى رضى الله تعالىٰ عنهم."[2]

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص:۱۳۰

(۲) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اخیر، ص:۴۷-۴۸

(ائمۂ محدثین امام احمد واصحاب صحاح ستہ اور امام طحاوی نے حضرت ابوطلحہ سے اس کو روایت کیا، نیز بخاری اور طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابن عباس سے اس کو روایت کیا۔ امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور طحاوی نے ام المومنین حضرت میمونہ سے اور مسلم، ابن ماجہ اور امام طحاوی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ امام احمد، مسلم، نسائی، طحاوی اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ سے اس کو روایت کیا۔ امام احمد، دارمی، سعید بن منصور، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابویعلی، طحاوی، ابن حبان، الضیا، الشاشی اور ابونعیم نے حلیہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو روایت کیا، نیز امام مالک نے مؤطا میں، ترمذی اور طحاوی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا۔ امام احمد، طحاوی اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت اسامہ بن زید سے اس کو روایت کیا اور اسی طرح طحاوی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو روایت فرمایا)۔

اس طرح سے اعلیٰ حضرت نے اس حدیث کو جو دس صحابۂ کرام سے مروی ہے، اٹھارہ کتب حدیث سے تخریج فرمایا۔

مثالیں اور بھی ہیں مگر یہاں اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فکر انگیز تحقیقات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب کسی اہم مسئلے پر قلم اٹھاتے ہیں، تو اس کی ایسی زبردست توضیح و تشریح اور فکر انگیز تحقیق فرماتے ہیں کہ پڑھنے والے کے سامنے تمام پہلو کھل کر سامنے آجاتے ہیں، شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے تاریک گوشے آفتاب نیم روز کی طرح روشن ہو جاتے ہیں اور پیچیدہ اور الجھے ہوئے مسائل کی ساری گتھیاں سلجھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ بطور نمونہ چند مسائل کی تحقیق پیش خدمت ہے۔

﴿۱﴾

طواف کی تحقیق

خانۂ کعبہ اور صفا مروہ کے علاوہ کسی بزرگ اور ولی اللہ کے مزار مقدس کا طواف کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز، شرک و کفر ہے یا صرف حرام؟ اس بارے میں وہابیہ، دیابنہ مطلقاً غیر خانۂ کعبہ کے طواف کو شرک و کفر کہتے ہیں اور یہ ان کی پرانی روشِ قبیحہ ہے کہ بزرگانِ دین کے تعلق سے جوبات اس طرح کی ہوتی ہے، بلا کسی روک ٹوک کے کفر و شرک یا بدعت کا فتوی لگا دیتے ہیں، مثال کے طور پر بوسۂ قبر کو شرک قرار دیتے ہیں، حالاں کہ بوسۂ قبر شرک ہرگز نہیں۔ یوں ہی کسی کے سامنے تعظیم کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے، تو ان کے نزدیک شرک ہو گیا، مگر یہ سب ان کی جہالت و نادانی کے علاوہ کچھ نہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس مسئلے کے تعلق سے استفتا کیا گیا، تو آپ نے اس کی مکمل تحقیق فرما کر اس کی ساری شقوں کو اجاگر فرما دیا اور ایسی تحقیق فرمائی جسے پڑھ کر دل کو سرور اور آنکھوں کو نور حاصل ہوتا ہے۔ یہاں پر آپ کی تحقیق کو ہم تلخیصاً پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

طواف کی تعریف و توضیح اور اس کی اقسام

تعریف و توضیح: طواف لغت عرب، عرف اور شرع میں پھیرے کرنے اور چکر لگانے کو کہا جاتا ہے، یہ پھیرے کرنا خواہ دو چیزوں کے درمیان، ہو یا بایں طور کہ پھیرے کی آمد و رفت کے مبدا و منتہا ایک ہوں۔ اول جیسے

صفا ومروہ کے درمیان چکر لگانا، دوم جیسے خانۂ کعبہ کے گرد گھومنا، حاصل یہ ہے کہ پھیرے کرنا جہاں ہو، جس طرح ہو جس نیت وغرض سے ہو، وہ لغت وعرف وشرع میں طواف کہلائے گا۔

فائدہ: فعل کبھی غایت اصلیہ ومقصود اصلی تک مؤدِّی ہوتا ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور اسے مقصود لذاتہ کہتے ہیں اور کبھی خود تو مؤدِّی نہیں ہوتا، مگر مؤدِّی الی الغایہ کا وسیلہ بنتا ہے، جیسے کہ وضو نماز کے لیے، اسے مقصود لغیرہ اور وسیلہ کہا جاتا ہے۔ طواف میں یہ دونوں صورتیں موجود ہیں۔ مثلاً تفریحِ نفس اور عمدہ خوش بوئیں سونگھنے کے لیے چمن کی روشوں میں ٹہلنا پھرنا، یا کسی حوض کے گرد گھومنا یہ طواف مقصود لذاتہ ہے یا کسی شَے کی تقسیم کو حلقہ یا صفوں پر دورہ کرنا یہاں طواف مقصود لغیرہ ہے۔ اور طواف کی غایت جس طرح تعظیم ہوتی ہے یوں ہی غیر تعظیم بھی ہوتی ہے۔

طواف کی اقسام اور مثالیں:

طواف چار قسم کا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی قسم: طواف نہ تو مقصود لذاتہ ہو اور نہ اس سے غرض وغایت نفس تعظیم ہو، بلکہ طواف کسی دوسرے فعل کا وسیلہ اور واسطہ ہو اور اس فعل سے کوئی اور حاجت مقصود ومطلوب ہو، جیسے سائلوں کا دروازے پر گشت، صحابۂ کرام ایسا طواف ہمیشہ کاشانۂ نبوت کا فرمایا کرتے تھے۔

دوسری قسم: طواف مقصود لذاتہ ہو، لیکن غایت غیر تعظیم، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں رات کو خبر گیری وپاسبانی کے لیے اسی قسم کا طواف مدینہ طیبہ میں فرمایا کرتے تھے۔

تیسری قسم: طواف وسیلۂ مقصود ہو اور غرض وغایت تعظیم، جیسے: نوکر چاکر اور غلاموں کا اپنے مخدوم وآقا پر طواف یعنی اس کے کام اور خدمت کے لیے اس کے گرد پھرنا۔

چوتھی قسم: طواف بھی مقصود لذاتہ ہو اور غرض وغایت بھی تعظیم، یعنی نہ طواف کسی دوسرے فعل کے لیے وسیلہ وواسطہ ہو اور نہ تعظیم کے سوا اس سے کچھ دوسرا مقصود، بلکہ نفس طواف سے محض تعظیم مقصود ہو۔ یہی طواف تعظیمی ہے جیسے خانۂ کعبہ کا طواف، صفا ومروہ کا طواف۔

پھر اوضاع بدن کہ عبادت میں مقرر کیے گئے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ کہ تعظیم میں منحصر ہیں (۲) دوسرے وہ کہ وسیلہ ومقصود دونوں طرح پائے جاتے ہیں اور ان کی غایت تعظیم میں منحصر نہیں، مگر بحالِ قصدِ تعظیم نوع اول سے قریب ہیں، جیسے: رکوع تک جھکنا کہ بلا تعظیم بھی ہوتا ہے اور کبھی بقصد توہین بھی، جیسے کسی کے مارنے کے لیے اینٹ وغیرہ اٹھانے کو جھکنا۔ اور تعظیم کے لیے بھی ہوتا ہے مگر نہ خود مقصود بلکہ وسیلہ، جیسے علما وصلحا کی قدم بوسی وغیرہ کو جھکنا، اور بذاتہ مقصود بھی یہی ہوتا ہے جیسے سلام کرنے میں رکوع تک جھکنا۔ (۳) وہ کہ نوع اول سے

بعید ہیں جیسے قیام و قعود یا رکوع سے کم جھکنا۔ ظاہر ہے کہ ان میں بھی دوسری نوع کی طرح قصد و توسل و غایت مختلفہ کی سب صورتیں پائی جاتی ہیں۔

ان انواع ثلثہ کا حکم

ان تینوں انواع میں عام حکم تو یہ ہے کہ اگر بہ نیتِ عبادتِ غیر ہے تو کچھ بھی ہو مطلقاً شرک و کفر اور بے نیت عبادت ہرگز شرک و کفر نہیں، اگرچہ سجدہ ہی ہو، جب تک وہ فعل بخصوصہ شعار کفر نہ ہو، جیسے: بت یا آفتاب کو سجدہ (والعیاذ باللہ) اور جب عبادتِ غیر کی نیت نہ ہو، تو ان میں فرق احکام یہ ہے کہ نوع اول غیر خدا کے لیے مطلقاً ناجائز ہے اور نوع دوم اس وقت ممنوع ہے جب کہ مقصوداً اسی کو بہ نیت تعظیم بجالایا جائے، اور نوع سوم مطلقاً جائز ہے، اگرچہ اس سے تعظیم مقصود ہو۔

اختیار شرح مختار و فتاوی ہندیہ وغیرہا میں حاضریِ روضہ اقدس کی نسبت فرماتے ہیں:

"یقف کما یقف فی الصلوٰۃ." حضورِ روضہ انور میں نماز کی طرح کھڑا ہو۔

منسکِ متوسط و مسلکِ متقسط میں ہے:

(ثم توجه) ای بالقلب والقالب مع رعاية غاية الأدب.الخ.

پھر نہایت ادب کی رعایت کے ساتھ روضہ اقدس کی طرف دل اور بدن دونوں سے منہ کر کے چہرۂ انور کے مقابل خضوع و خشوع و ذلت و انکسار اور حضوری کی ہیبت اور حضور کی محتاجی کے ساتھ سیدھا ہاتھ بائیں پر حضور کے ادب و تعظیم کے لیے باندھے ہوئے کھڑا ہو۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد جاننا چاہیے کہ مِن جملہ اوضاعِ تعظیمیہ کہ اللہ رب العزت نے اپنی عبادت کے لیے مقرر فرمائے، دونوں قسم کا طواف بھی ہے، خواہ مستقیم جیسے صفا و مروہ میں، خواہ مستدیر جیسے گرد کعبہ، دونوں عبادت ہیں اور دونوں کو قرآن عظیم نے طواف قرار دیا، معلوم ہوا کہ ان میں کوئی فرق نہیں۔

ابتدا میں طواف کی جو چار قسمیں بیان کی گئی ہیں، ان کا حکم بھی ملاحظہ ہو، ساتھ ہی ہر ایک پر نظیر کا بھی مشاہدہ فرمائیں:

- اول کی تین قسموں کا حکم یہ ہے کہ یہ طواف جائز ہے، جس کا ثبوت قرآن و احادیث اور فعل رسول اللہ ﷺ سے ہے:

(۱) ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی، ایاس بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لقد طاف بآل محمد نساء كثير يشكون أزواجهنّ، ليس اولٰئك بخياركم."

آج کی رات بہت سی عورتوں نے ہماری بارگاہ اقدس کا طواف کیا کہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی تھیں، وہ تم

میں کے بہتر لوگ نہیں ہیں جو عورتوں کو ایذا دیتے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میرے والد عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت قرض اور تھوڑے خرمے چھوڑ کر شہید ہو گئے، بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر میں نے پوری کیفیت بیان کی اور عرض کیا: حضور قدم رنجہ فرمائیں تاکہ قرض خواہ حضور کو دیکھ کر شاید اپنے مطالبہ میں کمی کر دیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر قسم کے چھوہاروں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ۔ پھر آقا تشریف لائے، قرض خواہ حضور کو دیکھ کر اور سخت تقاضے کرنے لگے کہ اس سے پہلے ایسے تقاضے مجھ سے کبھی نہیں کیے تھے، حضور نے یہ حال ملاحظہ فرمایا، تو آپ نے ان ڈھیروں میں سے سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین بار طواف فرمایا اور اس پر تشریف رکھی، پھر انھیں ناپ کر دینا شروع کیا، یہاں تک کہ سب کا پورا پورا قرض ادا کر دیا اور سب ڈھیر سلامت بچ رہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ"

تمھارے نوکر، غلام تمھارے گرد بکثرت طواف کرنے والے ہیں۔

اہل جنت کے حق میں فرمایا: "یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ" ﴿۱۷﴾

ہمیشہ رہنے والے لڑکے ان کے گرد طواف کریں گے۔

- اس چوتھی قسم کا حکم یہ ہے کہ یہ طواف غیر خانہ کعبہ وصفا و مروہ کو ناجائز ہے۔ یہ انھیں دونوں کے ساتھ خاص ہے۔

اب اس تفصیل کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ مزاراتِ اولیاء اللہ وغیرہ کا طواف ثانیاً ذکر کی ہوئی انواعِ ثلثہ میں سے کس نوع میں داخل ہے۔ تو یہ بات ہر عاقل کے نزدیک بدیہیات سے ہے کہ وہ مثلِ سجود نوعِ اول سے نہیں، ورنہ سجدہ غیر کی طرح مطلقاً حرام ہوتا، حالاں کہ اول کی چار قسموں میں سے تین کا جواز و وقوع قرآن و احادیث سے ہم نے ثابت کیا اور نہ ہی مثلِ قیام نوعِ سوم سے ہے، ورنہ ہر شخص و مکان معظم کا طواف جائز ہوتا، بلکہ وہ مثلِ رکوع نوعِ متوسط ہے کہ اگر نفس طواف سے تعظیم مقصود ہو، تو غیر خدا کے لیے ناجائز ہے۔ اور اگر غرض و غایت تعظیم نہ ہو، اگرچہ طواف مقصود لذاتہ ہو، جیسے: قسم دوم، یا طواف مقصود لذاتہ نہ ہو اگرچہ غرض تعظیم ہو، جیسے: قسمِ سوم میں، تو بلا شبہ جائز ہے اور دونوں سے خالی طواف ہو، تو بدرجہ اولیٰ جائز۔ تو طواف قبر اگر کسی اور فعل کا وسیلہ ہے، مثلاً: مکان مزار کے گرد قلعی کرنا یا مزار کے ارد گرد مساکین بیٹھے ہیں، ان کو شیرینی وغیرہ تقسیم کرنے کے لیے طواف کرنا، تو یہ بلا شبہ جائز ہے۔ یوں ہی اگر طواف مقصود بالذات ہو اور اس سے غرض و غایت تعظیم نہ ہو، بلکہ تبرک و استفادہ ہو، تو جائز ہے۔ [۱]

(۱) مصدر سابق، جلد نہم، نصف اخیر ص: ۸۷

(۲)

مزامیر کا مسئلہ

اعلیٰ حضرت سے استفتا ہوا کہ راگ یا مزامیر کرنا، سننا، گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟ آپ نے اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور جواز و عدم جواز کی مکمل تحقیق فرمائی۔

آپ نے پہلے مزامیر سننے کا حکم بیان فرمایا کہ مزامیر جو کہ آلۂ لہو و لعب ہیں، لہو و لعب کے طور پر یقیناً حرام ہیں، جن کی حرمت اولیا، علما دونوں فریق کے مقتدا حضرات کے کلمات عالیہ میں مصرّح ہے اور اگر اصرار کے ساتھ ہو، تو ان کا سننا اور سنانا یقیناً گناہ کبیرہ ہوگا، پھر اس پر چند دلیلیں ذکر فرمائیں اور عملِ اسلاف و پیران طریقت سے وارد ہونے والے اعتراض کو دفع فرمایا، فرماتے ہیں، محبوب الٰہی سلطان الاولیا حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفۂ اجل حضرت فخر الدین زرادی نے حضور نظام الدین اولیا ہی کے حکم سے رسالہ لکھا ہے، اس میں فرماتے ہیں:

"اما سماع مشایخنا رضی اللہ تعالیٰ عنهم فبریٔ عن هذه التهمة (المزامیر) وهو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة اللہ تعالیٰ."

ہمارے پیران طریقت کا سننا مزامیر سننے کی تہمت سے بری ہے، ان کا سماع تو قوال کی آواز ہے، ان اشعار کے ساتھ جو کمالِ صنعتِ الٰہی سے خبر دیتے ہیں۔

خود حضورِ ممدوح نے اپنے ملفوظات میں جا بجا مزامیر کی حرمت کی تصریح فرمائی ہے "کہ مزامیر حرام است،" یہاں تک کہ آپ تالی کو بھی مشابہِ لہو ہونے کی وجہ سے منع فرماتے۔ رہ گیا بعض پیران طریقت سے مزامیر کے ساتھ سماع سننا، تو وہ مخصوص اور استثنائی صورتیں ہیں، جن کو سند بنا کر مزامیر کو جائز و حلال نہیں کیا جا سکتا، مثلاً: **(۱)** انھوں نے غلبۂ حال و شوق میں سنا، خود امام زرادی فرماتے ہیں: "سمع بعض المغلوبین السماع مع المزامیر." **(۲)** یہ بھی ممکن ہے کہ بعض بندگان خدا جو ظلماتِ نفس اور کدوراتِ شہوت سے یک لخت منزہ ہو کر فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو گئے، ان میں کسی نے بحالت غلبۂ حال، خواہ عین شریعت کبریٰ کی منزل پر پہنچ کر اور حالاً مآلاً فتنہ معدوم ہونے کے وقت، کبھی اس کا اقدام کر لیا ہو کہ حرمت مزامیر بعینہ نہیں۔ "وانما الاعمال بالنیات."

اس کے علاوہ یہاں ایک اور وجہ ادق و اعمق ہے کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لا یزال عبدی یتقرب الخ" یعنی میرا بندہ بذریعۂ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے، پھر میں جب اسے دوست رکھتا ہوں، تو پھر میں خود اس کا وہ کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے الخ۔ اب کہیے کون کہتا ہے اور کون سنتا ہے۔ آواز تو شجرۂ طور سے آتی ہے مگر لا واللہ پیڑ نے نہیں کہا: انی انا اللہ رب العلمین.

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

تو یہی حال بعض اہل اللہ کے سننے کا ہے، ایسے واقعات نادر ہیں، جن پر احکام شریعت کی بِنا نہیں ہوتی۔ تو ان کا حال، مفید جواز یا حکم تحریم میں قید نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد آپ نے مسئلہ سماع کی تحقیق فرمائی، لیجیے ملاحظہ کیجیے:

سماع مجرد بے مزامیر کی چند صورتیں ہیں:

(۱) رنڈیوں، ڈومنیوں، محل فتنہ امردوں کا گانا

(۲) جو چیز گائی جائے، معصیت پر مشتمل ہو، مثلاً فحش یا کذب، یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو، یا شراب و زنا وغیرہ فسقیات کی ترغیب، یا کسی زندہ عورت خواہ امرد کی بالتعیین تعریفِ حسن، یا کسی معین عورت کا اگرچہ مردہ ہو ایسا ذکر، جس سے اس کے اقارب اَحیا کو حیا و عار آئے۔

(۳) بطور لہو و لعب سنا جائے، اگرچہ اس میں کوئی ذکر مذموم نہ ہو۔ تینوں صورتیں ممنوع ہیں "الأخیرتان ذاتاً، والأولیٰ ذریعة." حقیقةً ایسا ہی گانا لہو الحدیث ہے۔ اس کی تحریم میں اور کچھ نہ ہو تو صرف حدیث "کل لعب ابن آدم حرام الا ثلٰثة" کافی ہے۔ ان کے علاوہ وہ گانا جس میں نہ مزامیر ہوں، نہ گانے والے محل فتنہ، نہ لہو و لعب مقصود، نہ کوئی ناجائز کلام گائیں بلکہ سادے عاشقانہ گیت، غزلیں، ذکر باغ و بہار و خط و خال و رخ و زلف و حسن و عشق و ہجر و وصل و وفائے عشاق و جفائے معشوق وغیرہا امور عشق و تغزل پر مشتمل سنے جائیں، تو فساق و فجار اور اہل شہوات دنیّہ کو اس سے بھی روکا جائے گا۔ "وذلك من باب الاحتیاط القاطع والنصح الناصع وسدالذرائع المخصوص به هذا الشرع البارع والدین الفارع." اسی طرف حدیث "الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل" ناظر. رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الملاهي عن ابن مسعود و البیهقی فی شعب الایمان عن جابر رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی ﷺ." اور اہل اللہ کے حق میں یقیناً جائز بلکہ مستحب کہیے تو دور نہیں، گانا کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا، بلکہ دبی بات کو ابھارتا ہے، جب دل میں بری خواہش بیہودہ آلائشیں ہوں، تو انھیں کو ترقی دے گا اور جو پاک مبارک ستھرے دل شہوات سے خالی اور محبت خدا اور رسول سے مملو ہیں، ان کے اس شوق محمود و عشق مسعود کو افزائش دے گا۔

اور اگر اشعار حمد و نعت و منقبت و وعظ و پند و ذکر آخرت بوڑھے یا جوان مرد خوش الحانی سے پڑھیں اور بہ نیت نیک سنے جائیں کہ اسے عرف میں گانا نہیں، پڑھنا کہتے ہیں، تو اس کے منع پر تو شرع سے اصلاً کوئی دلیل نہیں۔[1]

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول ص:۵۵ ملخصًا

خلاصۂ تحقیق یہ ہے کہ سماع میں اگر مزامیر نہ ہوں اور کوئی چیز محل فتنہ نہ ہو اور نہ لہو و لعب کے طور پر ہو، بلکہ سادہ کلام، غزل وغیرہ کے اشعار، عاشقانہ گیت وغیرہا گائے جائیں، تو فساق و فجار اور عوام کو اس کی اجازت نہ ہوگی اور محبوبان خدا کے لیے جائز و مستحب اور نعت و منقبت وغیرہ تو سب کو جائز ہے، خواہ عوام ہوں یا خواص، بچے پڑھیں یا بوڑھے۔

اس تحقیق انیق سے ظاہر ہو گیا کہ مزامیر، ڈھول تاشے، ہارمونیم وغیرہ سننا سنانا جائز نہیں، خاص کر عصر حاضر میں کہ اکثر شرائط مفقود، فتنوں اور شہوتوں کا غلبہ، دور دورہ ہے، بلا قید مطلقاً عدم جواز کا فتوی دینا چاہیے، جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے صرف ایک فتوے میں قید کا ذکر کیا اور باقی اکثر فتاوی میں سد باب گناہ کے لیے مطلقاً عدم جواز کا فتوی دیا اور آپ کے بعد جمہور علماے اہل سنت نے اسی روش کو اختیار کیا۔

ساتھ ہی یہ مبسوط کلام اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فکر و نظر اور تحقیق و تنقیح میں مہارت و کمال کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔

سیاہ خضاب اور وسمۂ نیل کا مسئلہ

شریعت اسلامیہ نے مردوں کو سر اور داڑھی کے بالوں میں سیاہ خضاب، سیاہ رنگ اور ہر ایسی چیز جو بالوں کو کالا کر دے اس کے لگانے کو حرام قرار دیا، اور اس کا استعمال کرنے والا فاسق اور اصرار کی صورت میں مرتکب گناہ کبیرہ اور ناقابل امامت ہے، خود تنہا بھی اس کی نماز سیاہ خضاب سے ملمع ہونے کی حالت میں مکروہ تحریمی و ناجائز ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں سیاہ خضاب لگانے والے کے لیے سخت اور شدید وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

ایک شخص نے کسی صاحب سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ نیل کا وسمہ جس سے بال سیاہ ہو جائیں، اس کا استعمال اور نیل میں مہندی اور حنا ملا کر لگانا جائز و درست ہے کہ نہیں؟

ایک صاحب نے اس کا جواب دیا کہ وسمۂ نیل میں حنا ملا کر لگانا بلا کراہت جائز ہے اور در مختار و ردالمحتار کی عبارتوں سے استدلال یوں کیا: "فی الدرالمختار ملخصا یستحب للرجل خضاب شعرہ و لحیتہ و لو فی غیر حرب فی الاصح، و یکرہ بالسواد، و قیل: لا. مجمع الفتاوی و فی ردالمحتار: و ورد ان ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خضب بالحناء والکتم."

گویا مجیب نے مذکورہ عبارت و حدیث سے یہ سمجھا کہ حنا اور کتم کا خضاب اگرچہ سیاہ رنگ کا ہو مطلقاً جائز ہے جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لگایا۔

پھر سائل نے اسی سوال کو مجیب کے جواب کے ساتھ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے یہاں پیش کیا اور اس کا حکم جاننا چاہا، تو اعلیٰ حضرت نے پہلے سیاہ خضاب کی حرمت کو کثیر حدیثوں اور نصوص فقہیہ سے ثابت کیا، پھر حنا اور کتم

کی بھر پور تنقیح فرمائی اور رنگ تحقیق دے کر دلائل قاطعہ سے ثابت کیا کہ حنا اور کتم سے تیار خضاب سرخ رنگ لاتا ہے نہ کہ سیاہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حنا اور کتم کا جو خضاب کیا کرتے تھے، وہ سیاہ رنگ کا نہ تھا بلکہ سرخ رنگ کا تھا۔ چناں چہ اس پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

أقول: حنا اور کتم کے خضاب کا رنگ سرخ ہوتا تھا، صحیح بخاری و مسند امام احمد و سنن ابن ماجہ میں عثمان بن عبداللہ بن موہب سے مروی ہے: "قال: دخلت علی ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها فأخرجت شعرا من شعر رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخضوبا. (زاد الاخيران) بالحناء والكتم."

یعنی میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موے مبارک (جو ان کے پاس تبرکات شریفہ میں رکھے تھے جس بیمار کو اس کا پانی دھو کر پلاتیں فوراً شفا پاتا تھا) نکالے، جو مہندی اور کتم سے رنگے ہوئے تھے۔

انھیں عثمان بن عبداللہ سے انھیں موے اقدس کی نسبت صحیح بخاری شریف میں مروی: "ان ام سلمة ارته شعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أحمر" یعنی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انھیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موے مبارک سرخ رنگ کے دکھائے۔ ثابت ہوا کہ حنا اور کتم نے سرخ رنگ دیا، بلکہ اسی حدیث میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دوسری روایت یوں ہے: "شعراً احمر مخضوبا بالحناء والكتم" یعنی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے موے مبارک سرخ رنگ کے دکھائے جن پر حنا اور کتم کا خضاب تھا۔

تو واضح ہوا کہ کتم اگرچہ کسی شے کا نام ہو مگر روایت مذکورہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت سیاہ خضاب کا گمان کرنا یا اس سے نیل یا حنا ملے ہوئے کو مطلقاً جائز سمجھنا محض غلط ہے۔ اول تو وسمہ نیل ہی کو نہیں کہتے، بلکہ ایک اور پتی حنا میں مل کر اس کی سرخی تیز کر دیتی ہے، ورنہ خالص حنا کی سرخی گہری نہیں ہوتی۔ قاموس و تاج العروس میں ہے "الوسمة ورق النيل او نبات آخر يخضب بورقه." (یعنی وسمہ نیل کی پتی ہے یا ایک دوسری گھاس ہے جس کی پتی سے خضاب کیا جاتا ہے، مغرب میں اسی معنی کو جزماً بیان کیا اور وسمہ بمعنی نیل کو ضعیف کہا)۔[1]

خلاصۂ استدلال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موے مبارک مہندی اور کتم سے رنگے ہوئے تھے اور یہ رنگ سرخ تھا، سیاہ نہ تھا اس لیے ماننا پڑے گا کہ حنا اور کتم کا خضاب سرخ رنگ کا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث اور لغت دونوں سے ثابت ہوتا ہے اور جب کتم و حنا کا خضاب سرخ رنگ کا ہوتا ہے، تو پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کتم و حنا کا خضاب کیا تھا اس سے سیاہ خضاب مراد لے کر اسے جائز قرار دینا درست نہیں۔

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص:۳۲

آپ نے اپنی اس عبارت میں جو تحقیق اور عقدہ کشائی فرمائی، وہ آپ ہی کا حصہ ہے، آپ نے حنا اور کتم کی جو توضیح فرمائی ہے، اسے دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

(۴)

مسئلۂ تصویر

شریعت اسلامیہ نے بلا عذر شرعی تصویر کھینچنے اور کھینچانے کو ممنوع و ناجائز قرار دیا ہے اور دونوں کے متعلق سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں اور فرمایا کہ: تصویر کھینچنے اور کھینچوانے والے کو قیامت میں سب سے پہلے اور سب سے سخت عذاب دیا جائے گا۔ نیز فرمایا: جس گھر میں جس جگہ تصویر ہوتی ہے، وہاں اللہ کے مقدس فرشتے نہیں آتے۔ چناں چہ سرکار ابد قرار ﷺ کا ارشاد عالی شان ہے: ”لا تدخل الملٰئكة بيتا فيه كلب و صورة.“ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

احمد آباد سے مولوی عبد الرحیم صاحب نے ایک فوٹو جو سینے تک تھا، اعلیٰ حضرت کے یہاں بھیج کر استفتا کیا کہ یہ فوٹو حضرت غوث اعظم کا ہے، اس کا مکانوں میں رکھنا حرام ہے کہ نہیں اور جہاں یہ فوٹو ہو گا وہاں رحمت کے فرشتے آئیں گے یا نہیں؟ اعلیٰ حضرت نے اس سوال کے جواب میں ایک طویل رسالہ (عطایا القدیر فی حکم التصویر) تحریر فرمایا، جس میں بیان حکم کے بعد تصویر ممنوع اور کراہت صلوٰۃ کی علت کی بے مثال تحقیق فرمائی، جو تصویر سے متعلق تمام گوشوں کو روشن کر رہی ہے اور آپ کے محققانہ ذہن و فکر کی عکاسی ہو رہی ہے۔

خلاصۂ بیان حکم: شریعت محمدیہ نے تصویر کو ناجائز ٹھہرایا ہے اور دخول ملائکہ سے مانع قرار دیا ہے، کسی معظم دینی کی تصویر ہونا کوئی عذر نہیں ہو سکتا، نہ وبال سے بچا جا سکتا ہے بلکہ معظم دینی کی تصویر زیادہ وبال کا سبب ہے۔ (۱)

تصویر کی حقیقت و نوعیت: تصویر میں اصل چہرہ ہے اگر دیگر اعضا مٹا دیے جائیں، صرف سر باقی رکھا جائے، ساتھ ہی چہرہ بھی ہو، تو وہ تصویر ممنوع ہے اور گھر میں دخول ملائکہ سے مانع ہوگی اور اگر صرف چہرہ باقی رکھا جائے، مگر کوئی ایسا عضو مٹا دیا جائے، جس کی وجہ سے وہ زندہ نہ رہ سکے، تو وہ بھی ممنوع ہوگی، البتہ اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ کھڑے ہو کر زمین پر رکھ کر دیکھا جائے، تو اس کے اعضا کی تفصیل ظاہر نہ ہو، تو وہ تصویر دخول ملائکہ سے مانع نہ ہوگی۔ ہاں بلا ضرورت شرعیہ ایسی تصویر بھی بنانا ممنوع رہے گا۔

اس بارے میں صاحب در مختار، علامہ طحاوی اور امام خادمی کا قول یہ ہے کہ اگر تصویر سے کوئی ایسا عضو محو کر دیا جائے جس کے بغیر حیات نہ ہو تو وہ ممانعت میں داخل نہیں۔ امام طحاوی اور ابن امیر حاج رحمہما اللہ کی عبارت سے بھی

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، ص:۴۸، نصف آخر

اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

چناں چہ صاحب در مختار فرماتے ہیں:

" (لو كانت صغيرة) لا تتبين تفاصيل أعضائها للناظر قائما و هى على الارض ذكره الحلبى (او مقطوعة الراس أو الوجه) أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه (أولغير ذى روح) لا يكره."

(اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھی ہو، تو کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو اس کے اعضا کی تفصیل معلوم نہ ہو سکے، چناں چہ حلبی نے اس کو بیان فرمایا، یا اس کا سر یا چہرہ کاٹ دیا گیا ہو، یا اس کے کسی ایسے اندام کو مٹا دیا گیا ہو، جس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے، یا کسی غیر جاندار کی تصویر ہو، تو ان تمام صورتوں میں کراہت نہیں ہوگی)۔

امام ابو جعفر طحاوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عبارت، جس میں تعمیم کا اشارہ ملتا ہے، یہ ہے: "فلمّا أبيحت التماثيل بعد قطع راسها، الذى لوقطع من ذى الروح لم يبق، دل ذلك علىٰ إباحة تصو ير ما لا روح له وعلىٰ خروج مالا روح لمثله من الصور مما قد نهى عنه فى الآثار التى ذكرنا فى هذا الباب."

امام خادمی فرماتے ہیں:

مقطوعة الراس والمراد ممحوة عضو لا تعيش بدونه كالوجه."

علامہ طحطاوی نے فتح القدیر کی عبارت:

"لو قطع يدها ورجليها لا ترفع الكراهة لأنّ الانسان قد تقطع اطرافه و هو حىّ." سے یہ تعمیم استنباط فرمائی اور حاشیہ مراقی الفلاح میں فرمایا "افاد بهذا التعليل ان قطع الراس ليس بقيد بل المراد جعلها علىٰ حالة لا تعيش معها مطلقاً."

اب اس مسئلے میں اعلیٰ حضرت کی تحقیقات پڑھیے اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجیے، وہ فرماتے ہیں:

اقول: اولاً مقام تنقیح میں در مختار کی یہ عبارت محل نظر ہے، فقہ کی جتنی بھی کتابیں، متون، شروح اور فتاوی کی ہیں، ان میں سے کسی میں بھی صاحب در مختار کی بیان کردہ تعمیم نہیں، جان دار کی تصویر میں اصل چہرہ ہے، دوسرے اعضا، وجہ اور راس کے معنی میں نہیں، اگرچہ مدار حیات ہونے میں مماثل ہوں، یہی وجہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کا نام تصویر رکھا۔

امام طحاوی کی اس عبارت سے جو انھوں نے حدیث ابو ہریرہ سے استناد کیا ہے، اس سے یہ فائدہ حاصل

نہیں کہ تصویر جان دار سے ایسا عضو کاٹ دیا جائے، جس سے زندگی ختم ہو جائے، تو وہ تصویر ممنوع نہیں، بلکہ اس بات کا افادہ ہوتا ہے کہ منعِ حکم کا مدار تصویر کا رہنا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے کہ شرع مطہر نے منع کا حکم تمثالِ غیرِ مستہان ظاہر پر نافذ فرمایا ہے، تو جب تک تمثال بلا اہانت ظاہر ہے، منع کا حکم بھی باقی رہے گا اور جب تمثال ہی باقی نہ رہے، یا اہانت ہو، تو منع نہ رہے گا کہ جس پر مدارِ منع تھا وہی باقی نہ رہا، تو منع بھی باقی نہ رہا اور ہر ذی ہوش پر واضح ہے کہ سر قطع کرنے کی صورت میں تمثال باقی نہیں رہتا، جیسا کہ خود حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظاہر ہوا۔ نیز عبارت ہدایہ بلکہ خود حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے بھی یہی ثابت ہے، جب کہ دوسرے اعضا کے کاٹ دینے سے چہرہ باقی رہتے ہوئے تصویر باقی رہتی ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث پاک میں حضرت جبریل امین نے صرف نفیِ راس پر اقتصار فرمایا:

”قال رسول الله ﷺ: اتانی جبریل قال: اتیتك البارحة فلم یمنعنی ان اكون دخلت الا أنه كان علی الباب تماثیل و كان فی البیت قرام ستر فیه تماثیل وكان فی البیت كلب فَمُرْ براس التمثال الذی علی باب البیت فیقطع فیصیر كهیأة الشجرة و مر بالستر فلیقطع فلیجعل وسادتین منبوذتین توطآن الخ.“

(حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبریل حاضر ہوئے اور کہا کہ میں گزشتہ شب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، لیکن مجھے اندر داخل ہونے سے صرف اس چیز نے روکا کہ دروازے پر تصویریں تھیں اور گھر میں بھی باریک پردہ تھا، جس پر تصویریں تھیں اور گھر میں کتا بھی تھا، لہٰذا آپ اس تصویر کے بارے میں یہ حکم دے دیں کہ اس کا سر کاٹ دیا جائے، تاکہ وہ درخت کی طرح ہو جائے اور پردے کے بارے میں فرما دیں کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دو مسندیں بنائی جائیں، جو زمین پر ڈالی اور روندی جائیں۔ چنانچہ سرکار نے ایسا ہی کیا)۔

تو دیکھیے حضرت جبریل امین نے بھی عرض کی کہ ان تصویروں کے سر کاٹنے کا حکم فرما دیجیے جس سے ان کی ہیئت درختوں کے مثل ہو جائے اور حیوانی صورت نہ رہے، اس کا صریح مفاد تو یہی ہے کہ سر کے قطع کیے بغیر حکم منع نہ جائے گا، کیوں کہ بغیر اس کے نہ پیڑ کے مثل ہو سکتی ہے نہ صورت حیوانی سے خارج۔

خلاصۂ کلام مذکور یہ ہوا کہ اگر تصویر میں سے ایسے اعضا بھی قطع کر دیے جائیں، جن پر مدار حیات ہے اور چہرہ باقی ہے، تب بھی وہ تصویر ہے اور دخول ملائکہ سے مانع ہے۔

آخر میں عبارت در مختار کی توضیح کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

انصافاً دیکھا جائے تو در مختار کی عبارت میں جو تعمیم ہے اس سے مراد بھی وہی تصویریں ہیں، جن کو توڑ پھوڑ کر ایسی حالت پر کر دیں کہ اس میں حالت حیات کی حکایت نہ رہے، جو اسے دیکھے میت بے روح کی صورت سمجھے۔ [1]

مزید شہادت نامے وغیرہ پڑھنے، بوسۂ قبر، شادی وغیرہ میں دف بجانے، اللہ تعالیٰ کے عاشق کہنے، میلاد مبارک میں تلاوت قرآن کریم اور سرکار اقدس ﷺ کو اس کا ایصال ثواب کرنے وغیرہ سے متعلق امام احمد رضا کی فکر انگیز تحقیقات کے گلہائے رنگا رنگ اسی متعلقہ جلد میں دیکھیں۔

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اخیر، ص: ۴۷-۴۸ ملخصًا

دلیل طلب احکام کے لیے دلائل کی فراہمی

مسائل کے احکام کے اثبات کے لیے دلائل و براہین کی فراہمی میں بڑے علم و تبحر کی ضرورت ہوتی ہے، قرآن و حدیث اور عبارات فقہا پر گہری نظر اور کامل دسترس کے بغیر اس کام کا انجام پانا بڑا مشکل امر ہے، اس تعلق سے جب ہم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے فتاوی اور آپ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میدان میں بھی آپ کی ذات منفرد اور یکتائے روز گار نظر آتی ہے۔ یہاں چند شواہد قارئین کی نذر ہیں:

حلقۂ ذکر کا مسئلہ

حلقۂ ذکر کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک مسجد میں میلاد شریف ہوا، جس میں خاص و عام سبھی مسلمان حاضر ہوئے، میلاد کے بعد حاضرین میں سے تھوڑے لوگ کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر حلقہ بنالیا، حلقہ کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہوا، حلقہ والوں نے رقص و تمایل کے ساتھ شور مچاتے ہوئے ”الا اللہ“ کے طور سے ذکر کرنا شروع کیا اور حلقہ کے اندر والا شخص ان کے رقص و تمایل کی موزونیت کے ساتھ تالیاں بجاتا، یہ شور شرابا دیکھ کر اکثر لوگ مجلس سے نکل کر چلے گئے۔ اس پر اسی حلقہ کے ایک شخص نے یہ آیت کریمہ: ”وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِىۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى.“ پڑھ کر کہا: جو شخص اس طرح سے ذکر سے اٹھ جاتا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔

آپ نے بڑے شرح و بسط کے ساتھ اس پر بحث فرمائی اور اس کے مثبت اور منفی ہر ایک پہلو کو روشن فرما کر، انھیں دلائل سے مزین فرمایا۔

منفی پہلو کا حکم اجاگر کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

حلقۂ ذکر اگر ریا اور دکھاوے اور لہو و لعب کے طریقے پر ہو، یا اس میں رقص و مزامیر وغیرہ پائے جاتے ہوں، تو یہ ناجائز اور حرام عظیم ہے۔

اب اس پر دلائل ملاحظہ کیجیے:

نصاب الاحتساب، باب سادس پھر تاتارخانیہ، پھر فتاوی خیریہ میں ہے:

(۱) "مسئلة: هل يجوز الرقص فى السماع؟ الجواب: لا يجوز و ذكر فى الذخيرة أنه كبيرة، ومن أباحه من المشايخ فذلك للذى صارت حركاته كحركات المرتعش الخ".

(کیا سماع میں ناچنا جائز ہے؟ جواب: جائز نہیں، اور ذخیرہ میں ذکر کیا گیا کہ ناچنا گناہ کبیرہ ہے اور جن مشائخ نے اس کو مباح قرار دیا ہے، وہ اس شخص کے حق میں ہے، جس کی حرکات مثل رعشہ والے کے، بے اختیار ہوں۔ الخ)

(۲) در مختار میں ہے:

"لا تقبل ممن يلعب بلهو شنيع بين الناس كالطنابير والمزامير، وان لم يكن شنيعا نحو الحداء فلا، إلااذا فحش بان يرقصوا به.خانية.لدخوله فى حد الكبائر، بحر.اهـ . ملتقطا"[1]

(جو شخص لوگوں میں برا کھیل تماشا کرے، جیسے طنبور کا استعمال اور مزامیر وغیرہ آلات راگ وغیرہ کا استعمال، تووہ مردود الشہادہ ہوگا، اگر راگ برا نہ ہو جیسے عربی گیت مثلاً: حدی خوانی تو وہ ممنوع نہیں، لیکن اگر اس میں فحش کلام اور ناچ وغیرہ شامل ہوں تو ممنوع ہے۔ خانیہ۔ اس لیے کہ وہ کبیرہ گناہوں میں داخل ہو گیا۔ بحر، ملتقطاً۔)

(۳) علامہ برکوی، طریقۂ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

"يدخل فيه ما يفعله بعض الصوفية بل هو اشد، لأنهم يفعلونه على اعتقاد العبادة. قال الامام ابو الوفاء بن عقيل رحمه الله: قد نص القرآن على النهى عن الرقص. فقال: ولا تمش فى الارض مرحا، وذم المختال بقوله: "ان الله لا يحب كل مختال فخور."الخ.

(کچھ صوفیہ جو کرتے ہیں وہ اس میں داخل ہے، بلکہ زیادہ سخت حرام ہے، کیوں کہ یہ ان کا کام اعتقاد عبادت کی بنا پر ہے، چناں چہ امام ابوالوفا ابن عقیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: ناچنے سے منع کرنے پر قرآن مجید کی تصریح موجود ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "زمین پر اترا کر نہ چلو" اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے اترا کر چلنے والوں کی مذمت فرمائی، بے شک اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اور ناچنا، اترانا، فخر کرنا ایک جیسے اعمال ہیں، بلکہ ناچنا اترانے اور فخر کرنے سے بھی زیادہ بڑا جرم ہے۔ ابوبکر طرطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: سب سے پہلے جس نے اس بدعت کو ایجاد کیا، وہ اصحاب سامری ہیں جب انھوں نے بچھڑے کا ایک ڈھانچا تیار کیا جو گاے جیسی آواز نکالتا تھا، تو

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد نہم، ص:۱۵۹، نصف اول

وہ کھڑے ہو کر اس کے سامنے ناچنے لگے اور وجد کرنے لگے۔ امام بزازی نے اپنے فتاوی بزازیہ میں فرمایا: ناچ بالاجماع حرام ہے، سید الطائفہ احمد سنوسی نے اس کی حرمت کی صراحت فرمائی۔ میں نے شیخ الاسلام جلال الدین گیلانی کا فتوی دیکھا، جس میں کہا گیا ہے کہ ناچ کو حلال کرنے والا کافر ہے۔ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں ان کے متعلق ایسے کلمات لکھے ہیں، جن سے ان پر بڑے مصائب قائم ہو سکتے ہیں اور امام محبوبی کے کلمات ان سے بھی سخت ہیں۔ اھ۔

اور میں کہتا ہوں کہ جس کی طبیعت میں انصاف ہو، وہ ذرا ہمارے زمانے کے صوفیہ کا مساجد میں ناچنا، کودنا، شور مچانا دیکھے کہ بے ریش لڑکے، خواہشات نفسانی کے متوالے، جاہل دیہاتی اور بے وقوف بدعتی ان میں ملے جلے ہوتے ہیں، جو طہارت سے ناآشنا، قرآن مجید کے ادب سے ناواقف، حلال و حرام کی پہچان سے نابلد ہوتے ہیں، سوا چیخنے چلانے کے کچھ نہیں جانتے، ایمان و اسلام کی معرفت سے لاعلم ہوتے ہیں، فرماتے ہیں: ان لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ اھ ملخصًا۔)

(۴) ردالمحتار میں مختار کے حوالے سے ہے:

”عن النبی ﷺ انه کره رفع الصوت عند قراءة القرآن والجنازة والزحف والتذکیر. فما ظنك عند الغناء الذی یسمونه وجدا أو محبة فانه مکروه، لا اصل له فی الدین.“

(نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے تلاوت قرآن، نماز جنازہ، جنگ اور وعظ کے درمیان بلند آواز کو ناپسند فرمایا۔ پھر تمھارا کیا خیال ہے اس چیخ و پکار کے متعلق، جو اس راگ کے وقت ہو، جس کو یہ لوگ وجد اور محبت کا نام دیتے ہیں، بلا شبہہ یہ مکروہ ہے، دین میں اس کی کوئی اصل نہیں۔)

(۲) مثبت پہلو کی یوں وضاحت فرماتے ہیں:

حلقۂ ذکر خالص رضائے الٰہی کے واسطے ہو اور مغلوبین صادقین تصنع اور ریاکاری سے عاری ہو کر بغیر اختیار و قدرت کے، وجد میں آجائیں اور اس طرح بے خود اور بے کیف ہو جائیں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہ رہے۔ یہ صورت جائز و مستحسن ہے، بلکہ خدائے تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور عظیم نعمت ہے، جو ہر کس و ناکس کو میسر نہیں آتی، بلکہ وہ محبوبان خدا و خاصان خدا کو عطا ہوتی ہے۔•

اس حکم کو یوں مبرہن فرماتے ہیں:

(۱) نصاب الاحتساب و تاتارخانیہ و فتاوی خیریہ و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

”له شرائط ان لا یقوموا الا مغلوبین ولا یظهروا وجداً الا صادقین.“

(اس کے لیے شرائط ہیں کہ وہ نہ اٹھیں مگر مغلوب ہو کر اور بجز صداقت کے وجد کا اظہار نہ کریں۔)

(۲) منتقی شرح ملتقی پھر شامیہ میں ہے:

"شرط الواجد فی غیبته ان یبلغ الیٰ حد لو ضرب وجهه بالسیف لا یشعر فیه بوجع."

(وجد کرنے والے کی وجدانی کیفیت میں گم سم ہو جانے کی حالت کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اس حد تک حاوی ہو کہ اگر وجد والے کے چہرے پر تلوار کی ضرب لگائی جائے، تب بھی اسے تکلیف کا احساس نہ ہو۔)

(۳) فتاوی خیریہ میں ہے:

"فی التتارخانية ما یدل علی جوازه للمغلوب الذی حرکاته کحرکات المرتعش. وبهذا أفتی البلقینی وبرهان الدین الأبناسی وبمثله أجاب بعض الائمةالحنفیة والمالکیة و کل ذلك اذا خلصت النیة، وکانوا صادقین فی الوجد، مغلوبین فی القیام والحرکة عند شدة الهیام."

(فتاوی تاتارخانیہ میں ہے کہ مغلوب الحال کے وجد پر جو چیز دلالت کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی حرکت رعشہ والے شخص کی حرکات کے مثل ہوں، علامہ بلقینی اور علامہ برہان الدین ابناسی نے اسی پر فتوی دیا ہے اور بعض ائمہ حنفیہ و مالکیہ نے بھی اسی کے مطابق جواب دیا، یہ سب اس وقت ہے جب کہ نیت میں خلوص ہو اور وجد والے وجد میں صادق ہوں، اور اٹھنے، بیٹھنے اور حرکت کرنے میں جنونِ عشق کی شدت سے مغلوب ہوں۔)

(۴) مجمع الانہر میں زیر قول مذکور ملتقی الابحر ہے:

"فی التسهیل: فی الواجد مراتب، وبعضه یسلب الاختیار، فلا وجه للانکار بلا تفصیل."

(تسہیل میں ہے کہ وجد کے کچھ مراتب ہیں اور بعض ایسے ہیں، جن میں اختیار سلب ہو جاتا ہے، پھر بلا تفصیل انکار کی کوئی وجہ نہیں۔)

(۵) شفاء العلیل علامہ شامی میں ہے:

"لا کلام لنا مع الصدق من ساداتنا الصوفیة المبرئین عن کل خصلة ردیة، فقد سئل إمام الطائفتین سیدنا الجنید ان أقواما یتواجدون و یتمایلون. فقال: دعوهم مع الله تعالیٰ یفرحون ولو ذقتَ مذاقهم عذرتهم فی صیاحهم و شق ثیابهم .اهـ. ولاکلام لنا أیضامع من اقتدی بهم وذاق من مشربهم ووجد من

نفسه الشوق والهيام الخ."

(ہمارا کلام ان سچے صوفیۂ کرام سے متعلق نہیں، جو گھٹیا عادات سے پاک ہیں، چناں چہ دونوں گروہوں کے امام سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ وجد کرتے ہیں اور لڑکھڑاتے ہیں، اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ سے خوشی پاتے ہیں اگر تجھے بھی ان جیسا ذوق حاصل ہوتا تو ان کو اس چلانے اور گریبان پھاڑنے میں معذور جانتا۔ اھ اور ہمارا کلام ان سے بھی نہیں کہ جنھوں نے ان بزرگوں کی اقتدا کی اور ان کے مشرب کا ذائقہ چکھا اور اپنے اندر شوق اور جنون عشق پایا، بلکہ ہماری گفتگو ان عام لوگوں کے ساتھ ہے، جو فاسق اور کمینے ہیں، جنھوں نے محفل ذکر کا جال حقیر اور معمولی دنیا کے شکار کے لیے لگا رکھا ہے اور اپنے بدترین سفلی جذبات کی تسکین کے لیے محفل ذکر کو آڑ بنایا، ہم اس میں کسی ایک کی تعیین کا ارادہ نہیں رکھتے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کے پورے حالات سے آگاہ ہے۔ اھ مختصراً۔)

(۶) اسی کے منہیہ میں نور العین فی اصلاح جامع الفصولین سے ہے، علامہ ابن کمال پاشا نے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔

ما في التواجد إن حقّقت من حرجٍ ولا التمايل إن أخلصت من باسٍ

فقمتَ تسعى على رِجلٍ وحُقَّ لمن دعاه مولاه أن يسعىٰ على الراسِ

(جو وجد حقیقت پر مبنی ہو اس میں حرج نہیں اگر جھومنا اخلاص سے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں پھر تو کھڑے ہو کر ایک پاؤں پر دوڑنے لگا جسے اس کا مولا بلائے تو اس پر واجب ہے کہ سر کے بل دوڑ پڑے۔

ذکر اور سماع کے وقت اوضاع مذکورہ کی اجازت ہے، ان عارفین کے لیے، جو اپنے اوقات بہترین اعمال کے کرنے میں صرف کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں، اپنے نفس کو قبیح اعمال سے روکنے پر قادر ہوتے ہیں، پھر وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے سنتے اور اس کے مشتاق رہتے ہیں، اگر اس کی یاد میں مصروف ہوں تو نوحہ کرنے لگتے ہیں، اگر اسے پالیں تو چیخنے چلانے لگتے ہیں بشرطے کہ وہ وجد سے مغلوب ہوں، پھر ان میں کچھ وہ ہیں جنھیں مصائب الٰہی نے جھنجھوڑا، تو گر پڑے اور پگھل گئے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں، جن پر لطف و کرم کی بارش ہوئی، تو خوش ہو کر حرکت کرنے لگے۔)

(۷) سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی، حدیقہ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

وجد اور تواجد جسے اس زمانے میں سچے فقرا ہی جانتے ہیں اور گزشتہ دور کے فقرا جانتے تھے وہ تو ایک نور ہدایت اور اللہ رب العزت کی توفیق و عنایت کا اثر ہے۔ علامہ مناوی طبقات الاولیا میں فرماتے ہیں: حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ وجد کرتے ہیں، تو فرمایا: انھیں اللہ کے ساتھ چھوڑ دو کہ خوش رہیں۔

بعض اوقات اہل اللہ پر حیرت اور وجد کی کیفیت غالب ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے وجود سے غائب ہو جاتے ہیں اگر شاہد فعل سے صادر ہوتے تو اس پر حکم لگاتے کہ یہ حد عقل سے خارج ہے، جیسے ناچنا، گھومنا اور کپڑے پھاڑنا، یہ ایک شریف حالت ہے اور اس کی صحت کی پہچان یہ ہے کہ ایسی حالت والا اوقاتِ نماز اور دیگر فرائض و واجبات کی حالت میں اپنی اصل حالت پر آجاتا ہے اور اس کی عقل واپس کر دی جاتی ہے۔

حلیہ میں یحییٰ بن معاذ رازی سے مروی ہے کہ ان سے ناچ کے متعلق سوال ہوا، تو فرمایا: ہم نے تو زمین کو روندا ہے اور اس بندہ کے لیے اس میں کوئی عیب نہیں جو تیری ذات میں گم گشتہ و سرگشتہ اور محو ہوا اور ہم تیری رضا اور تیرے قصد و ارادہ سے زمین کو روندتے ہیں، لیکن جس نے ان حالات کو دانستہ طور پر دنیا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ظاہر کیا، یا اس لیے کہ لوگ اس کے گرویدہ ہو جائیں، اس سے تبرک حاصل کریں، تو یہ کارروائی خطرناک اور مہلک اور تباہ و برباد کرنے والی ہے۔)[1]

خیال رہے اس عنوان کے تحت مذکور دلائل نیز بعض دیگر مقامات پر احادیث و عبارات کا ترجمہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہیں ہے، الگ سے درج کر دیا گیا ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ نہم، نصف اول، ص:۱۵۹، ۱۶۰ ملتقطاً

غیر مستنبط احکام کا استنباط

قرآن کریم اور احادیث نبویہ سرچشمۂ رشد و ہدایت اور تمام اصولی، فروعی احکام کا منبع و مصدر ہیں، ہر چھوٹے، بڑے، دینی دنیاوی، سماجی و معاشرتی مسئلہ کا بیان ان میں موجود ہے، یہ اور بات ہے کہ کچھ احکام ظاہر و مصرح ہیں اور کچھ ایسے امور ہیں جو مصرح نہیں اور جن کی طرف ہر شخص کی نظر نہیں پہنچ سکتی، صحابہ، تابعین اور ائمۂ مجتہدین نے ایسے مسائل کا استخراج فرمایا، مگر چوں کہ ہر زمانے میں نئے نئے مسائل جنم لیتے ہیں، جدید دور میں جدید مسائل رونما ہوتے ہیں، اس لیے اب بھی بہت سے مسائل بہت سی چیزیں ہیں، جن کے حظر و اباحت، حلت و حرمت، استنان و استحباب کا حکم عبارات فقہا و مجتہدین میں بیان نہیں کیا گیا۔ ایسے امور کا استنباط و استخراج اور ان کے احکام بیان کرنا ہر زمانہ کے اہل علم کی ذمہ داری ہے، مگر یہ کام اتنا آسان نہیں کہ ہر کس و ناکس انجام دے ڈالے، بلکہ یہ نہایت مشکل اور دشوار گزار امر ہے، جس کے لیے دقّت نظر، وسعت فکر، نکتہ سنجی اور حد درجہ مسائل کا نباض ہونا ضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا دیگر شعبوں کی طرح اس میدان کے بھی عظیم شہسوار تھے، چناں چہ بے شمار جدید اور نو پید مسائل، جن کے احکام عبارات فقہا و مجتہدین میں مصرّح نہ تھے، آپ نے اپنی دقیقہ سنجی اور باریک بینی سے استخراج فرما کر ان کے احکام واضح فرما دیے، چند مسائل پیش خدمت ہیں:

پہلا مسئلہ

ہندو جو کھانا شیرینی وغیرہ اپنے معبودان باطل کو چڑھاتے ہیں، جس کو بھوگ اور پرشاد بھی کہتے ہیں، آیا اس کا کھانا ایک مسلمان کے لیے جائز ہے یا حرام و ناجائز، عبارات فقہا میں اس کی وضاحت صراحتًا موجود نہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس مسئلہ کا حکم ایک فقہی جزئیے کی روشنی میں واضح فرمایا کہ اس کا کھانا جائز ہے۔

چناں چہ فتاوی عالم گیری میں ہے: ”مسلم ذبح شاۃ المجوسِ لبیت نارھم أو الکافِر

لآلھتھم توکل؛ لانہ سمی اللہ تعالیٰ و یکرہ للمسلم. کذا فی التتار خانیۃ ناقلا عن جامع الفتاوی." [ج:۵،ص:۲۸۶]

(یعنی مجوسی اپنے آتش کدے یا کافر نے اپنے معبودان باطل کے لیے جو بکری چھوڑی اگر مسلمان اس کو ذبح کر دے، تو اس کو کھایا جا سکتا ہے، البتہ مسلمان کو مکروہ ہے۔)

اعلیٰ حضرت اس کو نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:"فاذا حلت ھذہ و ھی ذبیحۃ فالمسئول عنہ اولیٰ بالحل."(جب ذبیحہ حلال ہے تو کھانا، شیرینی وغیرہ بدرجۂ اولیٰ حلال ہوگی۔)(۱)

خلاصۂ استنباط: جب معبودان باطل، بتوں اور آتش کدے وغیرہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر کے کھا سکتے ہیں، تو شیرینی وغیرہ بتوں وغیرہ پر چڑھائی گئی ہے، تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہو سکتا، کیوں کہ ذبیحہ کا حکم نہایت سخت ہے تو جب ذبیحہ حلال ہے تو شیرینی وغیرہ بدرجہ اولیٰ حلال ہوگی کہ اس کا حکم ذبیحہ سے اخف واسہل ہے۔ یہ ہے اعلیٰ حضرت کی قوت استنباط کہ یہ مسئلہ کتب فقہ وعبارات فقہا میں موجود نہ تھا مگر آپ نے تبحر علمی اور باریک بینی سے حل فرمایا۔

دوسرا مسئلہ

سونے چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے، جب تک دلیل سے حلّت ثابت نہ ہو، ان کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے، فقہا نے چند چیزوں کی تخصیص کی ہے، مثلاً: چار ماشہ کی چاندی کی انگوٹھی اور کپڑے میں ٹانکی ہوئی سونے کی گھنڈیاں، ان کی اجازت دی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ سونے چاندی کے بٹن کرتے وغیرہ میں لگانا جائز ہے یا نہیں، بر تقدیر اول اگر کوئی بٹن مع زنجیر استعمال میں لائے تو جائز ہے یا نہیں ؟ اعلیٰ حضرت گھنڈی ٹانکے ہوئے کپڑے کی تعلیل کے مقتضا پر غور کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

چاندی کے صرف بوتام ٹانکنے میں کچھ حرج نہیں کہ کتب فقہ میں گھنڈیوں کے ٹانکنے کی اجازت مصرح ہے، مگر یہ چاندی کی زنجیریں سخت محل نظر ہیں، جو بوتام، گھنڈیوں کے ساتھ لگائی جاتی ہیں، کلمات ائمہ سے جب تک جواز کی دلیل واضح نہ ہو جائے، حکم جواز دینا محض جرأت ہے کہ چاندی سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے چاندی کے ذریعہ سے تزین پائے جانے کی وجہ سے ایسی زنجیروں کے استعمال کو حرام قرار دیا۔ چناں چہ فرماتے ہیں کہ علما تصریح فرماتے ہیں: مرد کو سوا انگوٹھی، پیٹی اور تلوار کے سامان پر تلے وغیرہ

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص:۶

کے، چاندی سے تحلّی کسی طرح جائز نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے: ”مرد چاندی کا کوئی زیور سوائے مخصوص اشیا کے نہ پہنے۔ اور جب یہ زنجیریں مستثنیات سے خارج ہیں، تو یقیناً نہی میں داخل ہیں، نیز اس طرح زنجیر لگانا اگر حقیقۃً زنجیر پہننا نہیں ہے، تو پہننے سے مشابہ ہے اور محرمات میں شبہہ مثل یقین واذعان ہوتا ہے۔

رد المحتار میں ہے :التعليق يشبه اللبس فحرم لذلك لما علم ان الشبهة فى باب المحرمات ملحقة باليقين. رملي (لٹکانا پہننے کے مشابہ ہے، کیوں کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ محرمات میں شبہہ یقین کا درجہ رکھتا ہے۔) خلاصہ یہ ہے کہ کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان زنجیروں کے لگانے کی اجازت ثابت ہو اور جب تک کلمات ائمہ سے اجازت نہ ثابت ہو حکمِ ممانعت رہے گا۔[1]

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص:۳۴، ناشر: رضا اکیڈمی، ممبئی

مختلف اقوال میں تطبیق

تصویر ممنوع میں کراہت نماز اور حکم ممانعت کی علت میں فقہا کے اقوال باہم متعارض اور متخالف ہیں:

(۱) چناں چہ مشائخ نے علت مشابہت، عبادت صنم بتائی اور مصلی کے کپڑوں پر تصویر ہونے کی ممانعت کو حامل صنم کی مشابہت سے تعلیل فرمایا۔

(۲) ہدایہ، تبیین الحقائق، فتح القدیر اور کافی سے تعلیل مسائل میں دو علتیں اور مفہوم ہوتی ہیں۔(۱) جہاں تصویرِ ممنوع رکھی ہو، ملائکہ اس مکان میں نہیں جاتے اور وہ جگہ سب سے بدتر ہے (۲) تعظیمِ تصویر۔

(۳) صاحب فتح القدیر نے صرف مکان میں صرف ممنوع بروجہ اکرام رکھے ہونے کی کراہت کو نماز کی طرف ساری بتایا، اگرچہ تشبہ عبادت نہ ہو۔

(۴) صاحب فتح القدیر کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج نے حلیہ میں صرف امتناع ملائکہ کے علت ہونے کا استظہار اور تشبہ پر مدار سے انکار فرمایا، ہاں اسے موجبِ زیادتِ کراہت بتایا۔

(۵) علامہ شامی نے تشبہ اور تعظیم دو علتیں رکھیں اور امتناع ملائکہ سے تعلیل کو نامناسب ٹھہرایا۔

(۶) علامہ قوام کاکی نے درایہ میں بعض صورت میں تعظیم و تشبہ دونوں منتفی مان کر کراہت ثابت مانی۔

تو کراہت نماز اور حکم ممانعت کی علت کے حوالے سے فقہاے کرام کے یہ مختلف رنگ کے اقوال ہیں، جو بظاہر متعارض اور باہم مخالف معلوم ہوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے اس طرح کے تمام اقوال فقہا، ان کی عبارتوں کے ساتھ فتاوی رضویہ کی نویں جلد، ص: ۵۱، ۵۲ پر نقل فرما کر ان کے درمیان شان دار تطبیق دی کہ اقوال کے درمیان تعارض اور تخالف کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ فرماتے ہیں:

مشائخ کرام کے افادات جو ہدایہ اور اتباع ہدایہ میں مذکور و مرقوم ہوئے، اپنی اپنی جگہ پر بالکل حق و صحیح ہیں اور ہر غبار سے پاک و صاف، بے شک تشبہ کے علاوہ کچھ علت نہیں، یوں ہی تعظیم تصویر اور امتناع ملائکہ علت ہے، متاخرین کے اختلافات و ترددات کا منشا ان امور ثلاثہ میں تفارق سمجھنا ہے، حالاں کہ ان کے درمیان آپس میں تلازم

پایا جاتا ہے، کیوں کہ تشبہ عبادت بغیر تعظیم کے بدیہی طور پر ناممکن و محال ہے، اس لیے کہ عبادت غایت تعظیم ہے، جہاں اصلاً کسی طرح شائبہ تعظیم نہ ہو، وہاں مشابہتِ عبادت کا کیا معنی؟ یہی وجہ ہے کہ اگر بچھے ہوئے بچھونے پر تصویر ہو اور وہ بچھونا جانماز نہ ہو، نہ تو مصلی تصویر پر سجدہ کرے تو ہمارے ائمہ کے اجماع سے اصلاً کراہت نہیں کہ اب کوئی وجہِ تعظیم نہیں پائی گئی کہ یہی تشبہ عبادت کے لیے علت تھی، جو متحقق نہ ہوئی۔

یوں ہی تعظیمِ تصویر، تشبہ عبادت کو مستلزم کہ تعظیم دونوں کو جامع ہے، جب اس کا درجۂ اعلیٰ درجۂ عبادت ہے، تو ادنیٰ میں اس سے مشابہت ہے۔

یوں ہی امتناع ملائکہ اسی گھر میں جانے سے ہوگا، جہاں تصویر بروجہ تعظیم رکھی ہو ورنہ ہرگز نہیں، حدیث مذکورہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں نص صریح ہے، امین وحی حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اپنے حاضر نہ ہونے کی وجہ یہ عرض کی کہ تصویریں پردہ پر منقوش تھیں اور اس کا علاج یہ گزارش کیا کہ اسے کاٹ کر دو مسندیں بنائی جائیں کہ زمین پر ڈالی اور پاؤں سے روندی جائیں، اگر اس کا امتناع باقی رہتا، تو اس کا کچھ اور علاج عرض کرتے، حالاں کہ اس کے بعد کوئی علاج عرض نہ کیا، تو معلوم ہوا کہ اس کے بعد امتناع باقی نہ رہا۔

خلاصۂ تطبیق یہ ہے کہ اصل علت تعظیم ہے، تعظیم ہی سے تشبہ پیدا ہوتا ہے اور تعظیم ہی سے ملائکۂ رحمت داخل نہیں ہوتے، لہٰذا اہانت کی صورتیں جائز رکھی گئیں کہ فرش میں ہوں جن پر بیٹھیں، کھڑے ہوں یا پاؤں رکھیں۔ (۱)

(۱) فتاوی رضویہ جلد نہم، نصف ثانی، ص:۵۱، ۵۲ ملخصاً

حوالہ جات کی کثرت

﴿۱﴾

روضۂ مقدس کا نقشہ بنوانے اور رکھنے کا مسئلہ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بسا اوقات ایک مسئلے کو ثابت کرنے کے لیے بطور حوالہ و سند کثیر علما و فقہا یا کثیر کتابوں کا نام ذکر کرتے ہیں، جو آپ کی وسعت مطالعہ اور فقہی تبحر کو اجاگر کرتے ہیں۔

حضور پر نور سید الانس والجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مقدس کا نقشہ حصول برکت و ثواب کی غرض سے اپنے پاس رکھنا اور یہ گمان کرنا کہ جس طرح روضۂ انور کی تعظیم و توقیر سے ثواب حاصل ہوتا ہے، یوں ہی نقل روضۂ مقدس سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے، یہ بلا شبہ صحیح اور اکابر دین کے مذہب کے موافق ہے، بعض لوگوں نے اس کا انکار کیا اور اس سے برکت حاصل کرنے کی مخالفت کی اور کچھ نئے ہندوستانی علما کی سند پیش کی۔

امام احمد رضا نے پورے شرح و بسط کے ساتھ اس مسئلے کے جواز پر بحث فرمائی اور دلیل و سند میں پچاس سے زیادہ علما اور ان کی کتابوں کے حوالے ذکر فرمائے، جنھوں نے روضۂ انور کے نقشے بنائے، ان کی تعظیم اور ان سے برکت حاصل کرتے آئے اور اس باب میں ایسے روح افزا کلمات بیان فرمائے، جو مومنین کے لیے حرز جان اور منافقین کے لیے جاں گسل ہیں۔

توضیح مسئلہ کے بعد امام احمد رضا فرماتے ہیں: ائمۂ مذاہب اربعہ وغیرہم نے اس کے جواز کی تصریح فرمائی، تمام کتب مذاہب اس سے مملوو مشحون ہیں، ہر چند کہ مسئلہ واضح اور حق لائح ہے، مگر تسکین اوہام و تثبیت عوام کے لیے ائمۂ کرام و علمائے اسلام کی بعض سندیں اس باب میں پیش کروں کہ کن کن اکابرِ دین و اعاظم معتمدین نے مزار مقدس اور اس کے مثل نعل اقدس کے نقشے بنائے اور ان کی تعظیم اور ان سے تبرک کرتے آئے۔

اس کے حوالہ جات کی ایک لمبی فہرست ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(۱) امام عثیم بن نسطاس تابعی مدنی (۲) امام محدث جلیل القدر ابونعیم صاحب حلیۃ الاولیا (۳) امام محدث علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی حنبلی (۴) امام الیمن ابن عساکر (۵) امام تاج الدین فاکہانی، صاحب فجر

منیر (۶) علامہ سید نور الدین علی بن احمد سمہودی مدنی شافعی، صاحب کتاب الوفا ووفاء الوفا (۷) سیدی عارف باللہ محمد بن سلیمان جزولی، صاحب الدلائل (۸) امام محدث فقیہ احمد بن حجر مکی شافعی، صاحب جوہر منظم (۹) علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری، صاحب الخمیس فی احوال انفَسِ نفیس ﷺ (۱۰) علامہ سیدی محمد بن عبد الباقی زرقانی مالکی، شارح مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ (۱۱) شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی، صاحب جذب القلوب (۱۲) محمد العاشق بن عمر الحافظ الرومی حنفی صاحب خلاصۃ الاخبار ترجمہ خلاصۃ الوفاء (۱۳) امام اجل ابو اویس عبد اللہ بن عبد اللہ بن اویس ابو الفضل بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی کہ اکابر علمائے مدینہ طیبہ وائمۂ محدثین ورجال صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ اور تبع تابعین کے طبقۂ اعلیٰ سے ہیں، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہنوئی اور بھتیجے یعنی ان کے حقیقی چچازاد بھائی کے بیٹے ہیں، ۱۶۷ھ میں انتقال فرمایا انھوں نے خود اپنے واسطے امام مالک وغیرہ اکابر تابعین وتبع تابعین کے زمانے میں نعل اقدس نبی ﷺ کی مثال بنواکر اپنے پاس رکھی اور قرناً فقرناً اس مثال کے نقشے ہر طبقہ کے علما لیتے رہے (۱۴) ان کے صاحب زادے امام مالک کے بھانجے اسمٰعیل بن ابی اویس کہ امام بخاری وامام مسلم کے استاذ اور رجال صحیحین اور اتباع تبع تابعین کے طبقۂ اعلیٰ سے ہیں، امام شافعی وامام احمد رضی اللہ عنہما کے معاصر ۲۲۶ ہجری میں وفات پائی (۱۵) ان کے شاگرد ابو یحییٰ بن ابی میسرہ (۱۶) ان کے تلمیذ ابو محمد ابراہیم بن سہل سبتی (۱۷) ان کے شاگرد ابو سعید عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد اللہ مکی (۱۸) ان کے تلمیذ محمد بن جعفر تمیمی (۱۹) ان کے تلمیذ محمد بن الحسین الفارسی (۲۰) ان کے شاگرد شیخ ابو زکریا عبد الرحیم بن احمد بن نصر بن اسحاق بخاری (۲۱) ان کے تلمیذ شیخ فقیہ ابو القاسم حلی بن عبد السلام بن حسن رمیلی (۲۲) ان کے شاگرد شیخ عیاض (۲۳) دوسرے تلمیذ اجل امام اکمل حافظ الحدیث قاضی ابو بکر ابن العربی اشبیلی اندلسی (۲۴) ان دونوں کے شاگرد امام ابن العربی کے صاحب زادے فقیہ ابو زید عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد اللہ (۲۵) ان کے تلمیذ ابن الحیہ (۲۶) ان کے شاگرد شیخ ابن البر تونسی (۲۷) ان کے تلمیذ شیخ ابن فہد مکی (۲۸) امام اجل ابن العربی ممدوح کے دوسرے شاگرد ابو القاسم خلف بن بشکوال (۲۹) ان کے تلمیذ ابو جعفر احمد بن علی اوسی، جن کے شاگرد ابو القاسم بن محمد اور ان کے تلمیذ ابو اسحٰق ابراہیم بن الحاج ان کے شاگرد ابو الیمن بن العساکر مذکورین ہیں (۳۰) امام اسمٰعیل بن ابی اویس مدنی ممدوح کے دوسرے تلمیذ ابو اسحٰق ابراہیم بن الحسین (۳۱) ان کے شاگرد محمد بن احمد خزاری اصبہانی (۳۲) ان کے تلمیذ ابو عثمان سعید بن حسن تستری (۳۳) ان کے شاگرد ابو بکر محمد بن عدی بن علی منقری (۳۴) ان کے تلمیذ ابو طالب عبد اللہ بن حسن بن احمد عنبری (۳۵) ان کے شاگرد ابو محمد عبد العزیز بن احمد کنانی (۳۶) ان کے تلمیذ ابو محمد ہبۃ اللہ بن احمد بن محمد اکفانی دمشقی (۳۷) ان کے شاگرد حافظ ابو طاہر احمد بن محمد بن احمد اسکندرانی (۳۸) ان کے تلمیذ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن تجیبی (۳۹) ان کے شاگرد ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ سبتی، ان کے تلمیذ ابو اسحٰق ابراہیم بن الحاج سلمی ممدوح، ان کے شاگرد ابن عساکر (۴۰) ان کے تلمیذ بدر

فارقی (۴۱) امام ابوحفص عمر فاکہانی اسکندرانی (۴۲) شیخ یوسف تتائی مالکی (۴۳) فقیہ ابوعبداللہ بن سلامہ (۴۴) فقیہ محدث ابویعقوب (۴۵) ان کے شاگرد ابوعبداللہ محمد بن رشید فہری (۴۶) حافظ شہیر ابوالربیع بن سالم کلاعی (۴۷) ان کے تلمیذ حافظ ابوعبداللہ بن الآبار قضاعی (۴۸) ابوعبداللہ محمد بن جابر واوی (۴۹) خطیب ابوعبداللہ بن مرزوق تلمسانی (۵۰) ابن عبدالملک مراکشی (۵۱) شیخ ابوالخصال (۵۲) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالحق انصاری معروف بابن القصاب (۵۳) شیخ فتح اللہ حلبی بیلونی (۵۴) قاضی شمس الدین ضیف اللہ ترابي رشیدی (۵۵) شیخ عبدالمنعم سیوطی (۵۶) محمد بن فرج سبتی (۵۷) شیخ ابن حبیب النبی جن سے علامہ تلمسانی نے نقشہ مقدسہ کی عجیب برکت شفاہاً روایت کی (۵۸) سید محمد موسیٰ حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح (۵۹) سید جمال الدین محدث صاحب روضۃ الاحباب (۶۰) علامہ شہاب الدین خفاجی، جنھوں نے فتح المتعال کی تعریف کی اور ”ھو مصنف حسن“ فرمایا (۶۱) فاضل کاتب چلپی صاحب کشف الظنون (۶۲) علامہ فاضل محمد بن عبدالباقی زرقانی شارح مواہب و موطا امام مالک۔

ان حوالوں کے علاوہ اور بھی علما و فقہا کے اسما اور ان کی کتابوں کی کچھ عبارات بھی ذکر کی ہیں جن کو ہم نے بسبب طوالت ترک کر دیا ہے بہرحال مذکورہ بالا حوالہ جات ذکر کرنے کے بعد آخر میں اختتام کر کے تحریر فرماتے ہیں، ”اب اور پانچ ائمۂ کرام کے اسماے طیبہ عالیہ پر اختتام کیجیے، جن کی امامت کبریٰ پر اجماع اور ان کی جلالت شان وعظمت مکان مشہور ومعروف بلاد وبقاع۔

(۶۳) امام اجل حافظ الحدیث زین الدین عراقی استاذ امام الشان ابن حجر عسقلانی صاحب الفیۂ سیرت وغیرہا (۶۴) ان کے ابن کریم علامۂ عظیم سیدی ابوزرعہ عراقی (۶۵) امام اجل سراج الفقہ والحدیث والملۃ والدین بلقینی (۶۶) امام جلیل محدث نبیل حافظ شمس الدین سخاوی (۶۷) امام اجل واکرم علامہ عالم خاتم الحفاظ والمحدثین جلال الملۃ والشرع والدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رضی اللہ عنہم وعنا بہم یوم الدین آمین یارب العالمین۔[1] ملخصا

تصویر کا مسئلہ:

صاحب در مختار نے فرمایا کہ تصویر کا سراپا چہرہ مٹا دیا جائے یا اس کے کسی ایسے عضو کو محو کر دیا جائے کہ اس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے، تو وہ تصویر مکروہ وممنوع نہیں ہوگی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”حیث قال (أو کانت صغیرة) لا تتبین تفاصیل أعضائها للناظر قائما و هی

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص:۱۴۷ تا ۱۵۲

على الارض .ذكره الحلبى (أو مقطوعة الراس أو الوجه) أو ممحوة عضو لا تعيش بدونه (أو لغير ذى روح) لا يكره."

اعلیٰ حضرت نے ان کے اس قول کہ "تصویر کے کسی ایسے جزاور ایسے عضو کو مٹادیا جائے جس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے اس صورت میں کراہت نہ ہوگی" پر نظر وارد کی اور فرمایا کہ صاحب در مختار کی بیان کردہ تعمیم صحیح نہیں کہ سر اور چہرہ باقی رہتے ہوئے کسی ایسے اندام کو مٹادیا جائے، جس پر مدار حیات ہے، تو کراہت نہیں ہوگی، ہاں اگر سر اور چہرہ مٹادیا اور دوسرے اعضا باقی ہیں، تو کراہت مدفوع ہوجائے گی کہ اصل سر اور چہرہ ہی ہے۔

پھر چالیس کتب فقہ متون وشروح کا حوالہ پیش فرمایا کہ ان میں سے کسی میں یہ تعمیم نہیں۔

فرماتے ہیں:

یہ عبارتِ در مختار ہی کی محل نظر ہے، فقیر نے جس قدر کتب فقہیہ متون وشروح وفتاوی دیکھیں بیان حکم میں اس تعمیم میں در مختار کا سلف نہ پایا، یہاں تک کہ بحر و دُرَر کہ جو ماخذ کتاب ہیں، ان میں بھی اس کا نشان نہیں، عامۂ کتب مثل (۱) بدایہ (۲) وقایہ (۳) نقایہ (۴) کنز (۵) وافی (۶) غرر (۷) اصلاح (۸) ملتقی (۹) منیہ (۱۰) نور الایضاح (۱۱) ہدایہ (۱۲) شرح وقایہ (۱۳) برجندی (۱۴) تبیین (۱۵) کافی (۱۶) درر (۱۷) ایضاح (۱۸) مجمع الانہر (۱۹) مراقی الفلاح (۲۰) فتح القدیر (۲۱) عنایہ (۲۲) خانیہ (۲۳) خزانۃ المفتین (۲۴) ہندیہ حتیٰ کہ خود (۲۵) جامع صغیر محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں صرف ذکر راس پر اقتصار فرمایا کہ اگر تصویر بے سر کی ہو یا اس کا سر کاٹ دیں تو کراہت نہیں اور (۲۶) خلاصہ پھر اس کی تبعیت سے (۲۷) تنویر الابصار (۲۸) حلیہ (۲۹) بحر الرائق (۳۰) جامع الرموز (۳۱) غنیہ (۳۲) صغیری (۳۳) شرنبلالیہ (۳۴) عبد الحلیم علی الدرر میں "وجہ" کا اضافہ کیا کہ چہرہ کا مٹادینا بھی سر کاٹ دینے کے مثل ہے (۳۵) ذخیرۃ العقبی (۳۶) شلبی علی الزیلعی (۳۷) حسن عجیمی علی الدرر (۳۸) سعدی آفندی علی العنایہ (۳۹) مسکین علی الکنز (۴۰) حتی کہ سید ابو السعود ازہری نے بھی کہ در مختار سے کثیر الاخذ ہیں، زیادت سے اصلاً تعرض نہ کیا۔[1]

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف آخر، ص:۴۸

کثیر جزئیات کی فراہمی

امام احمد رضا قدس سرہ کبھی کسی مسئلے کے اثبات میں وہ بہت سے جزئیات و نصوص جمع کر دیتے ہیں، جو مختلف کتب فقہ میں منتشر طور پر ملتے ہیں اور کبھی اصول کی روشنی میں نئے جزئیات کا استنباط بھی فرماتے ہیں، جس سے آپ کی دقت نظر و وسعت مطالعہ اور جزئیات فقہ پر کامل عبور کا اندازہ ہوتا ہے، چند مثالیں ہم یہاں فتاوی رضویہ جلد نہم سے ذکر کرتے ہیں:

(١)

داڑھی سے متعلق نصوص و جزئیات:

جیسا کہ اس سے پہلے گزرا کہ داڑھی رکھنا سنت انبیا و صحابہ و تابعین و تبع تابعین و بزرگان دین ہے اور ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں داڑھی کاٹنا، تراشنا جائز نہیں، اس پر ہم نے آیات قرآنیہ و احادیث طیبہ کو دلائل میں پیش کیا تھا، جنھیں سیدنا اعلیٰ حضرت نے اسی فتاوی رضویہ جلد نہم میں بیان فرمایا ہے، اس مسئلے کو جہاں اعلیٰ حضرت نے قرآن و حدیث سے واضح فرمایا، وہیں کثیر فقہی جزئیات و نصوص سے بھی ثابت فرمایا کہ ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں داڑھی کاٹنا، تراشنا جائز نہیں، جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے، لیجیے آپ بھی ان میں سے کچھ ملاحظہ کیجیے اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیے اور اعلیٰ حضرت کی فقہی بصیرت و کمال کو خراج عقیدت پیش کیجیے۔

آیات قرآنیہ اور احادیث طیبہ سے قطع لحیہ کے عدم جواز کو ثابت کرنے کے بعد یوں رقم طراز ہیں:

تنبیہ نہم: نصوص ائمۂ کرام و علمائے اعلام:

(نص: ١- تا- ٥) امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر، پھر علامہ زین بن نجیم مصری، بحر الرائق، پھر علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی غنیۃ ذوی الاحکام، پھر علامہ مدقق محمد بن علی دمشقی در مختار، پھر علامہ سیدی احمد مصری مراقی الفلاح، یہ سب علمائے کرام کتاب الصوم میں فرماتے ہیں:

المعنی للکل و اللفظ لحاشیۃ الدرر والغرر:"الأخذ من اللحیۃ و هی دون القبضۃ کما یفعله بعض المغاربۃ و مخنثۃ الرجال فلم یبحه أحد، وأخذُ کلها فعلُ

المجوس الأعاجم و اليهود والهنود وبعض أجناس الأفرنج."

یعنی جب داڑھی ایک مشت سے کم ہو، تو اس میں سے کچھ لینا، جس طرح بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں، یہ کسی کے نزدیک حلال نہیں اور سب لے لینا ایرانی مجوسیوں، یہودیوں، ہندوؤں اور بعض فرنگیوں کا فعل ہے۔

(نص:٦-تا-١٢) امام برہان الملۃ و الدین فرغانی ہدایہ، پھر امام زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، پھر علامہ نجم الدین طوری تکملۂ بحر الرائق، پھر علامہ شرنبلانی غنیہ، پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین حاشیہ کنز، پھر علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ تنویر، پھر علامہ سیدی محمد امین آفندی رد المحتار علی الدر المختار سب علما کتاب الجنایات مسئلہ جنایت بحلق لحیہ میں فرماتے ہیں:

"يؤدب على ذلك لارتكاب المحرم،هذا هو لفظ الكل إلّاالطرفين فلفظهما "يودّب على ارتكابه ما لا يحل."

داڑھی مونڈنے والے کو سزا دی جائے کہ وہ فعل حرام کا مرتکب ہوا۔

(نص:١٣-تا-١٧) علامہ تورپشتی شرح مصابیح، پھر علامہ طیبی شرح مشکاۃ، پھر مولانا علی قاری مکی مرقاۃ، پھر علامہ فتنی مجمع البحار، پھر شیخ محقق لمعات میں فرماتے ہیں:

"قص اللحية كان من صنيع الأعاجم وهو اليوم شعار كثير من المشركين كالافرنج و الهنود ومن لاخلاق لهم فى الدين، من الفرق الموسومة بالقلندرية. طهّر الله عنهم حوزةَ الدين."

داڑھی تراشنا پارسیوں کا کام تھا اور اب تو بہت کافروں کا شعار ہے، جیسے فرنگی اور ہندو اور وہ فرقہ جس کا دین میں کچھ حصہ نہیں، جو قلندریہ کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسلامی حدود کو ان سے پاک کرے۔

(نص:١٨،١٩) کواکب الدراری شرح صحیح بخاری امام کرمانی و مجمع میں ہے:

"فسبحنه ما استخف عقول قوم طَوَّلوا الشارب واحفوا اللحى عكس ما عليه فطرة جميع الامم قد بدّلوا فطرتهم." نعوذ بالله سبحانه.

سبحان اللہ! کس قدر پوچ عقل ہے ان لوگوں کی، جنھوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں پست کیں، بر عکس اس خصلت کے جس پر تمام امم انبیا علیہم الصلاۃ و السلام کی فطرت ہے، انھوں نے اپنی اصل خلقت ہی بدل دی، خدا کی پناہ۔

(نص:٢٠-تا-٢٢) امام ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل مرغینانی نے کتاب التجنیس والمزید میں اس

کے عدم جواز کی تصریح فرمائی، لمعات شرح مشکاۃ ونصاب الاحتساب باب السادس میں ہے:

"هل يجوز حلق اللحية كما يفعله الجُوا ليقون؟ الجواب: لا يجوز. ذكره في جناية الهداية وكراهة التجنيس."

یعنی سوال کیا داڑھی منڈانا جائز ہے جیسے جھولا شاہی فقیر کرتے ہیں؟

جواب: ناجائز ہے، ہدایہ کتاب الجنایات اور تجنیس کتاب الکراہتہ میں اس کی تصریح ہے۔

(نص:٢٣، ٢٤) تبیین المحارم ورد المحتار میں ہے:

"إزالة الشعر من الوجه حرام الا اذا نبت للمرأة لحية أو شوارب فلا تحرم إزالتها بل تستحب."

منہ کے بال دور کرنا حرام ہے، مگر جب کسی عورت کے داڑھی یا مونچھ نکل آئے تو اسے حرام نہیں بلکہ مستحب ہے۔

(نص:٢٥، ٢٦) مفہم شرح صحیح مسلم للعلامۃ القرطبی پھر اتحاف السادۃ المتقین میں ہے:

"لا يجوز حلقها ولا نتفها ولا قص الكثير منها."

داڑھی کا نہ مونڈنا جائز نہ چننا نہ زیادہ کترنا۔

(نص:٢٧) امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

"لا يحل للرجل أن يقطع اللحية."

مرد کو حلال نہیں کہ داڑھی کاٹے۔

(نص:٢٨-تا-٣٠) بعینہ یہی الفاظ امام ابو بکر نے فرمائے اور ان سے نوازل اور نوازل سے نصاب الاحتساب باب ثامن میں منقول ہوئے۔

(نص:٣١، ٣٢) در مختار میں ہے:

"فيه (أي في المجتبى) قطعت شعر رأسها أثمت و لعنت. زاد في البزازية: ولو بإذن الزوج؛ لأنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق، ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال."

یعنی مجتبی شرح قدوری میں ہے عورت اپنے سر کے بال کاٹے تو گنہ گار وملعونہ ہوجائے، بزازیہ میں زائد فرمایا کہ اگرچہ شوہر کی اجازت سے۔ اس لیے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، اسی لیے مرد پر داڑھی کاٹنا حرام ہے اور علت گناہ مردوں کی وضع بنانی ہے، یعنی عورت کو موے سر تراشنے کی حرمت میں یہ علت ہے کہ یہ مردانی وضع ہے، جس طرح مرد کو ریش تراشنی حرام ہونے کی علت یہ کہ عورتوں سے تشبہ ہے اور وہ دونوں ناجائز۔

(نص ۳۳) تبیین میں ہے:
”لا یاخذ من اللحیۃ شیئا لأنہ مثلۃ.“
(مرد داڑھی سے کچھ نہیں لے گا اس لیے کہ یہ مثلہ ہے۔)
ان کے علاوہ اور بھی کثیر نصوص و جزئیات اس مسئلے کے تحت ذکر فرمائے، جن کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے۔(۱)

﴿۲﴾

حرمت سجدۂ تعظیمی سے متعلق نصوص:

سابقہ شریعتوں میں غیر اللہ کو سجدۂ تحیت جائز تھا، جیسا کہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کو فرشتگان حق نے بحکم الٰہی سجدۂ تعظیمی کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدۂ تحیت کیا، مگر شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) نے سجدۂ غیر اللہ کو جائز نہ رکھا، خواہ سجدۂ عبادت ہو یا سجدۂ تحیت، کہ سجدۂ عبادت غیر اللہ کو تو ہر شریعت ہر دین میں ناجائز و حرام بلکہ کفر رہا ہے اور اس شریعت میں بھی کفر ہے، البتہ اس شریعت میں سجدۂ تحیت کو بھی ناجائز رکھا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سے اس تعلق سے سوال کیا گیا کہ زید اس شریعت طاہرہ میں بھی سجدۂ تحیت کو جائز قرار دیتا ہے اور آیات قرآنیہ و احادیث طیبہ سے اپنے اس موقف پر استدلال کرتا ہے، آیا زید کا یہ موقف صحیح ہے یا نہیں؟ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سجدۂ تحیت کی حرمت قرآن کریم و احادیث نبویہ سے ثابت فرمائی، ساتھ ہی ڈیڑھ سو نصوص و جزئیات فقہ سے بھی اس کی حرمت کو واضح فرمایا اور زید کے اس موقف کو رد فرمایا، آپ نے اتنے دلائل سے اس کی حرمت کو ثابت فرمایا کہ اپنے تو اپنے غیر بھی آپ کی حدیث دانی، اور فقہی کمال و تبحر کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے، ملاحظہ کیجیے وہ فقہی جزئیات و نصوص جن سے آپ نے سجدۂ تحیت و تعظیم کو حرام ثابت فرمایا۔

اعلیٰ حضرت نے چھ طرح کی عبارات فقہا سے سجدۂ تحیت کی تحریم کو ثابت فرمایا (۱) غیر خدا کے لیے سجدہ کفر ہے، اس کا ظاہر اطلاق ہے (۲) غیر اللہ کو سجدہ مطلقاً کفر ہے، اس میں تصریح اطلاق ہے (۳) حالت اکراہ میں کفر نہیں اور اس کے علاوہ میں کفر ہے (۴) غیر کی نیت سے کفر ہے اللہ تعالیٰ کے لیے نیت ہو یا کچھ بھی نیت نہ ہو تو کفر نہیں (۵) عبادت کی نیت سے کفر اور تحیت کی نیت سے کفر نہیں اور کچھ نیت نہ ہو جب بھی کفر (۶) غیر کی طرف کفر نہیں، جب تک نیت عبادت نہ ہو یہی صحیح و معتمد اور حق ہے اور باقی کفر صوری وغیرہ سے مؤوّل۔ مذکورہ بالا چھ طریقوں میں سے ہر ایک سے حرمت کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، نصف اول، ص: ۱۲۹-۱۳۰

(نص:۱-تا-۳) تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی جلد اول ص:۲۰۲، غنیۃ المستملی محقق ابراہیم حلبی ص:۲۶۶، فتح اللہ المعین للعلامہ السید أبی السعود الأزہری جلد اول ص:۲۹۰ میں ہے:

"التواضع نهايته توجد فى السجود و لهذا لو سجد لغير الله تعالىٰ يكفر."

تواضع کا ختم سجدے پر ہے، اس لیے غیر خدا کو سجدہ کفر ہے۔

(نص ۴- ۵) نصاب الاحتساب قلمی، باب ۴۹ میں کفایہ شعبی سے ہے:

"اذا سجد لغير الله تعالىٰ يكفر لأن وضع الجبهة على الأرض لا يجوز الا لله تعالىٰ." غیر خدا کو سجدہ کرے تو کافر ہے کہ زمین پر پیشانی رکھنا دوسرے کے لیے جائز نہیں۔

(نص:۶،۷) مبسوط امام جلیل شمس الائمہ سرخسی، اس سے جامع الرموز، ص:۵۳۵ میں ہے:

"من سجد لغير الله تعالىٰ على وجه التعظيم كفر."

غیر خدا کو سجدۂ تعظیمی کرنے والا کافر ہے۔

(نص:۸) منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر، ص:۲۳۵ میں ہے:

"**أقول:** وضع الجبين اقبح من وضع الخد فينبغى أن لا يكفر إلا بوضع الجبين دون غيره لأن هذه سجدة مختصة لله تعالىٰ."

میں کہتا ہوں زمین پر ماتھا رکھنا رخسارہ رکھنے سے بھی بدتر ہے، تو چاہیے کہ اسی میں کفر ہو، نہ اور میں، کہ یہ سجدہ ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے۔

(نص:۹،۱۰،۱۱) شرح نقایہ علامہ قہستانی ص:۵۳۵، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر جلد:۲، ص:۵۲۰ دونوں فتاوی ظہیریہ سے، ردالمحتار علامہ شامی جلد:۵، ص:۳۷۸، جامع الرموز سے نقل فرماتے ہیں:

"يكفر بالسجدة مطلقاً." غیر خدا کو سجدہ کرنے سے مطلقاً کافر ہو جائے گا۔

(نص: ۱۲) غایۃ البیان علامہ اتقانی قلمی کتاب الکراہت قبیل فصل من البیع:

"اماالسجود لغير الله فهو كفر اذا كان من غير اكراه."

غیر خدا کو بلا اکراہ سجدہ کفر ہے۔

(نص:۱۳) منح الروض، ص:۲۳۵ میں ہے:

"اذا سجد بغير الاكراه يكفر عندهم بلا خلاف."

اگر بلا اکراہ سجدہ کیا تو باتفاقِ علما کافر ہو جائے گا۔

منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر للعلامۃ علي القاری کی مذکورۂ بالا عبارت میں مطلقاً سجدہ بلا اکراہ سے متعلق

"باتفاق علما کفر" ہونے کا دعوی ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اس پر فرمایا کہ یہ دعوی اتفاق بے محل ہے اور کئی طرح سے اس کو رد کیا ہے، جسے ہم فقہاے متقدمین پر "تطفلات" کے بیان میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(نص:۱۴) امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام، ص:۵۵:

"علم من كلامهم أن السجود بين يدى الغير منه ماهو كفر و منه ما هو حرام غير كفر .فالكفر أن يقصد السجود للمخلوق، والحرام أن يقصده لله تعالىٰ معظما به ذلك المخلوق من غير أن يقصده به أو لا يكون له قصد."

کلام علما سے معلوم ہوا کہ غیر خدا کو سجدہ کبھی کفر ہے اور کبھی صرف حرام ہے، کفر تو یہ ہے کہ مخلوق کے لیے سجدہ کا قصد کرے اور حرام یہ ہے کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیے کرے اور مخلوق کی طرف کرنے سے اس کی تعظیم یا یہ کہ اصلاً کچھ قصد نہ ہو۔

اس طرح سے سجدۂ تحیت کی حرمت پر ڈیڑھ سو فقہی نصوص اور جزئیات کثیر، کتب فقہ سے جمع فرمائے، جن کی روشنی میں یہ مسئلہ روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ حرام ضرور ہے، خواہ کسی بھی طرح کا سجدہ ہو۔[1]

﴿۳﴾

ذکر بالجہر سے متعلق جزئیات:

ایک سائل نے استفتا کیا کہ ہمارے یہاں سندھ میں جنازے کے آگے کلمۂ طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے قبرستان لے جاتے ہیں، پھر بعد دفن واپسی پر راستے میں جہر سے کلمۂ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں، یہ ذکر بالجہر جائز ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا نے جواز کا فتوی دیا اور اس کے جواز کو پچیس احادیث سے مزین فرمانے کے بعد کثیر فقہی جزئیات و دلائل سے مسئلے کو موید فرما کر روشن فرما دیا۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فتاوی سے نقل فرماتے ہیں:

"ان الذكر بالجهر فى المسجد لا يمنع احترازا عن الدخول تحت قوله تعالىٰ "و من اظلم ممن منع مسٰجد الله ان يذكر فيها اسمه الخ."

تبیین الحقائق و فتح القدیر و درر الاحکام و بحر الرائق و مجمع الانہر و غیرہا کتب کثیرہ میں ہے: "قال الفقيه ابو جعفر: لا ينبغى ان يمنع العامة عن ذالك لقلة رغبتهم فى الخيرات."

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اخیر، ص:۲۲۳

محیط پھر ہندیہ میں ہے: "قال الفقیه ابو جعفر: سمعت شیخی ابا بکر یقول: سئل ابراهیم عن تکبیر أیام التشریق علی الاسواق والجهر بها قال: ذلك تکبیر الحوکة. و قال ابو یوسف رحمه الله تعالیٰ:إنه یجوز وقال الفقیه: انا لا أمنعهم عن ذالك."

بحر و در میں ہے: هذا کله انما هو بحسب حال الانسان و اما العوام فلا یمنعون من تکبیر و کذا التنفل قبلها.اهـ . مختصراً.

طحطاوی و شامی میں زیرِ قول در: هذا للخواص *لکھا:* الظاهر ان المراد بهم الذین لا یؤثر عندهم الزجر غلا ولا کسلاحتی یفضی بهم الیٰ الترك اصلا.

غنیہ میں ہے: قال الفقیه ابو جعفر الذی عندنا انه لا ینبغی ان یمنع العامة من ذلك لقلة رغبتهم فی الخیرات و به ناخذ، یعنی انهم اذا منعوا عن الجهر به لا یفعلونه سرا، فینقطعون عن الخیر، بخلاف العالم الذی یعلم أن الإسرار هو الافضل. *رحمانیہ میں ذخیرہ سے ہے:*"به اخذ الفقیه ابو اللیث."

اِن عبارات علما سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جہر میں کراہت بھی ہے، تو نہ اس قدر کہ خوبیِ ذکر کی مقاومت کر سکے و لہٰذا جب منع جہر میں ترک ذکر کا مَظِنّہ ہو خوبیِ ذکر کو ترجیح دیں گے اور کراہت جہر کا لحاظ نہیں کریں گے، انصافاً یہ شان صرف کراہت تنزیہ میں ہو سکتی ہے، جس کا حاصل خلاف اولیٰ ہے نہ کہ ممنوع و ناجائز۔ بالجملہ اس سے منع کرنا ہی خلافِ مصالحِ شرعیہ ہے۔[1]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۹، ص:۱۱۱، نصف اول

متقدمین فقہا و محدثین پر تطفلات

(۱)

صاحب مشکاۃ المصابیح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن ماجہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے حدیث "ان رسول الله ﷺ اخذ بید رجل مجذوم فأدخلها معه فی القصعة ثم قال: کُلْ ثقةً بالله و توکلاً علیه" میں کل ثقة بالله کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

اس پر علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"أما ترك المؤلف البسملة مع وجودها فی الاصول، فامّا محمولة علی روایة منفردة غریبة لابن ماجه، او علیٰ غفلة من صاحب المشکاة أو المصابیح."

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بسم اللہ چھوڑ دینا باوجودے کہ وہ اصول میں مذکور ہے، یا تو اس لیے کہ یہ ابن ماجہ کی مفرد غریب روایت پر محمول ہے، یا صاحب مشکاۃ یا صاحب مصابیح کی غفلت کا نتیجہ ہے۔

اس پر امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"سبحٰن الله هو انما نقله عن ابن ماجه، فلو زاد البسملة، لَنُسِبَ إلی الغفلة، ثم لم یتفرد ابن ماجة بترك البسملة، بل هو کذلك عند ابی داؤد ایضا، رواه عن عثمان بن ابی شیبة عن یونس بن محمد، و ابن ماجه عن ابی بکر بن ابی شیبة و مجاهد بن موسی و محمد بن خلف العسقلانی، کلهم عن یونس بترك البسملة، و الترمذی عن احمد بن سعید الأشقر و ابراهیم بن یعقوب کلاهما عن یونس مع البسملة."

(سبحان اللہ صاحبِ مشکاۃ نے اسے ابن ماجہ سے نقل فرمایا ہے، اگر بسم اللہ شریف کا اضافہ کرتے، تو غفلت کی طرف منسوب ہوتے اور ترک بسم اللہ کے معاملے میں ابن ماجہ منفرد نہیں، بلکہ ابوداؤد کے یہاں بھی یوں ہی بسم اللہ متروک ہے، چنانچہ امام ابوداؤد نے عثمان بن ابی شیبہ سے بواسطہ یونس بن محمد، اس کو روایت کیا ہے اور ابن ماجہ

نے ابو بکر بن ابی شیبہ، مجاہد بن موسیٰ اور محمد بن خلف عسقلانی کے حوالے سے اسے روایت کیا، سب نے بواسطہ یونس بسم اللہ کے بغیر روایت کیا اور امام ترمذی نے بواسطہ احمد بن سعید الاشقر اور ابراہیم بن یعقوب بحوالہ یونس بسم اللہ کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔)(۱)

حاصل یہ ہے کہ صاحب مشکاۃ نے مذکورہ بالا روایت میں "بسم اللہ" کا ذکر نہ کیا، علامہ علی قاری نے اس کی دو وجہیں بیان کیں کہ صاحب مشکاۃ نے "بسم اللہ" یا تو اس لیے ترک کیا کہ انھوں نے ابن ماجہ کی متابعت کی ہے کہ انھوں نے بھی "بسم اللہ" کو ذکر نہیں کیا اور ابن ماجہ "بسم اللہ کو ترک کرنے میں منفرد ہیں، یا پھر صاحب مشکاۃ یا صاحب مصابیح اس کی طرف توجہ نہ دینے کی بنیاد پر اس سے غافل رہے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ صاحب مشکاۃ نے اس حدیث کو ابن ماجہ سے نقل کیا ہے، خود روایت نہیں کیا تو اگر آپ بسم اللہ کا اضافہ کرتے، تو نقل کے خلاف ہوتا، آپ کی طرف اپنی طرف سے اضافہ اور غفلت کی نسبت کی جاتی اس لیے آپ نے بغیر بسم اللہ کے نقل روایت کی، ایسا نہیں کہ آپ اس سے غافل تھے اور آپ کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ترک بسملہ میں ابن ماجہ منفرد ہیں، کیوں کہ ابوداؤد کے یہاں بھی بسملہ متروک ہے، پھر حوالہ کے لیے فرمایا کہ امام ابوداؤد نے عثمان بن ابی شیبہ سے بواسطہ یونس بن محمد اس کو روایت کیا اور ابن ماجہ نے ابو بکر بن ابی شیبہ، مجاہد بن موسیٰ اور محمد بن خلف عسقلانی کے حوالہ سے اس کو روایت کیا ہے اور ان سبھی محدثین نے یونس سے بغیر بسم اللہ کے ہی روایت کیا ہے۔(۲)

﴿۲﴾

صاحب منح الروض غیر اللہ کے سجدے سے متعلق، منح الروض میں فرماتے ہیں: "إذا سجد بغير الاكراه يكفر عندهم بلا خلافٍ،" یعنی اگر بلا اکراہ غیر اللہ کو سجدہ کیا، تو باتفاق علما کافر ہو جائے گا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرمت سجدۂ غیر اللہ سے متعلق نصوص کے بیان میں منح الروض کی مذکورہ بالا عبارت کو نقل فرمانے کے بعد اتفاق علما کے دعوے کو رد کر کے واضح کیا کہ اس صورت میں اتفاق علما کا قول محل نظر ہے۔

فرماتے ہیں:

اولاً: بلکہ صحیح و مختار وہی تفصیل نیت عبادت و تحیت ہے، جس پر نصوص کثیرہ مطلقہ عنقریب آتے ہیں۔ (وہ نصوص ہم یہاں چھوڑ رہے ہیں، قارئین اسی متعلقہ جلد کے جز آخر ص: ۲۲۴ سے آگے تک ملاحظہ کریں۔)

ثانیاً: اجلۂ اکابر نے خاص صورت عدم اکراہ میں بھی سجدۂ تحیت کفر نہ ہونے کی تصریحیں فرمائیں۔

(۱) فتاوی رضویہ جلد نہم، نصف اول ص: ۲۴۴
(۲) فتاوی رضویہ، نصف اول، ص: ۲۴۴

فتاوی کبری پھر خزانۃ المفتِین **قلمی کتاب الکراہۃ، نیز واقعات امام صدر شہید پھر خود یہی غایۃ البیان محلِ مذکور میں مسئلہ اکراہ لکھ کر فرمایا:** فھذادلیل علی أن السجود بِنِیَّۃِ التحیۃ اذا کان خائفا لایکون کفرا.

ثالثًا: خود علی قاری کی عبارت آتی ہے کہ روضۂ انور کے سجدے کو صرف حرام کہا، نہ کہ کفر۔

رابعًا: بلکہ نص ستائیس میں خود انہی علامہ علی قاری کا قول ہے کہ "بعض علما نے تکفیر کی اور ظاہر تر عدم تکفیر ہے" پھر اتفاق در کنار، وہ قول راجح بھی نہیں، ضعیف و مرجوح ہے۔

مزید نظائر کے لیے متعلقہ جلد کا مطالعہ کریں۔

مخالفین پر تعقبات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے فتاوی میں جہاں اپنے پیش رو مصنفین و محققین کی لغزشوں کی نشان دہی کی ہے، اور بطور ادب و تواضع اسے "تَطَفُّل" کہا۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں: کسی عبارت یا کسی مسئلے میں اشکال تھا تو اس کا حل پیش فرمایا، وہیں مخالفین کے اعتراضات و الزامات کا رد و تعاقب بھی بھرپور انداز میں کیا، فتاوی رضویہ کی مختلف جلدوں میں جگہ جگہ اس کی مثالیں موجود ہیں۔ سر دست ہم یہاں جلد نہم سے چند مثالیں بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت امام کی فقاہت اور دقت نظر کا کمال عیاں ہے۔

﴿۱﴾

ایک معترض نے درج ذیل اعتراض لکھ کر امام احمد رضا کے پاس بھیجا: "گذارش خاکسار یہ ہے کہ چند مسائل کتب فقہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثل ہدایہ، شرح وقایہ، فتاوی قاضی خان، و در مختار، و ردالمحتار و فتاوی عالم گیری و فتاوی برہنہ و فتاوی سراجیہ خلاف حدیث رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ان مسائل خلافیہ میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ قرآن شریف کی آیت کا پیشاب سے لکھنا جائز ہے، میں اس کا ثبوت دے سکتا ہوں۔" مجدد اعظم نے اس مسئلے کی تحقیق انیق فرمائی اور معترض کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے زبردست تعاقب فرمایا، آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

اقول: معترض نے مذکورہ عبارت میں کئی طرح سے دھوکا دیا ہے:

پہلا تعاقب: اس نے یہ ایہام کیا کہ یہ مسئلہ (پیشاب سے قرآن شریف کی آیت کا لکھنا) مذکورہ بالا تمام کتابوں میں مذکور ہے جب کہ حال یہ ہے کہ نہ یہ مسئلہ شرح وقایہ و در مختار میں ہے، نہ عالم گیری میں، رہا فتاوی برہنہ تو میرے پاس موجود نہیں، علاوہ ازیں اس کا شمار بھی معتبر کتابوں میں نہیں، لہٰذا اگر بالفرض اس میں ہو بھی تو اس کا اعتبار نہیں۔

دوسرا تعاقب: سراجیہ میں ضرور موجود ہے، مگر صاحبِ سراجیہ نے اس کے بعد فوراً صراحت کر دی کہ یہ منقول نہیں ہوا، چنانچہ فرماتے ہیں "لم ینقل." صاحب ردالمحتار علامہ شامی نے صرف اس کو نقل فرمایا ہے، ان کا مذہب نہیں، مگر معترض نے کمال بے باکی سے جواز کو ان کی طرف منسوب کر دیا، جو کھلا ہوا جھوٹ ہے، کیوں کہ

اگر حکم کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، تو اس کا مطلب ہے کہ ہمیں حکم کی شرط کا وجود تسلیم نہیں نہ کہ حکم دینا۔

تیسرا تعاقب: معترض نے بسبب فریب دہی یہ ایہام کر دیا کہ یہ حکم امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ نہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے نہ ان کے اصحاب کا، نہ ان کے شاگردوں کا، نہ ان کے شاگردوں کے شاگردوں میں سے کسی شاگرد کا، جیسا کہ خود صاحب فتاوی قاضی خان نے اس کی صاف صراحت کر دی، البتہ یہ قول شیخ ابو بکر اسکاف بلخی کا ہے، مگر جس انداز سے معترض نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، اس طرح ہر گز نہیں۔

چوتھا تعاقب: قاضی خان کی اس عبارت کا جائزہ لیجیے، جس کو لے کر معترض نے فقہاے احناف کو اپنے کذب و افترا کا نشانہ بنایا ہے، عبارت قاضی خان یہ ہے:

"الذی رعف فلایرقأدمه فاراد ان یکتب بدمه علیٰ جبهته شیئاً من القرآن. قال ابو بکر الاسکاف رحمه الله تعالیٰ یجوز: قیل لو کتب بالبول قال لوکان فیه شفاء، لا باس به. قیل: لو کتب علیٰ جلد میتة" قال إن کان فیه شفاء جاز، وعن ابی نصر بن سلام رحمه الله تعالی: معنی قوله علیه الصلاة والسلام: "ان الله لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم" انما قال ذلك فی الأشیاء، التی لایکون فیه شفاء، فاما إذا کان فیها شفاء فلا باس به. قال: الاتری أن العطشان یحل له شرب الخمر حال الاضطرار.

اس عبارت کے خط کشیدہ جملوں پر نظر کیجیے، جو کہ مسئلہ مذکورہ کے جواز کی تین شرطیں ہیں:

اول: جان جانے کا خوف ہو، کیوں کہ موصوف سے اس حالت کے بارے میں سوال ہوا ہے جب کہ خون کسی طرح سے بند نہ ہوتا ہو، جیسا کہ "فلا یر قأدمه" سے ظاہر ہے، لگے ہاتھوں ردالمحتار کی عبارت پر بھی نظر ڈال لیجیے:

نص مافی الحاوی القدسی: اذا سال الدم من انف انسان ولا ینقطع حتی یخشی علیه الموت."

یعنی خون ناک سے جاری ہے اور نہیں تھمتا، یہاں تک کہ اس کے مر جانے کا اندیشہ ہو۔

دوم: اس تدبیر سے اسے شفا ہو جانا بھی معلوم ہو، جس پر موصوف کی عبارت "لوکان فیه شفاء" دال ہے اور ردالمحتار میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے: "وقد علم انه لو کتب ینقطع."

تحقیق معلوم ہو کہ یوں لکھا جائے تو خون منقطع ہو جائے گا۔

سوم: سوائے اس کے کوئی دوسری تدبیر شفا کی نہ ہو، اس پر "حال الاضطرار" کی قید دلالت کر رہی ہے، علاوہ ازیں ردالمحتار میں نہایہ عن الذخیرہ کے حوالہ سے یہ صراحت موجود ہے: "يجوز إن علم فيه ولم يعلم دواء آخر."

غور کیجیے کہ فقیہ موصوف نے حکم کو تین شرطوں سے مقید کیا ہے، جن کے بعد اصلاً کوئی بعد نہیں کہ شرع و عقل اور عرف سب کا مجمع علیہ قاعدہ ہے: "الضرورات تبيح المحظورات." مگر معترض نے جو در حقیقت غیر مقلد ہے تینوں شرطوں کو اڑا دیا اور فقہاے احناف پر بہتان لگاتے ہوئے مطلقًا یوں لکھ دیا کہ ان کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی آیت کا پیشاب سے لکھنا جائز ہے، حالاں کہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کافر، نصرانی، یہودی، بک دے کہ قرآن نے سور کھانے کو حلال کیا اور ثبوت میں کہے: " فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ" تو اس کذاب سے کہا جائے گا کہ قرآن حکیم نے تو سور کھانے کو قطعی حرام کیا، یہ تیرا کذب و افترا ہے، ہاں اگر جان نکلتی ہو اور کچھ میسر نہ ہو، تو جان بچانے کے لیے حرام چیز کھانے کی اجازت دی ہے، جو عین رحمت و مصلحت ہے۔

پانچواں تعاقب: اگر غور کیا جائے تو در حقیقت علما و فقہا کے اس کلام کا مرجع و مآل صاف صاف ممانعت ہے نہ کہ جواز و اباحت، وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے ایک شرط یہ لگائی کہ شفا ہونا معلوم ہو تو جائز ہے، حالاں کہ اس علم کا کوئی ذریعہ نہیں کیوں کہ اگر علم بمعنی یقین لیں تو ظاہر ہے کہ واضح و مجرب و معقول الاثر دواؤں میں بھی زیادہ سے زیادہ ظن ہوتا ہے، یقین نہیں، در مختار میں ہے: "وقد علمت ان قول الأطباء لا يحصل به العلم." آپ جانتے ہیں کہ اطبا کے قول سے یقین حاصل نہیں ہوتا، اور اگر علم بمعنی ظن کو شامل کر لیں تو یہ زیادہ سے زیادہ رُقیہ کی قبیل سے ہوگا، معالجات واضحہ طبّیہ کی قبیل سے نہیں اور ایسے معالجات سے شفا ہونا صرف موہوم ہوتا ہے، مظنون بھی نہیں، جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

"الاسباب المزيلة للضرر تنقسم الىٰ مقطوع به، كالماء للعطش والخبز للجوع. ومظنون، كالفصد و الحجامة و شرب المسهل وسائر ابواب الطب، يعنى معالجة البرودة بالحرارة، والحرارة بالبرودة وهى الاسباب الظاهرة فى الطب. و موهوم كالكى والرقية."

چھٹا تعاقب: طرہ یہ کہ چوتھی صدی کے فقیہ شیخ ابو بکر اسکاف بلخی کا قول ہزاروں عیّاریوں کے ساتھ، سبھی شرائط اڑا کر طرح طرح کے بہتان کے ساتھ، امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنے زعم میں اعتراض جمانے کے لیے نقل کیا اور در مختار، ردالمحتار و فتاوی قاضی خان و عالم گیری وغیرہا عامۂ کتبِ معتمدۂ مذہب، متون و شروح و فتاوی جو

امام الائمہ کا اصل مذہب ہے، جو ظاہر الروایہ اور معتمد فی المذہب ہے اور اس پر کثیر تصریحیں موجود ہیں، سب کو ہضم کر کے، جاہلوں کو مکر و فریب میں ڈالنے کی کوشش کی کہ معاذ اللہ امام اعظم ایسے موحش حکم دیتے تھے، حالاں کہ امام اعظم کا مذہب مذکورہ کتب کی ان عبارات سے واضح و مبین ہے۔

"اختلف فی التداوی بالمحرم و ظاهر المذهب المنع." و"فی البحر لا یجوز التداوی بالمحرم فی ظاهر المذهب."و"جاز الحقنة للتداوی بطاهر لا بنجس و کذا کل تداوٍ لا یجوز الا بطاهر."و"تکره ابوال الابل و لحم الفرس للتداوی. کذا فی الجامع الصغیر." و"تکره البان الأتان للمرض وغیره، و کذلك لحومها، و کذلك التداوی بکل حرام."

ان عبارات فقہا پر ایک نظر ڈالیے اور معترض کی بے ایمانی و دغابازی کو دیکھیے کہ جو ائمۂ دین (حقنہ) کے لیے بھی ناپاک چیز کا استعمال جائز نہیں قرار دیتے، وہ قرآن عظیم کی آیات کو ناپاک چیزوں سے لکھنا کیسے جائز بتا سکتے ہیں۔[1]

﴿۲﴾

ولید نامی ایک شخص نے داڑھی منڈانے کی حرمت پر اعتراض کرتے ہوئے چند حدیثیں اور آیات قرآنیہ پیش کیں، جن سے غلط طریقے سے استدلال کیا۔ لکھتا ہے:

"الحرام ما ثبت ترکه بدلیل قطعی لا شبهة فیه." حرام وہ جس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ اور قرآن شریف میں تو اس کا کہیں حکم ہی نہیں، بلکہ "یَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْیَتِیْ" سے داڑھی بڑھانا بعض اوقات مضر ہونا مستفاد ہے۔

سنن ابی داؤد میں یوں مروی ہے: "عشر من الفطرة: قص الشارب و اعفاء اللحیة الخ! حدثنا موسی بن اسمٰعیل و داؤد ابن شعیب قال حدثنا حماد عن علی بن زید عن سلمة. الخ: ان رسول الله ﷺ قال: ان من الفطرة المضمضة والاستنشاق بالماء فلم یذکروا إعفاء اللحیة، و روی نحوه عن ابن عباس قال: خمس کلها فی الرؤس و ذکر فیه الفرق و لم یذکر إعفاء اللحیة. قال ابوداؤد: روی نحوه حدیث حماد عن طلق بن حبیب ومجاهد و عن بکر المزنی قولهم ولم یذکر اعفاء اللحیة."

(۱) فتاوی رضویہ، نصف اول ص: ۱۱۲-۱۳ ملخصاً مفہوماً

حاصل یہ ہے کہ ان نو دس رواۃ نے یہ روایت کی کہ حضور ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں کیا، بلکہ اس کی جگہ مانگ کو فرمایا، معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانا مانگ رکھنے کی طرح سنت ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث مختلف فیہ ہے، لہٰذا قابل اعتبار نہ رہی، نیز صحیح بخاری میں "خالفوا المشركين، قصوا الشوارب و اعفوا اللحى." ہے جس میں جملہ "خالفوا المشركين "محل نظر ہے، اس لیے کہ بعض مشرکین بھی داڑھی بڑھاتے ہیں، تو ان کی مخالفت داڑھی منڈانے میں ہے اور منڈانے والوں کی مخالفت بڑھانے میں ہے، تو بڑھانا اور منڈانا دونوں مخالفت میں داخل ہے۔ رہا "قصوا الشوارب و أعفوا اللحى" کا جواب، تو انبیا علیہم السلام ہمیشہ درستگی اخلاق کے لیے مبعوث ہوئے، ہمارے نبی آخر میں مبعوث ہوئے اور دین آپ پر کامل ہو گیا " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ . " اگر داڑھی بڑھانا اخلاق میں داخل ہے، تو قرآن اللہ کی کامل کتاب ہے، اس کے باوجود اخلاقی احکام سے خالی ہے، تو دین کامل نہ ہو گا، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ داڑھی بڑھانا اخلاق میں داخل نہیں، ہاں داڑھی بڑھانا مستحب ہے، زیادہ سے زیادہ سنت۔

ریش بایدت دوسہ موے وزنخداں پوشے نہ کہ در سایۂ او بچہ دہد خر گوشے

قول عرب ہے: "من طال لحيته فقد نقص عقله" بفرض محال تسلیم بھی کر لیں کہ داڑھی بڑھانا فرض یا منڈانا حرام ہے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" صیغہ امر میں فرمایا گیا، جو علامت فرضیت ہے، لیکن آج تک اس پر عمل در آمد نہ ہوا، سبب اس کا یہ ہے کہ حکم طبائع پر موقوف رکھا گیا۔ جی چاہے تو شکار کرو۔ حاصل یہ ہے کہ شریعت کے بعض احکام ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کا نہ کرنا موجب عتاب شرعی نہیں، فرضیت یا حرمت قرآن ہی سے ثابت ہو سکتی ہے یا حدیث متواتر یا مشہور ہو، حرام فرض کے مقابلہ میں آتا ہے، تو جب داڑھی منڈانا حرام ہوا تو رکھنا فرض ہوا مگر فرض کسی نے نہ لکھا۔ ولید کی اس تحریر پر مجدد اعظم کا رد بلیغ اور تعاقبات ملاحظہ کیجیے:

تعاقب نمبر(۱): ولید پلید کی علمی لیاقت پر خود اس کی تحریر دلالت کرتی ہے، مضامین تو دور الفاظ تک درست نہیں، نہ نثر و نظم دیکھنے کے لائق، ماثبت ترکہ کا ترجمہ کیا "جس کی حرمت"، ایسا ترجمہ جس میں دور موجود ہے کہ حد میں حرمت خود ماخوذ ہے۔

تعاقب نمبر(۲): یہ حدیث ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ ہے جس کو کتب معتبرہ مسلم، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل وغیرہ میں روایت کیا گیا کہ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دس چیزیں اصل فطرت سے اگلی شریعتوں اور انبیاے کرام کی سنتوں سے ہیں، جن میں سے لبیں کتروانی اور داڑھی بڑھانا بھی ہے، مگر ولید نے اپنی جہالت و سفاہت اور چالاکی سے اس کی سند تو سند یہ بھی نہ ذکر کیا کہ یہ کس کی روایت اور کس کا ارشاد ہے؟ تاکہ

حدیث کی وقعت معلوم نہ ہو اور مقصد بھی اپنا حاصل ہو جائے، کیوں کہ یہ حدیث بقول امام ترمذی حسن ہے۔

یوں ہی دوسری حدیث، جس کے منقطع یا مرسل ہونے کی وضاحت خود امام ابو داؤد نے فرمادی تھی، ذکر سند میں اس کو اڑا کر ''الخ'' کا سہارا لے لیا، تاکہ اس کی مطلب برآری بھی ہو جائے اور جہلا کی جماعت میں اس کا علمی بھرم بھی برقرار رہے، مگر اہل علم پر اس کی جہالت کی نشاندہی کے لیے جتنی سند اس نے ذکر کی وہی کافی ہے۔ علاوہ ازیں ارسال اور انقطاع سے قطع نظر کر کے سند میں موجود راویوں کا جائزہ لیجیے، تو اس میں خود سلمہ بن محمد مجہول اور علی بن جدعانی شیعی ضعیف ہیں، پھر دوسری حدیث کو حدیث ام المومنین کے مخالف سمجھنا خالص جہل ہے، کیوں کہ اس میں ''من'' تبعیضیہ موجود ہے، جس سے ظاہر کہ اس میں بعض خصال فطرت ذکر کی گئی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی ہیں لہٰذا اس میں اعفاے لحیہ کا ذکر نہ ہونا حدیث ام المومنین کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے، اہل علم پر روشن ہے کہ ایسے مقامات پر عدد میں حصر مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اعانت ضبط و حفظ کے لیے ذکر کیا جاتا ہے، لہٰذا ہم دوسری حدیث میں ختان و انتضاح کو خصال فطرت سے مانتے ہیں اور حدیث اول جس میں عدد مذکور ہے، اس کا نافی نہیں مانتے۔ یہی وجہ ہے کہ ابوبکر ابن عربی نے شرح ترمذی میں خصال فطرت کا عدد تیس تک پہونچایا ہے۔

تعاقب نمبر(۳) : کمال سفاہت یہ ہے کہ ایک سند کے سب راویوں کو جدا جدا شمار کر کے حکم لگا دیا کہ ان نو، دس رواۃ نے یوں روایت کی، حالاں کہ سلسلۂ سند میں اگر یکے بعد دیگرے ہزاروں عددِ رواۃ پہنچے، تو وہ ایک ہی راوی کی روایت ہے اس میں تعدد نہیں ہو سکتا، ہاں مرتبۂ واحدہ میں متعدّد راوی نہ ہوں ورنہ سند عالی سے سند نازل اشرف ہو، خیر ہوئی کہ یہ شخص خود سلمہ تک کوئی سند متّصل نہ رکھتا تھا، ورنہ آپ سمیت تیس چالیس رواۃ شمار کرا دیتا کہ اتنے راویوں نے اعفاے لحیہ کا ذکر نہ کیا۔

تعاقب نمبر (۴): ابو داؤد نے ''لم یذکر اعفاء اللحیۃ'' بہ صیغہ واحد ذکر فرمایا تھا کہ اس راوی نے اعفاے لحیہ کا ذکر نہ کیا۔ اس نے سابق و لاحق کے تمام مفرد صیغوں، ''ذکر، زاد، قال، لم یذکر'' سے آنکھیں بند کر کے ''لم یذکروا'' صیغۂ جمع بنا لیا، تاکہ تمام رجال سند کو شامل ہو جائے۔

تعاقب نمبر (۵): لطف یہ کہ کہتا ہے ان سب راویوں نے یہ روایت کی کہ آں حضرت ﷺ نے اس حدیث میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں فرمایا، جاہل ''قولھم'' کا معنی بھی نہیں سمجھتا اور ناحق آثار موقوفہ مقطوعہ کو قول رسول اللہ ﷺ ٹھہراتا ہے، جب ابن عباس صحابی اور مجاہد و بکر و طلق تابعین، یہ آثار خود انھیں حضرات کے اپنے قول ہیں، نہ کہ رسول اللہ ﷺ کے قول و ارشاد۔

تعاقب نمبر(۶): یہ کہنا کہ سب نے اس کی جگہ مانگ روایت کی صریح دھوکا ہے، حالاں کہ ابو داؤد صرف اثر ابن عباس میں مانگ کا ذکر بتاتے ہیں اس بے علم کے نزدیک گویا عدم ذکر اعفاے لحیہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی

جگہ مانگ کا ذکر کیا۔

تعاقب نمبر(۷): اپنے زعم باطل میں فرق و اعفاے کا ذکر شمار میں متبادِل سمجھ کر دونوں کا حکم یکساں قرار دیا۔ ایسا ہوتا بھی تو اس کا حاصل صرف اتنا نکلتا کہ جس بات کا یہاں تذکرہ ہے، یعنی خصال فطرت سے ہونا، اس میں دونوں شریک ہیں، نہ کہ سب احکام میں یکساں ہیں۔

تعاقب نمبر(۸): چالاکی دیکھیے کہ امام ابوداؤد نے اس کے متّصل جو دوسری حدیث مرفوع حضور ﷺ اور ایک اثر امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا، جن میں داڑھی بڑھانے کو شمار فرمایا ہے، عقل مندا سے صاف کر گیا۔

تعاقب نمبر(۹): کمال جہالت دیکھیے اپنے مقام اجتہاد سے تنزل کر کے داڑھی بڑھانے کو فرض اور منڈانے کو حرام تسلیم کرتا اور اس تسلیم کی تقدیر پر امر اباحت کے لیے ہونے پر جواب دیتا ہے، حالاں کہ احمق کو سوچنا چاہیے جب حرمت تسلیم تو پھر اباحت کا کیا سوال۔

تعاقب نمبر(۱۰): اللہ عزوجل کے مقدس رسولوں سے استہزا، انھیں بے اعتدالیوں کا مرتکب بتانا، شرع مطہر کو بے اعتدالیوں کا پسند کرنے والا ٹھہرانا، موسیٰ کلیم اللہ و ہارون نبی اللہ علیہم السلام کی نسبت وہ ملعون الفاظ کہ دشمن نے بڑھی داڑھی الخ، ہارون کی ریش مبارک بڑی ہونا قرآن سے ثابت جان کر پھر وہ ناپاک ملعون شعر دو تین بال پر اعتدال بند اور شریعت و انبیا کو بڑھانا پسند، ان کا جواب اس کفرستان میں کیا ہو سکتا ہے، عنقریب قیامت میں معلوم ہو جائے گا۔ ملخصًا

مجدد اعظم نے اتنے طریقوں سے ولید کا رد و تعاقب فرمانے کے بعد اور تعاقبات بھی کیے ہیں، ان کو ملاحظہ کرنے اور ولید کی جہالت اور اعلیٰ حضرت کی فقاہت کا اندازہ کرنے کے لیے فتاوی رضویہ کی اِسی جلد کا صفحہ ۱۱۶-تا-۱۲۱ مطالعہ کریں۔

موافقین پر تنقید

"ہدایت علی" نام رکھنا بلا کسی حرج و نقصان کے جائز و درست ہے، مگر مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنے ایک فتوے میں اس نام پر اعتراض وارد کیا اور یہ نام رکھنے کو ناجائز و گناہ بتایا۔ چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں موصوف رقم طراز ہیں:

"لفظ علی جو کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے، اس کے ساتھ برائے تعظیم الف لام زائد ہوگا، جیسے الفضل، النعمان وغیرہ اور لفظ علی جو بطور نام سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کے ساتھ الف لام زائد نہیں ہوتا، لہٰذا اس بنا پر نام "ہدایت العلی" بنسبت ہدایت علی کے زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ اول الذکر میں حضرت علی مرتضی کی طرف ہدایت کی نسبت ہونے کا اشتباہ نہیں۔

اور دوسری صورت میں بطور استعمال، لفظ ہدایت کے اشتراک، اور لفظ علی کے اشتراک کی وجہ سے امر ممنوع کا اشتباہ موجود ہے، اور ایسے نام سے پرہیز لازم ہے جو غیر مشروع مضمون کا ایہام پیدا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ علماے کرام عبدالنبی نام رکھنے سے منع کرتے ہیں، لیکن عبداللہ وغیرہ میں ایہامِ امر غیر مشروع نہیں، اسی طرح "یا علی" میں اگر اللہ تعالیٰ کو ندا کرنا مقصود ہو تو کوئی نزاع نہیں"۔ (۱)

موصوف کی اس عبارت پر امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أقول: یہ جواب انتہائی تعجب خیز ہے، بلکہ سراسر مذاق اور بکواس ہے۔ **اولاً:** اس تمام کلام مختل النظام کی بنیاد ہی سرے سے پادر ہوا ہے، ممنوع ایہام ہے، نہ مجرّد احتمال، ولو ضعیفا بعیدا۔ ایہام و احتمال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایہام میں تبادُر درکار ہے، ذہن اس معنی ممنوع کی طرف سبقت کرے، نہ یہ کہ عقلی احتمال شقوں میں سے کوئی شق معنی ممنوع کی بھی نکل سکے۔ تلخیص میں ہے: "الإيهام أن يطلق لفظ له معنيان قريب

(۱) فتاوی رضویہ جلد ۹، ص: ۲۰۵، بحوالہ نصف اول مجموعہ فتاوی، ج: ۱، ص: ۴۶۴

و بعيد و يراد به البعيد" (یعنی ایہام یہ ہے کہ ایسا لفظ بولا جائے جس کے دو معنی ہوں ایک قریب دوسرا بعید اور اس سے بعید مراد ہو،) علامہ سید شریف قدس سرہ کتاب " التعريفات " میں یوں تفصیل کرتے ہیں:

"الايهام و يقال له التخييل ايضا و هو ان يذكر لفظ له معنيان: قريب و غريب فاذا سمعه الانسان سبق الىٰ فهمه القريب و مراد المتكلم الغريب، واكثر المتشابهات من هذا الجنس و منه قوله تعالىٰ و السمٰوٰت مطويّٰت بيمينه."

ایہام تخییل بھی کہلاتا ہے، مراد یہ ہے کہ ایسا لفظ ذکر کیا جائے کہ اس کے دو معنی ہوں ایک قریب اور دوسرا بعید (غریب)، جب کوئی انسان اسے سنے تو اس کا ذہن معنی قریب کی طرف سبقت کرے، لیکن متکلّم کی مراد معنی غریب ہو" الخ"۔

اب اگر محض احتمال کو موجب منع قرار دیا جائے تو دنیا میں بہت کم ہی ایسا کلام ملے گا، جو دو معنی کے احتمال سے خالی ہو، مثلاً زید آیا گیا، اٹھا بیٹھا، مجیب نے جواب دیا وغیرہ سب افعال اختیاریہ دو معنی کا احتمال رکھتے ہیں، ایک ذاتی دوسرا عطائی، یعنی زید نے یہ افعال خود اپنی قدرت ذاتیہ، تامہ، مستقلہ سے کیے اور یہ معنی سراسر شرک ہے، لہٰذا جس طرح سے بقول آپ کے، جو لفظ محتمل معنی غیر مشروع ہو، اس سے احتراز لازم، تو ان اطلاقات سے بھی احتراز لازم ہونا چاہیے حالاں کہ آپ خود ایسے ہزاروں شرکیات کے مرتکب ہوتے ہوں گے۔

ثانیاً: اگر بات یہی ہے تو صرف ہدایت علی پر کیوں الزام، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پاک 'علی" کو اس سے بڑھ کر شنیع کہیے کہ ہدایت علی میں تو چار احتمالات میں سے صرف ایک معنی شرک نظر آیا اور یہاں تو آدھے آدھے کا معاملہ ہے، علی کے دو ہی معنی ہیں: علو ذاتی دوسرا اضافی، پہلا اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے دوسرا مخلوق کی طرف مضاف، یہاں پر پہلے کا اثبات قطعی طور پر غیر کے لیے شرک ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں ہدایت علی سے دو گنا ایہام شرک ہے، مگر علی کو کوئی جاہل بھی حرام نہیں کہے گا چہ جائے کہ کوئی عالم، تو جب اس میں کوئی حرج نہیں تو "ہدایت علی" میں بدرجۂ اولیٰ کوئی خرابی نہیں۔

ثالثاً: پھر اس میں علی ہی کی کیا تخصیص جس قدر بھی اسماے باری تعالیٰ خالق مخلوق کے درمیان مشترک ہیں، مثلاً رشید، جمیل، جلیل وغیرہ ان سب کا اطلاق بھی بندوں پر ایہام شرک ہوگا، جو ہدایت علی سے دو گنا رہے گا، جب کہ حال یہ ہے خود پروردگار عالم نے انبیا علیہم السلام سے کسی کو ایک کسی کو دو اپنے اسماے حسنی میں سے عطا فرمائے، بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساٹھ اسما ایسے ہیں، تو ان کے بارے میں کیا کہیں گے؟ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا نام پاک "حاشر" بتایا، صحابہ و تابعین و ائمۂ دین میں کتنے اکابر کا نام "مالک" تھا، در مختار وغیرہ معتمدات میں تصریح ہے کہ ایسے نام جائز ہیں

اور بندوں کے حق میں دوسرے معنی مراد لیے جائیں گے، نہ وہ جو حضرت حق جلّ جلالہ کے لیے ہیں۔

رابعاً: اپنے نام عبد الحی سے بھی احتراز لازم تھا، اس لیے کہ اس میں بھی دو جز ہیں اور دونوں کے دو دو معنی ہیں: ایک عبد مقابل الٰہی تعالیٰ۔ دوم مقابل آقا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ. دیکھو اس آیت کریمہ میں حق سبحانہ نے ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد قرار دیا، یوں ہی ''حی'' ایک تو اسم الٰہی کہ حیات ذاتی ابدی قدیم واجب کے معنی میں ہے، دوسرا زید و عمر و بکر وغیرہ سب پر صادق ہے، اب اگر ''عبد'' بمعنی اول اور ''حی'' بمعنی دوم لیجیے تو یقیناً شرک ہے، یہاں بھی وہی چار صورتیں پائی جاتی ہیں اور ایک صورت پر یہاں بھی شرک ہے۔

خامساً: کہتے ہیں کہ جب مقصود یا علی سے ندائے معبود ہو تو کچھ نزاع نہیں۔ جی ہاں یہاں بھی دوسرا احتمال صاف موجود ہے، اپنا قصد نہ ہونا، ایہام و احتمال کا نافی کب ہو سکتا ہے؟ ایہام تو کہتے ہی وہاں ہیں، جہاں وہ معنی موہم مراد متکلّم نہ ہو، جیسا کہ ما قبل میں اس کی وضاحت گذری اور اگر قصد پر مدار و اعتماد ہے تو ''ہدایت علی'' پر کیسا اعتراض؟ وہاں شرکی معنی کب مقصود و مراد ہے؟

سادساً: ''علی'' پر الف، لام لانا کب ایسے عالم گیر شرک سے نجات دے گا۔ علم پر الف، لام نہیں آتا، ہم مان لیتے ہیں صفت پر تو یقینی طور پر آسکتا ہے اور وہ یقیناً صفات مشترکہ سے ہے تو احتمال اب بھی برقرار ہے اور احتراز لازم، بلکہ سراجیہ، تاتار خانیہ اور منح الروض وغیرہ سے تو ''العلی'' باللام نام رکھنا بھی جائز و صحیح ہونا ظاہر ہے، جیسا کہ رد المحتار میں ہے: ''فی التاتار خانیة عن السراجیه الخ'' تاتار خانیہ میں فتاوی سراجیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایسے نام رکھنا جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے طور پر پائے جاتے ہیں، جیسے العلی، الکبیر، الرشید، البدیع وغیرہ اور اسی طرح منح الغفار میں سراجیہ سے نقل کیا گیا، اس سے ظاہر یہ ہے کہ ایسے معرف باللام اسما بھی جائز ہیں۔

سابعاً: جب گفتگو احتمال پر چل رہی ہے تو ایصال الی المطلوب اور اراءت طریق دونوں معنوں میں تفریق باطل ہے، کیوں کہ ایصال اور اراءت دونوں دو معنوں پر مشتمل ہیں۔ ایک معنی خَلق، دوم معنی سببیت، یعنی (۱) مطلوب تک رسائی، یا مطلوب کی رہ نمائی پیدا کرنا، (۲) مطلوب تک رسائی یا مطلوب کی رہ نمائی کا ذریعہ و سبب ہونا۔ اول (معنی خلق) دونوں میں اللہ رب العزت کے ساتھ خاص ہیں دوم (معنی سببیت) دونوں میں غیر خدا کے لیے ممکن ہیں، انبیا علیہم السلام کے لیے جیسے رہ نمائی کا ذریعہ ہونا ثابت ہے ویسے مطلوب تک رسائی کا بھی سبب و ذریعہ ہونا ثابت ہے۔ تو ایصال و اراءت میں تفریق باطل ہے، اور ہر ایک میں معنی غیر مشروع کا احتمال ثابت ہے۔

ہاں یوں کہیے کہ اُدھر علی مشترک، اِدھر ہدایت خلق و سببیت دونوں میں مستعمل، یوں چار احتمال ہوئے، مگر اب یہ مصیبت پیش آئے گی جس طرح ہدایت بمعنی خلق غیرِ خدا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی، بمعنی محض سببیت حضرت عزت جلّ جلالہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی، ورنہ معاذ اللہ اصل خالق و معطی دوسرا ٹھہرے گا اور اللہ عزوجل صرف سبب و واسطہ و وسیلہ۔ اس کا پایہ شرک سے بھی اونچا ہو جائے گا کہ وہاں تو تسویہ تھا، یہاں اللہ سبحانہ پر تفضیل دینا قرار پائے گا۔

علی پر لام لاکر اول کا علاج کر لیا، اس دوم کا -کہ اس سے بھی سخت تر ہے- علاج کدھر سے آئے گا؟ اب ایک لام نیا گڑھ کر ہدایت پر داخل کیجیے کہ وہ معنی خلق میں متیقن ہو جائے اور احتمال سببیت اٹھ جائے اور ایہام شرک و بدتر از شرک راہ نہ پائے۔

ثامناً: پھر یہ معاملہ صرف ہدایت ہی کے ساتھ مختص نہ رہے گا، بلکہ جتنے بھی افعال مشترکہ ہیں، سب میں یہی خرابی لازم آئے گی کہ مخلوق کی طرف اسناد کیجیے تو معنی خلق موہم شرک اور خالق کی طرف نسبت کیجیے تو معنی تسبب مُشعرِ کفر۔ بہر حال اگر یہ کہیے کہ اللہ رب العزت کی طرف نسبت، دلیل کے لیے کافی ہے کہ معنی خلق مراد ہیں، تو ہم کہیں گے کہ بندوں کی طرف نسبت ہی برہانِ وافی ہے کہ معنی تسبب مقصود ہیں۔ بہر حال کسی طرف بھی راہ فرار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماے کرام فرماتے ہیں کہ "انبت الربیع البقل وحکم علیَّ الدھر" جیسی مثالوں میں ربیع کی طرف اگانے اور دہر کی طرف حکم لگانے کی نسبت مجازِ عقلی کے طریقے پر ہے، ورنہ تو یہ بھی شرک کا مُوہِم ہو گا۔

تاسعاً: آپ نے حق تعالیٰ کا جو نیا نام "اَلْمُصَوّب" ایجاد کیا ہے، جیسا کہ آپ نے ہر جواب کے شروع میں ایسا لکھا ہے، خود احتمال شنیع اور ایہام تجسیم الٰہی پر بقول آپ کے مشتمل ہے، کیوں کہ تصویب جس طرح ٹھیک بتانے کو کہتے ہیں، یوں ہی سر جھکانے کو بھی کہتے ہیں، مثلاً جو سر جھکائے بیٹھا ہو اس کو بھی مُصَوِّب کہتے ہیں، اب آپ یہاں کیا کہیں گے؟[1]

عاشراً: اگر ہدایت کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کرنے کا اشتباہ امر ممنوع کا اشتباہ اور موجب لزوم احتراز ہے، تو قصداً اس ذات گرامی کی طرف اس کی اضافت بدرجۂ اولیٰ موجب احتراز اور سخت ممنوع ہوگی اور حضرت علی کو ہادی کہنا حرام ہو گا، حالاں کہ یہ احادیث کریمہ صریحہ اور تمام ائمۂ اہل سنت و جماعت کے اجماع کے خلاف ہے، ممکن ہے یہ عذر پیش کیا جائے کہ موجب منع ہدایت بمعنی خلق تھا تو اس معنی کے اعتبار سے قصداً اس کی

(۱) فتاوی رضویہ، جلد نہم، نصف اول، ص: ۲۰۵- ۲۰۶

نسبت ضروری طور پر حرام ہوگی اور ہدایت بمعنی تسبُّب موجبِ منع نہیں تھا، مگر یہ عذر بے کار ہے، اس لیے کہ جب مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بالکل قصد نہ ہو تو اس وقت بوجہ اشتراک معنی ہدایت بمعنی خلق، کی اضافت کا ان کی طرف اشتباہ ہوتا ہے، تو کیا جب بالقصد اضافت مراد ہو تو اشتباہ نہیں ہوگا؟ اگر یہاں مانع اشتباہ یہ ہے کہ مخلوق اس معنی کی صلاحیت نہیں رکھتی تو عدمِ قصد کی صورت میں کیسے مانع اشتباہ نہ ہوگی؟ اور اگر صلاحیت نہ ہونے کے باوجود اشتباہ قائم رہتا ہے، تو قصد کی صورت میں اشتباہ کیوں واقع نہیں؟

حادی عشر: یہ معاملہ صرف امیر المومنین حضرت علی کی طرف اضافت ہدایت کی ممنوعیت پر محدود نہیں رہے گا، بلکہ انبیاے کرام، رسل عظام حتیٰ کہ خود سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اضافت ہدایت درست نہ رہے گی، کیوں کہ یہاں بھی معنی دوم کے احتمال کی وجہ سے ایہام شرک پایا جائے گا، تو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ہادی کہنا حرام ہوگا (معاذ اللہ) اور یہ قرآن و حدیث اور اجماع امت بلکہ ضروریات دین کے خلاف ہے۔

ہمارے پاس فتاوی رضویہ کی نویں جلد کا وہ نسخہ ہے، جو رضا اکیڈمی سے شائع ہوا ہے، اس میں یہ فتوی نامکمل ہے، اس لیے دسویں اور گیارہویں وجہ فتاوی رضویہ مترجم کی جلد:۲۴، ص:۶۹۹- ۷۰۰، سے لی گئی ہے۔ اور خیال رہے کہ ہم نے تمام وجہوں کو تلخیص و اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لیے اصل کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔

حل اشکالات وجواب اعتراضات

امام احمد رضا قدس سرہ نے جہاں متقدمین فقہا اور اپنے پیش رو مصنفین پر تطفلات کیے ہیں اور ان کی لغزشوں اور خطاؤں پر تنبیہیں کی ہیں، وہیں کسی فقہی مسئلہ یا عبارت پر وارد ہونے والے اشکال و اعتراض کے جوابات اور ان کا حل بھی پیش فرمایا ہے، جس سے آپ کی فقاہت اور کمال بصیرت کا نظارہ ہوتا ہے، یہاں فتاوی رضویہ جلد نہم سے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱)

والدین کی اجازت کے بغیر تجارت کو جانے کا مسئلہ:

صورت مسئلہ: والدین کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کے حکم کی بجاآوری کرنا واجب وضروری ہے، قرآن و حدیث میں اس کی بڑی تاکید ہے، ان کی حکم عدولی اور نافرمانی ناجائز و حرام ہے۔

شریعت اسلامیہ نے بعض اوقات ضرورت و حاجت کے وقت کچھ ممنوع چیزوں کے کرنے کی رخصت دی ہے اور ان کو مباح قرار دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ محض منفعت کے حصول کے لیے کسی ممنوع کا ارتکاب جائز ہے کہ نہیں؟ جواب یہ ہے کہ شریعت نے ضرورت و حاجت کی صورت میں تو رخصت دی ہے، مگر محض منفعت کے حصول کے لیے امر ممنوع کو مباح قرار نہیں دیتی۔ مگر فتاوی ہندیہ کی ایک عبارت سے ظاہر ہے کہ محض منفعت کے حصول کے لیے فعل ناجائز مباح ہے۔ چنانچہ فتاوی ہندیہ میں ہے کہ منفعت کے حصول کے لیے والدین کی نافرمانی میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

إن اراد الخروج للتجارة الیٰ ارض العدو بأمان فكرها (أی الابوان) خروجه، فان كان امر يخاف عليه منه و كانوا قوماً يوفون بالعهد و يعرفون بذلك و له فی ذٰلك منفعة، فلا باس بان يعصيهما. (۱)

(۱) فتاوی ہندیہ، کتاب سیر الباب الاول جلد:۲۰، ص:۱۸۹

اگر تجارت کے لیے سرزمین دشمن کی طرف اجازت نامہ لے کر جانا چاہے، لیکن والدین اس کے وہاں جانے کو ناپسند کریں، اگر معاملہ پر امن ہو، اس میں کوئی خطرہ اور اندیشہ نہ ہو اور وہ وعدہ وفا کرتے ہوں اور اس وصف میں معروف و مشہور ہوں اور اس کا بھی وہاں جانے میں فائدہ ہو، تو پھر اس صورت میں والدین کا حکم نہ ماننے میں کوئی حرج نہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

أقول: "يجب ان يراد به ما اذا كان نهيهما لمجرد محبة و كراهة فراقه غير جازم، و لذا فرضوا خروجه بامان و كونهم معروفين بالوفاء حتى لا يخاف عليه منه. أما اذاخيف لم يحل له الخروج بغير إذنهما، لأنّ نهيهما إذن يكون نهى جزم، ففى الكتابين بعده: فكره ذلك ابواه او احدهما فان كان ذالك العسكرعظيما لا يخاف عليهم من العدو بأكبر الرأى فلا باس بان يخرج، وان كان يخاف على العسكر من العدو بغالب الرأي لا يخرج بغير اذ نهما. و كذلك ان كانت سرية او جديدةالخيل لا يخرج إلّا باذ نهما، لان الغالب هو الهلاك فتسميته عصيانا بحسب الصورة. الاترى ان العبد بسبيل خيرة نفسه فى نهى الشرع الإرشادى الغير الجازم فكيف بنهى الابو ين كذلك لم يرد ذلك فكيف يحل عصيانهما لمنفعة مالية. وهذا نبينا ﷺ قائلا: ولا تعقّن والديك وان امراك ان تخرج من اهلك و مالك."

میں کہتا ہوں: واجب ہے کہ اس سے وہ صورت مراد ہو جس میں والدین کا اسے روکنا قطعی طور پر نہ ہو محض محبت اور شفقت کے طور پر ہو اور اس کی جدائی انھیں پسند نہ ہو یہی وجہ ہے کہ فقہا نے خروج کو امن اور وہاں کے لوگوں کے وفادار ہونے میں مشہور و معروف ہونے پر مسئلہ کو فرض کیا، یہاں تک کہ اسے اس معاملہ میں کوئی خوف و خطرہ نہ ہو، لیکن اگر خطرہ و اندیشہ ہو تو پھر والدین کی اجازت کے بغیر اس کا باہر جانا اور سفر کرنا جائز نہیں اس لیے کہ دریں صورت ان کی نہی قطعی ہے۔ پھر ازیں بعد دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ اگر کاروبار کے لیے دشمن کے ملک میں اسلامی فوجوں میں سے کسی اسلامی فوج کے ساتھ باہر جائے اور والدین یا ان میں سے کوئی ایک اس جانے کو ناپسند کریں۔

پس اگر یہ لشکر عظیم ہو کہ ان کی موجودگی میں غالب رائے کے مطابق دشمن سے کوئی خطرہ اور کھٹکا نہ ہو، تو پھر اس صورت میں اس کے باہر جانے میں کچھ حرج نہیں، لیکن اگر لشکر اسلام کو غالب رائے کے مطابق دشمن سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ و خطرہ ہو تو پھر والدین کی اجازت کے بغیر نہ جائے اور اسی طرح اگر فوجی دستہ اور گھڑ سواروں کا

مقابلہ ہو تو بغیر اجازت والدین باہر نہ جائے، کیوں کہ فوجی دستوں میں غالبًا ہلاکت ہوا کرتی ہے۔

پھر اس کو عصیان کہنا بلحاظ صورت ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ شرعی غیر جازم نہی ارشادی کے باوجود بندے کو اپنے نفس کا اختیار ہوتا ہے، پھر جب والدین کی نہی بھی ایسی ہے، تو کیسے نہ ہوگا اگر یہ مراد نہ ہو، تو پھر ان کا "عصیان" دنیاوی مالی فائدے کے لیے کیسے جائز ہوگا۔ یہ ہمارے حضور ﷺ فرمارہے ہیں: اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تمھیں اہل و عیال اور مال سے الگ ہونے کا حکم دیں۔

حاصل جواب: فتاوی عالم گیری میں جو کہا گیا ہے کہ تجارت کے لیے دشمن کے ملک میں بے اجازت والدین جانے میں کوئی حرج نہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ جس میں والدین کا اسے روکنا محض محبت اور شفقت کی وجہ سے ہو اور ان کی طرف سے ممانعت قطعی طور پر نہ ہو اور کوئی خطرہ بھی نہ ہو اور اگر یہ بات نہ ہو، بلکہ خطرہ بھی ہو تو اس صورت میں جائز نہیں۔

﴿۲﴾

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے اور لکھنے کا حکم

احادیث مبارکہ اور عبارات فقہا و محدثین میں مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے کی ممانعت وارد ہے، لہٰذا مدینہ کو یثرب کہنا جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "من سمی المدینة یثرب فلیستغفر الله هی طابة، هی طابة." "جو مدینہ کو یثرب کہے، اس پر توبہ واجب ہے، مدینہ طابہ ہے، مدینہ طابہ ہے۔"[1]

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

"فتسمیتها بذالك حرام لان الاستغفار انما هو عن خطیئة." حدیث و فقہ کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا حرام ہے کہ یثرب کہنے سے استغفار کا حکم فرمایا اور استغفار گناہ ہی سے ہوتا ہے، لیکن بعض اکابر شعرا کے کلام میں یثرب کا استعمال ملتا ہے، جس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان علماے کرام و اسلاف نے عدم جواز و ممانعت کے باوجود کیسے استعمال کیا ہے؟ اعلیٰ حضرت نے بڑے مختصر اور جامع الفاظ میں اس کا حل پیش فرمادیا۔

یثرب کا لفظ فساد و ملامت سے خبر دیتا ہے، یہ لفظ منافقین اسی طرف اشارہ کر کے استعمال کرتے تھے۔ بعض اشعار اکابر میں یہ لفظ واقع ہوا، ان کی طرف سے عذر یہی ہے کہ اس وقت اس حدیث و حکم پر اطلاع نہ پائی تھی،

(۱) رواہ الامام احمد بسند صحیح عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

جو مطلع ہو کر کہے اس کے لیے عذر نہیں، مع ہذا شرعِ مطہر شعر و غیر شعر پر حجت ہے، شعر شرع پر حجت نہیں ہو سکتا۔[1]

ان مذکورہ عناوین کے تحت سر دست امام احمد رضا کی بے مثال تحقیقات، تنقیحات، تطبیقات، تفہیمات اور تخریجات وغیرہ کی چند نظیریں اور شواہد ہم نے پیش کیے ہیں، جن کو کما حقہ تو آپ کی مہارت، فقیہانہ عظمت، محدثانہ شان، قرآن فہمی، حدیث دانی اور کتب فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ اور ان کے ابواب و مباحث اور مسائل پر عبور اور دیگر کثیر محاسن اور خوبیوں کا مکمل بیان تو نہیں کہا جا سکتا، تاہم اس فقید المثال اور ہمہ جہت گوناگوں محاسن کی حامل ذات کے ہمہ جہت کمال کا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے، آپ کے علمی اور فقہی کمالات ایسے نہیں کہ ان چند صفحات میں سما سکیں، فتاوی رضویہ کی دوسری جلدوں اور آپ کی دیگر تصانیف سے قطع نظر کرتے ہوئے مضمون سے متعلق اسی نویں جلد کے محاسن اور مباحث و مسائل کا بالاستیعاب جائزہ لیا جائے اور مذکورہ عناوین کے تحت آپ کی مہارتوں کو بیان کیا جائے تو کئی سو صفحات درکار ہوں گے۔ اللہ رب العزت کی آپ پر مسلسل رحمتیں ہوں کہ قرآن و سنت کے مطابق مسائل شرعیہ، فقہیہ کی توضیح و تنقیح فرما کر ملت اسلامیہ کی رہنمائی فرمائی، رب کائنات ان کے صدقے ہمیں دین کی صحیح فہم اور اس میں تصلب اور مسائل شرع کا پابند بنائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ اللھم افتح لنا بالخير واختم لنا بالخير واجعل عواقب أمورنا بالخير، بيدك الخير، إنك علىٰ كل شيء قدير، وصلى الله تعالىٰ وبارك وسلم علىٰ خير خلقه و حبيبه و آله وصحبه اجمعين، آمين يا رب الغلمين.

محمد اسرائیل مصباحی (سیتاپوری)
متعلم درجۂ تحقیق سال اخیر
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

---

(۱) نصف اول، ص:۶۱

معارف جلد دہم

از

مولانا شہاب الدین مصباحی
مہراج گنج

عنوانات

۱-فکر انگیز تحقیقات
۲-تحقیق طلب مسائل کی تنقیح
۳-فقہی تبحر و وسعت نظر
۴-مختلف اقوال اور روایات میں ترجیح
۵- مختلف روایات میں تطبیق
۶-کثیر جزئیات سے استدلال
۷-کثیر احادیث سے استدلال
۸-جرح وتعدیل
۹-تخریج احادیث
۱۰-اصلاح وموعظت کا عنصر
۱۱-اصول وضوابط کی ایجاد
۱۲-حسن ادب
۱۳-لغزش وخطا پر تنبیہ
۱۴-معاصرین کا تعاقب
۱۵-علماے متقدمین پر تنقید
۱۶-مخالفین کا تعاقب
۱۷-حل اشکالات وجواب اعتراضات
۱۸-مشکلات ومبہمات کی توضیح

فکر انگیز تحقیقات

(۱)

شریعت مطہرہ نے عرف کا بہت حد تک لحاظ رکھا ہے اصول فقہ کا قاعدہ ہے:"الثابت عرفاً کالثابت شرعاً" باپ کے مرنے کے بعد عام طور پر بڑا لڑکا اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور عرفاً ان کا وصی قرار پاتا ہے ۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بارگاہ میں اسی سلسلے میں ایک سوال ہوا کہ: زید نے جائداد اور چند اولاد نابالغ اور ایک پسر جوان لائق نیک اطوار چھوڑا جس نے باپ کے بعد اپنے چھوٹے چھوٹے بھائی بہنوں کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی ان کے اموال کی نگہ داشت کی زید مرحوم نے اپنے بچوں اوران کے اموال کے بارے میں کسی کو وصیت نہیں کی تھی اس صورت میں اس کا بڑا لڑکا ان کے مال میں تصرفات جائزہ شرعیہ کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں ؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی نادر تحقیقات کی روشنی میں اس کا تحقیقی اور تشفی بخش جواب دیا۔آپ ارشاد فرماتے ہیں:

أقول: متوکلا علی العلیم الخبیر الکریم الاکرم مستجیرابذیل کرمه عن زیغ البصر وزلة القدم.

ہمارے بلاد میں جب کہ یتیموں پر نہ باپ کا وصی ہو، نہ حقیقی دادا، نہ دادا کا وصی تو اُن کا حقیقی جوان بھائی اگر لائق وامین ہو، مثل وصی سمجھا جائے گا، اور امانت و دیانت اور بچوں پر رحمت و شفقت کے ساتھ جن تصرفات کا شرعًا وصی کو اختیار ہوتا ہے اسے بھی ہوگا اگر چہ صراحتًا باپ نے اس کو وصی نہ بنایا ہو کہ یہاں عرفًا و دلالۃً وصایت ثابت ہے ہمارے بلاد میں عادت فاشیہ جاری ہے کہ باپ کے بعد جوان بیٹے اموال و جائداد میں تصرف کرتے اور اپنے نابالغ بہن بھائیوں کی پرورش و خبر گیری میں مصروف رہتے ہیں لوگ اگر نابالغ بچوں کے ساتھ کوئی جوان بیٹا بھی رکھتے ہیں تو بے غم ہوتے ہیں کہ ہمارے بعد ان کا خبر گیراں موجود ہے اور صرف نابالغ ہی بچے ہوں تو محزون

و پریشان ہوتے ہیں کہ سرپرستی کون کرے گا۔ یہ عادت دائرہ سائرہ دلالۃً اذن تعہد و تصرف ہے "والثابت عرفًا کالثابت شرعًا"۔

فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے:

لوان رجلا من اهل السكة تصرف فی مال الميت من البيع والشراء ولم يكن له وارث ولا وصی الا ان هذا الرجل يعلم انه لورفع الامر الی القاضی فان القاضی ينصبه وصيا فاخذ هذا الرجل المال ولم يرفع الامر الی القاضی وافسده حكی عن ابی نصر الدبوسی رحمه الله تعالی انه كان يجوز تصرف هذا الرجل.اهـ.

اس پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

أقول: جواز تصرفه من دون وصايته بناء علی علمه ان لورفع الی القاضی لنصبه ليس الا اعتمادًا علی صلاحية الاذن عند القاضی مع عدم تحقق الاذن اصلا فالاعتماد علی اذن نفس المورث الواقع المتحقق دلالة بحكم العادة الفاشية المطردة و مقاصد الناس المعروفة المعهودة اولی واجدر.

یعنی وصی کے بغیر اس کے تصرف کا جواز اس بنیاد پر ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے تو اس کو وصی مقرر کردے گا یہ محض قاضی کے پاس صلاحیت اذن پر بھروسا کرتے ہوئے ہے باوجودیکہ وہاں اذن بالکل متحقق نہیں، تو خود مورث کے اذن پر بھروسا کرنا جو کہ دلالۃً واقع و متحقق ہے، اس عادت کے حکم سے جو لوگوں میں جاری و ساری ہے اور ان مقاصد کے حکم سے جو لوگوں میں مشہور و معروف ہیں یہ اولیٰ اور زیادہ لائق ہے۔ آگے مزید تحقیق فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اور بے شک اگر نظر فقہی سے کام لیجیے تو اس وصایت معروفہ کو معتبر رکھنے کی شدید ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اس کے ابطال میں مقاصد شرع کا بالکل خلاف بلکہ عکس مراد و قلب مقصود۔

وذٰلك لان عامة الناس فی بلادنا يموتون من دون تصريح بايصاء ويخلفون اموالا وعقارا واولادا صغارا لاجد لهم وربما تكون فيهم بنات قاصرات فلولم تعتبرالوصايا المعهودة التی يعلم كل احد اذا رجع الی وجدانه الصحيح ان المورث كان راضيا عليها وان لوسئل عنها لافصح بها لزم تلف الاموال والضياع وضياع الاولاد اذلم يبق من يقوم بامرهم بحكم الشرع فاما ان يترك المال سائبة والاولاد

هملا فهذا الضياع المردود واما ان ينزع الامر من يد الشقيق الشفيق و يفوض الى اجنبي سحيق فهذا هو قلب المراد وعكس المقصود فوجب المصير الى ماقلنا والتعو يل على دلالة الاذن كما عولنا والله الموفق.

اور وہ اس لیے ہے کہ ہمارے شہروں میں لوگ صراحتًا وصیت کیے بغیر فوت ہوجاتے ہیں اور اپنے پیچھے مال، جائداد اور چھوٹی ناسمجھ اولاد چھوڑ جاتے ہیں جن کا دادا بھی نہیں ان میں بسا اوقات ناتواں بچیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر یہ معروف وصیت معتبر نہ ہو جس کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے جب وہ اپنے صحیح وجدان کی طرف رجوع کرے کہ مرنے والا اس پر راضی تھا اور اگر اس سے سوال کیا جاتا تو وہ اس کی تصریح کر دیتا تو اموال واسباب کا برباد ہونا اور اولاد کا ضائع ہونا لازم آئے گا کیوں کہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو بحکم شرع ان کے معاملات کا نگراں ہو۔ اب یا تو اموال واولاد کو بغیر نگران و متولی کے چھوڑ دیا جائے تو یہ اس کا ضائع کرنا ہے جو کہ مردود ہے یا پھر شفیق بھائی سے نگرانی واپس لے کر کسی بعید اجنبی کو سونپ دی جائے تو مقصود و مراد کے برعکس ہوگیا، لہٰذا ہمارے قول کی طرف رجوع کرنا اور دلالت اذن پر اعتماد کرنا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ [1]

﴿۲﴾

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں یہ سوال ہوا کہ: زید ایک زوجہ ایک لڑکا ایک بالغ لڑکی دو نابالغ لڑکیاں چھوڑ کر فوت ہوا زید کی دونوں نابالغ بیٹیاں زید کے بیٹے بکر کی پرورش میں رہیں اس نے ان دونوں کی شادی معمولی خرچ کے ساتھ کر دی بکر کی بڑی بہن کی شادی بکر کے باپ نے اپنی زندگی ہی میں کر دی تھی۔ تو کیا دونوں بہنوں کی پرورش اور شادی کا خرچ بکر کو ان کے حصے سے مجرا مل سکتا ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بکر کے صرفے کو تین حصوں [(۱) پرورش کا خرچ (۲) شادی کے مصارف بالائی یعنی جہیز کے علاوہ خرچ (۳) دلہن کے جہیز کا خرچ] میں تقسیم کرکے ہر ایک کا تفصیلی حکم تحریر فرمایا ہے۔

پرورش کا خرچ اگر نفقۂ مثل کے ساتھ ہو تو بکر دونوں بہنوں کے حصے سے مجرا پائے گا اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں: بے شک بحکم دیانت بحالت عدم وصی وارث ثان کبیر کو وارث ثان صغیر کی پرورش کرنا اور ان کے کھانے، پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں ان کے لیے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف و تبذیر اُن پر اُٹھانا شرعًا جائز ہے جب کہ وہ بچے ان کے پاس ہوں اگرچہ یہ ان پر وصایت وولایت مالیہ نہ رکھیں۔

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۱۰۶-۱۰۷

تنویرالابصار و در مختار و ردالمحتار وغیرہا اسفار میں ہے:

جازشراء مالابد للصغير منه (كالنفقة والكسوة واستئجارالظئر.مِنَح) وبيعه اى بيع مالابد للصغير منه لاخ وعم و ام وملتقط هو فى حجرهم اى فى كنفهم وإلالا.

علامہ شامی قول در مختار:

لايجوز التصرف فى مال غيره بلااذنه ولاولايته الا فى مسائل کی شرح میں بضمن مسائل استثنا ارشاد فرماتے ہیں:

كذا لوانفق بعض اهل المحلة على مسجد لامتولى له من غلته لحصير ونحوه اوانفق الورثة الكبار على الصغار ولاوصى لهم فلاضمان فى كل، ديانة.اهـ.ملخصا.

علامہ شامی کی اس عبارت پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے یہ افادہ فرمایا:

أقول: ولايخالفه بل ربما يؤيده مافى شهادة الاوصياء عن الطحطاوى عن الفصول حيث قال ورثة صغاروكبار وفى التركة دين وعقار فهلك بعض المال وانفق الكبار البعض على انفسهم وعلى الصغار فما هلك فهو على كلهم وما انفقه الكبار ضمنوا حصة الصغار ان كانوا انفقوا بغير امرالقاضى اوالوصى ومماانفقوه بامراحدهما حسب لهم الى نفقة مثلهم.اهـ . فان هذا عند وجودالوصى وما مرفعند عدمه لاسيما فى بلادنا فافهم.

پس جو کچھ بکر نے ان لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا اگر نفقۂ مثل کا دعوی کرے تو بے شک دیانۃً مجرا پائے گا۔

پھر چند سطور کے بعد آپ نے عالم گیری اور شامی کے حوالے سے نفقۂ مثل کی تعریف فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے: اتنی مدت میں ایسے بچوں پر اتنے مال والوں میں متوسط صرف بے تنگی و اسراف جس قدر ہوتا ہے وہ نفقۂ مثل ہے۔

جہیز کے علاوہ مصارف شادی کے بارے میں یہ حکم فرمایا کہ اگر ان لڑکیوں سے پوچھ کر خرچ کیا تو مجرا پائے گا لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا شادی کے مصارف بچے بچیوں سے پوچھ کر نہیں ہوتے اس لیے وہ ان کے حصے میں سے مجرا نہیں ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں:

لانا وإن قلنا بوصاية بكردلالة كما اشرنا اليه فقد انقطعت الولاية بالبلوغ.

ردالمحتار میں عنایہ سے ہے:

انهم (يعنى الورثة الكبار) اذا كانوا حضورا ليس للوصى التصرف فى التركة اصلا الا إذاكان . الخ.

ان مصارف میں جو کچھ بکر نے صرف کیا بہنوں کے ساتھ تبرع واحسان ہوا جسے کسی سے مجرا نہ پائے گا سب صرف اسی کے حصے پر پڑے گا خواہ ضمناً خواہ قصاصًا، دوسرے ورثہ جنھوں نے نہ خود صرف کیا نہ صراحۃً اذن دیا یہ بری رہیں گے اگرچہ انھوں نے صرف ہوتے دیکھا وہ خاموش رہے ہوں اذ لاینسب الی ساکت قول(اس لیے کہ ساکت کی طرف کسی قول کی نسبت نہیں ہوتی)

اشباہ میں ہے:

لورأى غيره يتلف ماله فسكت لايكون اذنا بإتلافه خصوصًا اگر اُن میں کوئی اس وقت نابالغہ ہو کہ نابالغ کا اذن بھی معتبر نہیں۔ فانه ليس من اهل التبرع ولالاحد أن يتبرع من ماله.

بزازیہ و بحرالرائق وردالمختار و تنویرالابصار و سراج وہاج وغیرہ میں ہے:

الهبة والقرض وماكان اتلافا للمال او تمليكامن غير عوض فانه لايجوزمالم يصرح به نصا.

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس پر افادہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اقول: هذا افادوا فى شريكى العنان والمفاوضة مع ان كلامنهما وكيل عن صاحبه و ماذون التصرف فى المال من جانبه فكيف بالشريك شركة العين فانه اجنبى صِرفٌ عن حصة اخيه ليس له التصرف فيه كما نصوا عليه .

حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

التجهيز لايدخل فيه الجمع والموائد فالفاعل لذلك ان كان من الورثة يحسب عليه من نصيبه و يكون متبرعاً وكذا ان كان اجنبيا-اهـ.ملخصا.

تیسرا مصرف دلہن کا جہیز اس کا مجرا بھی بکر نہیں کر سکتا کیوں کہ اس میں شرعًا کوئی عقد نہیں ہوتا جو تبدیلی ملک کا افادہ کرے بکر اپنے بھائی اور تمام ورثہ کی ملک مشترک سے اگر جہیز میں صرف کرتا ہے تو بھی وہ سب کے حصص کا ذمہ دار ہوگا۔ ہاں! اگر عین ترکہ سے قبل تقسیم اپنی بہن کو جہیز میں ہبہ کیا تھا تو مشاع کی وجہ سے یہ ہبہ صحیح نہیں ہوا اس صورت میں اگر مال کسی طرح دلہن کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو اس میں حصہ بکر کا تاوان خاص دلہن پر ہوگا۔ اس کی تفصیلی بحث اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی زبانی پیش ہے:

وہ (جہیز) اگر بکر نے بطور ہبہ نہ دیا بقصد مجرائی دیا تو ہبہ دینا کچھ اثر پیدا نہ کرے گا جب کہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ یہ اشیا تیرے فلاں حصہ کے معاوضہ میں دیتے ہیں اس کے بعد کل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا نہ بالیقین یہ ہوا کہ اموال منقولہ کی ہر جنس جدا جدا جوڑ کر دُلہن کا حصہ نکال کر ہر چیز سے خاص جس قدر اس کے حصہ میں آیا بے کمی بیشی ایک ذرّہ کے اس کے لیے جدا کر لیا اور وہی اس کے جہیز میں دیا ہو، فضلا عن الاقتصار علی المثلیات والتحرز عن الاستبداد فی القیمیات.

نہ اجناس مختلفہ میں قسمت جمع بے تراضیِ ممکن، یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں "کما نصوا علیه فی الکتب جمیعا" تو غایت درجہ اس قدر رہا کہ بکر نے دیتے وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ ہم علی الحساب دیتے ہیں جو کچھ جہیز کی لاگت ہے دُلہن کے حصے میں مجرا لیں گے۔ صرف اتنا سمجھ لینا کوئی عقد شرعی نہیں ہوسکتا۔ قسمت نہ ہونا تو ظاہر لما مر، صلح و تخارج یوں نہیں کہ کل ترکہ یا اس کی قسم سے حصہ دلہن کا ساقط نہ کیا گیا، نہ دلہن کے خیال میں ہوگا کہ اب فلاں قسم ترکہ میں میرا کوئی دعویٰ نہ رہا اگر چہ میرا حصہ مقدار جہیز سے زائد نکلے، نہ ایسا امر بے تصریح رضامندی فقط ایک طرف کے خیال پر عقد ٹھہر سکتا ہے۔ فان العقد ربط ولا بد فی الربط من شیئین. مع ہذا عند الحساب جہیز کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن بلکہ مظنون تو قطع نزاع جس کے لیے صلح و تخارج کی وضع ہے حاصل نہ ہوا، ومامن شيء خلا عن مقصوده الابطل و جهالة المصلح عنه انما لاتمنع جواز الصلح اذالم تفض الی منازعة والامنعت.

در مختار میں ہے: الصلح شرعا عقد یرفع النزاع و یقطع الخصومة.

نہایہ میں ہے: جهالة تفضی الی المنازعة تمنع جواز الصلح.

رہی بیع وہ اگر بتصریح ایجاب و قبول بھی ہوتی مثلاً بکر کہتا میں نے یہ جہیز بعوض ان اشیاے متروکہ کے جو بمقدار مالیت جہیز تیرے حصہ میں آئیں بیع کیا اور دُلہن قبول کرتی تاہم فاسد ہوتی کہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی نہ یہ معلوم کہ اس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیا حصۂ عروس میں آئیں گی یہاں کہ اس قدر بھی نہ ہوا بلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا صرف بکر نے ایک امر سمجھ کر جہیز سپرد کیا یہ بھی خبر نہیں کہ اس وقت قلب عروس میں کیا نیت تھی اسے کیوں کر کوئی عقد شرعی قرار دے سکتے ہیں۔ ومعلوم انه لیس من عقد یتم بالنیة بل لابد من شيء یظهر القصد القلبی و یکون دلیلا علی الرضاء النفسی.

فتح القدیر میں ہے:

رکنه الفعل الدال علی الرضا بتبادل الملکین من قول اوفعل.اھـ.نعم المظهر

قدیکون نصا وهو اللفظ المقرر للایجاب والقبول وقد یکون دلالة کالمساومة واخذ الثمن بعد بیان الثمن فی بیع التعاطی وحیث لاحاجة الی البیان للعرف العام کالخبز مثلا حیث یکون له قیمة معلومة لاتختلف ففتح البائع الدکان وجلوسه للبیع واعداده الخبز لذٰلك دلیل علی البیع واخذ المشتری علی الشراء امّا هٰهنا فان فرضت دلالة من بکر فلادلالة اصلا من قبل العروس ولئن سلمت الرضا فالتعاطی هٰهنا من احد الجانبین وهو وان جاز عندالبعض وبه یفتی وهوأرجح التصحیحین فلابد فیه عند مجیزه من بیان البدل والبدل هٰهنا کما علمت مجهول فلم ینعقد البیع اجماعا.

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

الشرط فی بیع التعاطی الاعطاء من الجانبین عند شمس الائمة الحلوانی کذا فی الکفایة وعلیه اکثر المشایخ وفی البزازیة هو المختار کذا فی البحرالرائق والصحیح ان قبض احدهما کافٍ لنص محمد رضی الله تعالی عنه علی ان بیع التعاطی یثبت بقبض احد البدلین وهذا ینتظم الثمن والمبیع کذا فی النهر الفائق وهذا القائل یشترط بیان الثمن لانعقاد هذا البیع بتسلیم المبیع وهکذا حکی فتوی الشیخ الامام ابی الفضل الکرمانی کذا فی المحیط.

پس واضح ہوا کہ جہیز دینے میں کسی عقد شرعی کی حقیقت تو حقیقت، صورت بھی نہ تھی تو یہ دینا اصلاً کوئی اثر تَبدُّلِ ملک پیدا نہ کرے گا بلکہ وہ مال جس کی ملک تھا بدستور اسی کی ملک پر رہے گا اب معرفتِ مالک در کار ہے جو چیزیں عین متروکہ تھیں مثلاً زیور، برتن، کپڑے وغیرہ کہ مورثوں نے چھوڑے بعینہٖ جہیز میں دیے گئے وہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترک تھیں اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیا بکر نے خرید کر دیں وہ سب مطلقاً ملک بکر کی تھیں اور اب بھی خاص اسی کی ملک پر ہوں گی اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں، لما علم من ان الشراء اذا وجد نفاذا علی الشاری نفذ. غایت یہ کہ مال مشترک سے خریدنے میں بکر باقی ورثہ کے حصص کا ذمہ دار ہوگا پھر اس قسم یعنی مملوکات بکر پر دلہن کا قبضہ امانت ہوگا لحصوله بتسلیط المالك پس جس چیز کو دلہن نے استہلاک نہ کیا بغیر اس کے فعل کے چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اس کا تاوان دلہن پر نہ آئے گا اور جو اس کے فعل و تعدی سے تلف ہوئی اس کی قیمت بکر کے لیے دلہن کے ذمہ واجب ہوگی لان الامین ضمین اذا تعدی اور جو باقی ہو وہ بعینہٖ بکر کو واپس دے اور قسم اول یعنی عین متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس پر دلہن کا ہاتھ دست ضمان ہوگا یعنی کسی طرح اس کے پاس ہلاک ہوجائے مطلقاً تاوان آئے گا۔

وذٰلك لان بكراقد تعدى على حصص الشركاء بتجهيز الاخت من مال مشترك وتسليمه اليها جهازا، لتلبس وتستعمل وبالتصرف تستقل وكل يدمترتبة على يدِضمانٍ يدُضمانٍ. پس باقی ورثہ جنھوں نے اذن نہ دیا مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں لانہ الغاصب چاہیں دلہن سے لیں۔ لانھا کغاصبۃ الغاصب اور وہ بکر یا دلہن جس سے ضمان لیں اسے دوسرے پر دعویٰ نہیں پہنچتا۔

اما بكر فلانه الغاصب وانما قبض العروس بتسليطه واما العروس فلانها قبضت لنفسها لالبكر.[1]

(۱) اس کے آگے مزید تفصیلی کلام ہے ملاحظہ ہو فتاوی رضویہ ج ۱۰، ص ۱۱۳-۱۱۵

تحقیق طلب مسائل کی تنقیح

﴿۱﴾

منی آرڈر کے جواز پر مخالفین کی طرف سے یہ شبہہ وارد ہوا کہ منی آرڈر میں اگر چہ عاقدین کے درمیان زبانی طور پر یہ طے نہیں ہوتا ہے کہ اگر مرسَل الیہ تک روپے نہ پہنچے تو ڈاک خانہ اس کا ضامن ہوگا مگر یہ شرط کی منزل میں ہوتا ہے جس میں عاقدین میں سے ایک کا سراسر نفع ہے اور ایسی شرط والے عقد سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے کتب فقہ کے کثیر جزئیات کی روشنی میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ شرط عقد کو فاسد کرتی ہے جس پر لوگوں کا تعامل نہ ہو لیکن جو شرط عرف بن جائے وہ فساد عقد میں موثر نہیں منی آرڈر کے ضیاع پر تاوان عرف بن چکا ہے۔

اب اس پر شبہہ وارد ہوا کہ عرف و تعامل سے مراد پوری دنیا کا عرف اور عمل ہے اور ایسی صورت میں اس کا جواز نہیں ثابت ہو سکتا کیوں کہ کسی بھی عرف پر پوری دنیا کے مسلمانوں کا عمل نہیں ہو سکتا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے عرف و تعامل کی جو نفیس تحدید فرمائی ہے اس کے مطالعہ سے بصیرت جھوم اٹھتی ہے آپ نے پانچ وجہوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ اکثر کا عمل عرف بن جاتا ہے نہ کہ پوری دنیا کے ایک ایک فرد کا عمل پہلی وجہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اولاً: ابھی تحریر الاصول امام ابن الہمام و بحر الرائق و رد المحتار سے گزرا: التعامل ھو الاکثر استعمالا.

الاشباہ والنظائر میں ہے:

انما تعتبر العادۃ اذا اطردت او غلبت.

ثانیاً: انھیں مسائل مذکورہ کو دیکھیے جن میں علماے مذہب نے محل عرف و تعامل مانا کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ تمام بلاد کے

تمام عباد کا یہی عرف ہے۔ بھلا کھڑاؤں کہاں کہاں پہنی جاتی ہے، پٹھے دار کہاں کہاں ہوتی ہے، اون کی ٹوپی کہاں کہاں بنی جاتی ہے، ایک دے کر دوسری اس کے ساتھ کی کہاں کہاں بنی ہے، کلہاڑی، بسولا، آرا، پھاوڑا، چارپائی، گھڑے، لوٹے، دیگ، دیگچی، طشت، دودھ، دہی کے لیے گاے، بیج لے کے غلہ، قرض کے لیے روپیہ کہاں کہاں وقف ہوئے ہیں۔ الی غیر ذٰلك مما لا یخفی.

تیسری وجہ میں تفصیل ہے اس لیے اس کا خلاصہ پیش ہے:

اگر عرف و تعامل سے مراد پوری دنیا کے مسلمانوں کا عرف و عمل ہو تو جن مسائل کو علماے کرام نے جائز قرار دیا ہے وہ محال ہو جائیں کیوں کہ یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ مسلمان کس گھاٹی، کس پہاڑی اور کس جزیرے میں بستے ہیں آئے دن نئی نئی اطلسیں بنتی ہیں ہر سال مردم شماری ہوتی ہے لیکن پھر بھی کوئی حتمی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کتنے مسلمان کہاں آباد ہیں اور ان کا عرف کیا ہے حتیٰ کہ صرف مجتہدین کرام کی راے معلوم کرنا ممکن نہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! اجماع شرعی جس میں اتفاق ائمۂ مجتہدین پر نظر تھی، علما نے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع وانتشار علما فی البلاد دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

(قال الامام احمد من ادعی الاجماع) علی امر (فهو کاذب والجواب انه محمول علی حدوثه الاٰن) فان کثرة العلماء والتفرق فی البلاد الغیر المعروفین مریب فی نقل اتفاقهم.اهـ .

نیز فواتح میں ہے:

تحقیق المقام ان فی القرون الثلثة لاسیما القرن الاول قرن الصحابة رضی الله تعالی عنهم کان المجتهدون معلومین با سمائهم واعیانهم وامکنتهم خصوصا بعد وفاة رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم زمانا قلیلا ویمکن معرفة اقوالهم واحوالهم للجاد فی الطلب. نعم لا یمکن معرفة الاجماع ولاالنقل الآن لتفرق العلماء شرقا وغربا ولایحیط بهم علم احد.اهـ.

جب صرف مجتہدین کا اتفاق معلوم نہیں ہو سکتا تو عرف و تعامل جس میں اجتہاد درکنار علم بھی درکار نہیں، علما و جہلا سب کا عمل درآمد ملحوظ ہے۔ اس میں اتفاق کل کیا معنی، اتفاق اکثر کا علم بھی بدرجہ اولیٰ محال و ناممکن ہے کہ آخر اکثر کل، کل علما سے ضرور اکثر ہے۔

چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی کہ جن مسائل کو عرف و تعامل کی بنیاد پر علماے امت نے جائز قرار دیا ہے ان میں یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ان کی شروط متعارفہ اور ان کے جواز کی خبر پورے مسلمانوں کو ہو انھوں نے صرف اکثر کے لحاظ سے جائز قرار دیا ہے آپ ارقام فرماتے ہیں:

کیا کوئی ایک بار کا بھی نشان دے سکتا ہے کہ ائمۂ کرام و مشائخ اعلام نے جب ایک امر میں بربنائے عرف و تعامل حکم فرمانا چاہا ہو تو تمام بلاد و بقاع عالم کے تمام مسلمین کے عرف و عمل کی خبر معلوم فرمالی، ہر ہر شہر و قریہ و درہ کوہ و جزیرہ و بادیہ میں تحقیق تعارف کے لیے شہود عدول بھیجے ہوں، تمام اسلامی جہاں کی مردم شماری مفتح کی ہو پھر بعد ثبوت حصر و شمار بلحاظ کل نہیں بلحاظ اکثر ہی حکم دیا ہو۔ یا بلا تفتیش خود ہی پیش از حکم ان تمام امور کے پرچے ان کی خدمات عالیہ میں گزر لیے ہوں۔

حاشا للہ ہرگز نہیں نہ کبھی اس کا قصد فرمایا نہ اصلاً اس کی طرف راہ تھی، نہ یہ امور تعامل مسائل عقائد تھے جن پر سواد اعظم امت کا اتفاق دلائل و براہین شرع سے خود ہی معلوم ہے۔[1]

اس اعتراض مذکور کے پانچویں جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے یہ دکھایا ہے کہ فقہاے کرام نے عرف و تعامل کی بنیاد پر جن مسائل کو جائز قرار دیا ہے وہ خاص دیار کے عرف و عمل پر مبنی ہیں آپ اس طرح رقم طراز ہیں:

این و آں پر کیوں نظر کیجیے خود حضرات علماے کرام ہی سے نہ پوچھ لیجیے کہ عرف و تعامل سے مراد حضرات کی کیا ہوتی ہے صدہا جگہ علماے مستدلین استدلال بالعرف کے ساتھ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دیار کا عرف ہے یہ فلاں بلاد کا تعامل ہے۔ پھر اس شبہہ کی بھی تردید فرمائی کہ عرف سے مراد وہ ہے جو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے سے مستمر ہو۔ پھر دسیوں کتابوں کے جزئیات اعلیٰ حضرت نے اس کی تائید میں پیش کیے۔

محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں: مثله فی دیارنا شراء القبقاب

حاوی قدسی، خلاصۃ الفتاویٰ، ردالمحتار میں ہے: مثل هذا كثير فی الری وناحية دماوند

فتاوی ظہیریہ، فتاوی ہندیہ میں ہے: ان كان ذلك به فی موضع تعارفوا

نہر الفائق میں علامہ عمر بن نجیم فرماتے ہیں: تعورف فی الديار الرومية

صاحب درر و غرر مرآۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول میں فرماتے ہیں:

(ماقرره) صلى الله تعالى عليه وسلم (ان كان مماعلم انكاره كذهاب كافر الى

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۱، ص ۲۶

كنيسة فلا اثر لسكوته والا دل على الجواز) اى جواز ذٰلك الفعل من فاعله ومن غيره إذ ثبت ان حكمه على الواحدحكمه على الجماعة فان كان ماسبق تحريمه فهذا نسخ لتحريمه.

مذکورہ عبارت سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اجماع نص کی طرح ہوتا ہے کتاب و سنت سے اس کا نسخ نہیں ہوتا۔

فواتح الرحموت فصل تعارض میں ہے:

الاجماع مرجح ومقدم على الكل عند معارضته اياها لانه لايكون منسوخا بكتاب ولاسنة ولايكون باطلافتعين ان يكون الكتاب والسنة ولوكانت متواترة منسوخة والاجماع كاشف عن النسخ.(۱)

فصول البدائع فی اصول الشرائع، حاشیہ مرآۃ الاصول، فتاوی فقیہ امام ابواللیث، ہدایہ، الاشباہ والنظائر، فتاوی بزازیہ، فتاوی صغری، قدوری، نشر العرف وغیرہا کتب کے نصوص بھی پیش کیے ہیں۔

﴿۲﴾

زید نے دو الگ الگ جگہوں پر دو عورتوں سے نکاح کیا اور وہاں اس کی جائداد بھی ہے ایک بی بی کی اولاد کے لیے اپنی وقف کی ہوئی مسجد کی ولایت دے دی اوران کا حصہ دوسری جگہ کی بیوی کے پاس بچی ہوئی جائداد میں بھی مقرر کر دیا جب کہ اس بیوی کی اولاد کے لیے پہلی بیوی کی اولاد کی جائداد کے متعلق یہ لکھ دیا کہ دوسری بیوی کی اولاد کو اس میں سے ایک حصہ بھی نہیں ملے گا۔

مذکورہ صورت کے متعلق سائل نے آٹھ سوالات کیے ان میں چھٹا سوال یہ تھا:

زید کی یہ وصیت متضمن مضرت ہے بعض شارحین مشکوۃ شریف نے ایسی وصیت کو مکروہ لکھا ہے اور صاحب در مختار علامہ حصکفی نے وصیت مع الکراہت کو باطل لکھا ہے اور علامہ شامی نے اس پر یہ لکھا ہے:

مقتضاه انه يشترط لصحة الوصية عدم الكراهة وقد مرّ اول الوصايا انهاار بعة اقسام وانها مكروهة لاهل فسوق و مقتضى ماهنابطلانها اللهم الا ان يفرق.الخ.

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۱، ص ۲۷ تا ۲۹

پس اس وصیت کے بطلان کی یہ تقریر صحیح ہے یا نہیں، بر تقدیر ثانی علامہ شامی نے جو تقریر وصیت مکروہہ لاہل فسوق کی صحت کی اللّٰھم سے آخر تک کی ہے اس کے صحیح ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے؟ [1]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس پیچیدہ سوال کا نہایت محققانہ اور شافی جواب عنایت فرمایا آپ نے وصیت مع الکراہت کی تین قسمیں فرمائی ہیں:

(۱) جہاں تملیک اور قربت نہیں اور وہ فعل فی نفسہ مکروہ ہے۔

(۲) تملیک کی وصیت کراہت کے ساتھ ہو۔

(۳) قربت کی وصیت ہو کراہت خارج سے ہو۔

ان میں پہلی صورت کی وصیت باطل ہے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کی چار مثالیں تحریر فرمائی ہیں:

اول یہ کہ قبر پر گنبد بنانے کی وصیت۔

دوم قبر کے ارد گرد چہار دیواری بنانے کی وصیت۔

سوم یہ وصیت کرنا کہ ٹاٹ کا کفن پیروں میں بیڑیاں گلے میں طوق ڈال کر دفن کرنا۔

چہارم یہ وصیت کرنا کہ مجھے میرے گھر میں دفن کرنا۔ وصیت کی یہ تمام صورتیں باطل ہیں آپ نے سنن ابوداؤد، در مختار، فتاوی ہندیہ، فتاوی قاضی خان، فتاوی بزازیہ، خلاصہ، تاتارخانیہ وغیرہ کتب سے استناد بھی کیا ہے۔

دوسری صورت یعنی تملیک کی وصیت کراہت کے ساتھ صحیح ہے اس کی ایک مثال وہی ہے جو اوپر سوال میں علامہ شامی کی عبارت میں مذکور ہے یعنی فساق کے لیے وصیت مکروہ ہے۔

دوسری مثال وجیز کردری کی اس عبارت سے دی ہے:

الثانی معصیة مطلقا کالوصیة للنائحة والمغنی ان لم یکن یحصون لایصح وان لقوم باعیانهم صح.

تیسری مثال میں کافر حربی کے لیے وصیت کو پیش کیا ہے جس کو امام طاہر بن عبد الرشید بخاری، امام سِغناقی، امام نسفی، امام حافظ الدین بزازی وغیرہم نے بیان کیا ہے۔

تیسری صورت یہ بیان کی کہ وصیت قربت ہو اور خارج سے کراہت ہو اس کی مثال دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) فتاوی رضویہ جلد دہم ص: ۱۴۳

اس کے دلائل وہ تمام مسائل ہیں جن میں قربت کے لیے ثلث سے زائد وصیت کو صحیح مانا اور ورثہ اجازت دیں تو پوری مقدار میں نافذ جانا، بُر ظاہر کہ ہنگام قیام ورثہ مثلاً کل مال کی وصیت ممنوع ہے۔ (۱)

اس جواب سے جہاں مسائل کے تصفیہ کا ملکہ ظاہر ہوتا ہے وہیں آپ کی فکر انگیز تحقیق کی جلوہ فرمائی نظر آتی ہے آپ کے اس جواب کی ابتدائی سطور ملاحظہ کے قابل ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں:

بطلان وصیت کے لیے تقریر مذکور اصلاً صحیح نہیں، او پر گزرا کہ وصیت دو قسم ہے: تملیک وقربت۔

واناا قول وبالله التوفیق: کراہت منافی تملیک ہرگز نہیں ہوسکتی، الاترى ان البيوع الفاسدة محرمة وتفيد الملك فاذا جامع الملك الحرمة فما بالك بالكراهة. اور منافی قربت بھی صرف اس صورت میں ہے کہ شَے فی نفسہ مکروہ ہو اور یہ جبھی ہو گا کہ وہ اصلاً نوع قربت سے نہ ہو، فان الندب والكراهة متنافيان لايسوغ اجتماعهما من جهة واحدة. بخلاف کراہت عارضی کہ زنہار منافی قربت نہیں ہزار جگہ ہوتا ہے کہ شَے فی نفسہ قربت ہو اور اسے خارج سے کراہت عارض جیسے آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا۔ (۲)

﴿۳﴾

مرض الموت اس مرض کو کہتے ہیں جو ایک سال سے متجاوز نہ ہو، بعض حضرات نے مرض الموت میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ موت کا خوف بھی ہو اسی لیے یہ سوال پیش ہوا کہ فالج ایک سال کے بعد مرض الموت رہتا ہے یا نہیں اور بعض کتابوں میں عدم خوف موت کی جو قید ہے اس کے کیا معنی؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے متعدد کتب کے حوالے سے یہ بتایا کہ ایک سال کے بعد فالج مرض الموت نہیں رہتا اس کے بعد عدم خوف موت کی بہت اچھی وضاحت فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

جمہور ائمہ کے نزدیک فالج ودق وسِل وغیرہا امراض مزمنہ جب ایک سال تک تطاول کریں مرض الموت نہیں رہتے اور ایسے مریض کے تمام تصرفات شرعاً مثل صحیح کے ہیں۔

مختصر امام مجتہد علامہ ابو جعفر طحاوی اور فتاویٰ امام قاضی خاں اور فتاوی امام ابو العباس شماس اور امام عبداللہ جرجانی اور امام شمس الائمہ حلوانی اور فتاویٰ التمر تاشی اور جامع الفتاویٰ اور فصول عمادیہ اور درر علامہ خسرو اور مفتاح اور غمز العیون علامہ احمد حموی اور مجتبی زاہدی اور فتاویٰ خیریہ اور در مختار اور حاشیہ علامہ حلبی اور رد المحتار علامہ شامی

(۱) فتاوی رضویہ جلد دہم ص:۱۵۲

(۲) فتاوی رضویہ جلد دہم ص:۱۵۱

اور فتاویٰ حامدیہ اور عقود الدرّیہ اور فتاویٰ ہندیہ وغیرہا متون و شروح و فتاویٰ میں اس مسئلہ کی تصریح ہے یہاں تک کہ علامہ محمد بن عابدین آفندی شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متون و شروح کے اطلاق و عموم پر نظر فرما کر حاشیہ در مختار میں تصریح کر دی کہ اگر فالج وغیرہ امراض مذکورہ ایک سال کے بعد صاحب فراش بھی کر دیں اور مریض چلنے پھرنے سے معذور مطلق ہو جائے جب بھی اسے مرض موت نہ کہا جائے گا کیوں کہ ایک سال تک تطاول ہو گیا۔

ردالمحتار کی عبارت نقل کرنے کے بعد عدم خوف موت کی توضیح میں فرماتے ہیں:

اور وہ جو بعض کتب میں عدم خوف موت کی قید ہے بہت علما مثل صاحب مفتاح و علامہ احمد حموی شارح اشباہ و علامہ ابراہیم حلبی و علامہ امین الملۃ والدین شامی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ کوئی قید احترازی نہیں بلکہ بعد تطاول ان امراض کے حال کی شرح ہے یعنی جب سال گزر جاتا ہے تو ان امراض سے وہ خوف نہیں رہتا جسے شرع مرض الموت میں اعتبار کرتی ہے۔

اس کے چند سطور کے بعد رقم طراز ہیں:

اور اگر اسے قید جدید ہی قرار دیں جیسے بعض کا قول ہے تاہم نفس خوف موت بالاجماع کافی نہیں کیوں کہ اس قدر سے تو کوئی مفلوج و مدقوق و مسلول کبھی خالی نہیں ہوتا اگر چہ سالہا سال گزر جائیں پھر اس قید کے لگانے سے کیا فائدہ ہو گا بلکہ اعلیٰ درجہ کا خوف و اندیشہ شدید درکار ہے۔ (۱)

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۱، ص ۹۸-۹۹

فقہی تبحر و وسعت نظر

(۱)

جناب مولوی وصی علی صاحب (اٹاوہ) کے آٹھ سوالات پر مشتمل استفتا کا دوسرا سوال یہ ہے کہ عصبات نسبیہ کا غیر موجود ہونا ناممکن ہے کہ نہیں؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے بشمول تنبیہ سات مثالوں سے اس کا امکان ثابت کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ہرگز ناممکن نہیں بلکہ بارہا واقع ہوا اور خود زمانۂ رسالت میں ہوا، اور اب واقع ہے اور عادۃً واقع ہوتا رہے گا۔

اولاً: فرض کیجیے مجوس و ہنود و نصاریٰ یہود و غیرہم کفار کی اقوام سے ایک شخص مسلمان ہوا اور اس کے باقی رشتہ دار اپنے کفر پر ہیں ان میں اس کا عصبۂ نسبی کون ہے کوئی نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ [1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایرث المسلم الکافر ولاالکافر المسلم، رواہ الشیخان عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالی عنہما.

ثانیاً: ایک کافرہ حاملہ مسلمان ہوئی اور ایام اسلام میں بچہ پیدا ہوا اس کے چھوٹے بچے جو زمانۂ کفر ہی میں پیدا ہوئے تھے بحکم: "الولد یتبع خیر الابوین دینا" مسلمان قرار پائے ان بچوں کا کوئی قریب نسبی ان کا عصبہ نہیں۔

ثالثاً: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "للعاھر الحجر" زانی کے لیے پتھر۔ تو ولد الزنا کا نہ کوئی باپ نہ کوئی عصبہ نسبی، لہٰذا ایک عورت کے دو بچے کہ زنا سے ہوں اگرچہ ایک مرد سے ہوں باہم ولد الام کی میراث پاتے ہیں نہ بنی الاعیان کی کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار.

(۱) القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

رابعًا: زن و شو نے لعان کیا بچہ بے عصبۂ نسبی رہ گیا لانه ایضا لااب له کما فی الدر ایضاً.

خامساً: دارالحرب سے کچھ کفار مقید ہو کر آئے امیر المومنین نے غانمین پر تقسیم فرمادیے یہ سب کنیز و غلام مسلمان ہو گئے آپس میں نہایت قریب کے رشتہ دار ہیں اور سب مسلم مگر سب مملوک، اب ان میں ایک آزاد ہوا، باقی اس کے عصبۂ نسبی نہیں کہ رق مانع ارث ہے۔

سادسًا: ایک بچہ سڑک پر پڑا ہوا ملا پرورش کیا گیا اس کا عصبۂ نسبی کسے کہا جائے اسی طرح اور بعض صور بھی ممکن، ان میں بعض صورتیں علم عدم کی ہیں جیسے ولد زنا و لعان، بعض عدم علم کی جیسے لقیط۔

تنبیہ: ان امور کے سوا ایک صورت نادرہ اور ہے کہ وہ بھی ایک بار واقع ہوئی اور ممکن تو بے شمار بار ہے یعنی بچے کا بن باپ کے پیدا ہونا۔ سیدنا عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے اب تک کوئی عصبۂ نسبی نہیں یہاں تک کہ بعد نزول ان کے اولاد ذکور پیدا ہوں۔[1]

﴿۲﴾

مسئلہ یہ ہے کہ تمام کتب فرائض و فقہ میں اخوات عینیہ و علاتیہ کو بنات اور فقط بنات الابن کے ساتھ عصبہ مع الغیر لکھا ہے وان سفل سے سفلیات کو داخل نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ اور دیگر مواقع مثلاً تفصیل اب میں ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ اخوات کی عصوبت کی علت سفلیات کی معیت نہیں ہے بلکہ بغیر سفلیات بھی اخوات عصبہ مع الغیر ہوتی ہیں اور شارح بسیط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اقتصر علی بنات الابن ولم یقل وان سفلن وکذا فی غیرہ من کتب الفرائض فدل ذٰلك علی ان السفالة غیر معتبرة فی صیر ورتهن عصبة.١ھ.

یعنی مصنف نے صرف بنات ابن کے ذکر پر اقتصار کیا اور وان سفلن کا ذکر نہ کیا یوں ہی اس کے علاوہ دیگر کتب فرائض میں ہے تو یہ دلالت کر رہا ہے کہ اخوات کے عصبہ ہونے میں سفلیات کا اعتبار نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس مسئلہ کا جائزہ لیا کہ عصوبت اخوات میں سفلیات کا اعتبار ہے یا نہیں اور شارح بسیط رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول صحیح ہے یا نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

عصوبت اخوات کے لیے معیت بنت ابن الابن و بنت ابن ابن الابن وان سفلن قطعًا کافی ہے۔ اور شرح بسیط کا بیان صریح لغزش ہے بنت الابن حقیقۃً لغۃً یا عرفاً شائعاً ضرور بنت ابن الابن وغیرہا جملہ سفلیات کو متناول ہے

---

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰، ص:۳۸۲-۳۸۳ رسالہ: المقصد النافع فی عصوبة الصنف الرابع

تصریح وان سفلت محض ایضاح وتاکید عموم ہے، نہ ادخال مالم یدخل، توعدم ذکر ہرگز ذکر عدم نہیں ہو سکتا ولہٰذا صدہا جگہ علمانے وہاں کہ عموم یقیناً ہے لفظ "وان سفل" ذکر نہ فرمایا۔

کنزالدقائق میں ہے: للاب السدس مع الولد او ولد الابن.اھ.

اُسی میں ہے:ولدالابن کولده عندعدمه.اھ .

ملتقی الابحر میں ہے: ومن النساء سبع الام والجدة والبنت وبنت الابن والاخت الخ.

اُسی میں ہے : السدس للام عند وجود الولد او ولد الابن وللأب مع الولد او ولدالابن وبنت الابن وان تعددت مع الواحدة من بنات الصلب.١ھ .

در مختار میں ہے: والتعصيب مع البنت اوبنت الابن.١ھ.

تنویرالابصار میں ہے : يصير عصبة بغيره البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات باخيهن ومع غيره الاخوات مع البنات.١ھ.

اسی مسئلہ کا کلیہ ارشاد ہوا ہے:اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة.اھ.

مذکورہ تمام عبارتوں میں کہیں بھی سفول کا ذکر نہیں ہے اور ایسا نہیں کہ سفلیات مراد نہیں یہی وجہ ہے کہ انھیں مذکورہ کتب میں جابجا سفول کا ذکر آیا ہے۔

کنزالدقائق میں ہے : للام الثلث ومع الولد او ولد الابن وان سفل السدس وللزوج النصف ومع الولد اوولد الابن وان سفل الربع، وللزوجة الربع ومع الولد اوولد الابن و ان سفل الثمن.اھ.

ملتقی الابحر میں ہے: اقربهم جزء الميت وهوالابن وابنه وان سفل.١ھ.

اسی میں ہے:وتحجب الاخوة بالابن وابنه وان سفل. ١ھ ۰

تنویرالابصار میں ہے : يقدم الاقرب فالاقرب منهم كالابن ثم ابنه وان سفل.١ھ.

ان مذکورہ عبارات میں سفول کا ذکر ہے تو معلوم ہوا کہ علما کے نزدیک سفول کا ذکر وعدم ذکر یکساں ہے تو اگر کہیں سفلیات کا حکم عالیہ کے خلاف ہو تا فقط عدم ذکر سفول پر قناعت نہ فرماتے بلکہ واجب تھا کہ نفی سفلیات بالتصریح بتاتے تاکہ عرف عام شائع سے خلاف مراد پر محمول نہ ہو تو شرح بسیط کا تمسک صراحتًا بالمخالف ہے اور خود شرع

مطہر میں اس کی کہاں نظیر ہے کہ یہاں سفلیات قوی کا حکم عالیات کے خلاف رکھا ہو بلکہ ہمیشہ جس طرح بنات نہ ہوں تو بنات الابن ان کی جگہ ہیں اور اگر یہ نہ ہوں تو بنات ابن الابن ان کی جگہ یوں ہی بنات ابن ابن الابن، بنات ابن الابن کی جگہ۔ وھلمّ جرا۔ ایسا واضح مسئلہ اسی قابل تھا کہ علما اسے اعتماد فہم سامع پر چھوڑ جاتے مگر انھوں نے اسے بھی مہمل نہ چھوڑا بلکہ تمام کتب میں صاف صاف بلا خلاف حکم مذکور عصوبت اخوات مع بنات الابن کا سفلیات کو شمول بھی بتادیا۔ اب ناظر متعجّب ہوگا کہ یہ کیوں کر؟ ہاں، یہ فقیر سے سنیے:

زید نے دو بنت ابن الابن اور دو اخت چھوڑ کر انتقال کیا بنتین ابن الابن کے لیے تو یہاں یقیناً ثلثین ہے جس میں کسی ادنیٰ طالب علم کو بھی محل ریب نہیں، اور اخوات کے پانچ حال ہیں، ایک کو نصف، زائد کو ثلثان، بھائی کے ساتھ للذکر مثل حظ الانثیین بنات کے ساتھ عصبہ، ابن و اب وان سفل وعلا کے ساتھ سقوط۔ پہلی اور تیسری اور پانچویں حالت تو صورت مذکورہ میں بداہۃً نہیں اب اگر چوتھی نہ مانو تو دوسری متعیّن ہوگی اور اختین بھی ثلثین کی مستحق ہوں گی۔ یہ اولاً خود باطل ہے، علما تصریح فرماتے ہیں کہ کسی مسئلے میں دوبار ثلثین کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

مجمع الانہر میں ہے:

لایتصور فی مسئلة قط اجتماع ثلثین وثلثین اوثلث وثلثین.١ھ.

یعنی کسی ایک مسئلہ میں کبھی بھی ثلثیں اور ثلثیں کا یا ثلث اور ثلث اور ثلثیں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً: اس تقدیر پر اصل مسئلہ تین سے ہو کر بوجہ اجتماع دو ثلثین چار کی طرف عول کرنا واجب ہوگا حالاں کہ کتب مذہب میں قاطبۃً تصریح ہے کہ تین ان اصول میں ہے جن میں کبھی عول نہیں ہوتا۔

سراجیہ میں ہے:

اعلم ان مجموع المخارج سبعة.اربعة منها لاتعول وهی الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية.اھ.

یعنی مجموعۂ مخارج سات ہیں ان میں سے چار کا عول نہیں آتا ہے اور وہ دو تین اور چار اور آٹھ ہیں۔

شریفیہ میں ہے :فلاعول فی الثلثة لان الخارج منها اماثلث ومابقی کام واخ لاب و ام واما ثلثان ومابقی کبنتین واخ لاب وام واما ثلث وثلثان کاختین لام واختین لاب وام.١ھ.

ردالمحتار میں ہے:لاتعول اصلا لان الفروض المتعلقة بهذه المخارج الاربعة اما ان يفى المال بها أو يبقى منه شيء زائد عليها.١ھ.

اس حصر میں اور بھی واضح کر دیا کہ اختین کو بنتین ابن الابن کے ثلثین کے ساتھ ثلثین دینا محض باطل ہے۔

شرح الکنز للامام الزیلعی میں ہے:

جملة المخارج سبعة وانما تعول منها الستة واثنا عشرة واربعة وعشرون والاربعة الاخرى لاتعول.١ھ.

یعنی جملہ مخارج سات ہیں ان میں چھ، بارہ اور چوبیس کا عول آتا ہے اور دوسرے چار کا عول نہیں آتا ہے۔

فتاوی عالم گیری میں ہے : اعلم ان اصول المسائل سبعة اثنان وثلثة واربعة وستة وثمانية و اثنا عشر واربعة وعشرون فاربعة منها لاتعول الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية.١ھ.

یعنی اصول مسائل سات ہیں دو، تین، چار، چھ، آٹھ، بارہ اور چوبیس۔ ان میں سے چار کا عول نہیں آتا ہے دو، تین، چار اور آٹھ۔

منظومہ علامہ ابن عبدالرزاق میں ہے:

وسبعة مخارج الاصولِ اربعة ليست بذات عولِ
اثنـــان والثلثة التالية واربع ضعفـها الثمانيـــة

یعنی مخارج اصول سات ہیں، ان میں سے چار کا عول نہیں آتا- دو- اس سے متّصل تین -چار- اس کا دگنا آٹھ-

تو معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں حالت چہارم ہی مانی جائے اور سفلیات کے ساتھ بھی بہن کو عصوبت دی جائے، شرح بسیط میں ایسی تصریحات جلیلہ سے ذہول اور اس نامفید بلکہ مخالف بات سے تمسک موجب تعجب ہے۔

اور بحمد اللہ خاص اس جزئیہ شمول کی تصریحات بھی موجود ہیں۔

الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں ہے:

(والاخت) ولومتعددة (مع بنت) الصلب واحدة ايضا فاكثر (و) كذا مع

(بنت الابن) وان سفلت كذلك وكذا مع بنت بنت ابن (ذات اعتصاب مع غير)

یعنی بہن اگرچہ متعدّد ہوں ایک یازائد حقیقی بیٹیوں کی موجودگی میں یوں ہی بنت الابن نیچے تک کی موجودگی میں اور یوں ہی بنت بنت الابن کی موجودگی میں عصبہ مع الغیر ہوگی۔

زبدۃ الفرائض میں ہے:

عصبہ مع غیرھا دوزنان اندیکے اخت اعیانی میت کہ بابنت یابنت ابن اوہرچند پایان رود عصبہ میگردد۔ دوم اخت علاتی میت کہ باہمیں بنتین مسطورتین عصبہ می شود"

یعنی عصبہ مع غیرہ دوعورتیں ہوتی ہیں ایک میت کی حقیقی بہن کہ بنت یابنت ابن چاہے جتنی بھی سفول کے ساتھ ہوعصبہ ہوتی ہے دوسری میت کی اخت علاتی کہ انھیں دولڑکیوں کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے۔[1]

ان ابحاث وتصریحات کی روشنی میں یہ بات بالکل ظاہر ہوگئی کہ بہنوں کے عصبہ ہونے میں سفلیات کا اعتبار ہے اور شارح بسیط کا استدلال، مخالف تصریحات ائمہ ہے جس کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰، ص:۴۱۹تا۴۲۱

مختلف اقوال و روایات میں ترجیح

﴿۱﴾

چھجہ شریف ریاست بہاول پور کے سجادہ نشین جناب احمد بخش صاحب چشتی نے میراث کا ایک گنجلک مسئلہ دریافت کیا کہ اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت کی وجہ سے ترجیح ہوگی یا نہیں جیسے بنت العم اور ابن الخال؟ صاحب فتاویٰ حامدیہ نے فرمایا کہ قوت قرابت کو ترجیح نہیں اسی کو مفتی بہ قرار دیا اور فرمایا: المعتبر مافی المتون لانها موضوعة لنقل المذهب.

صاحب فتاویٰ خیریہ علامہ خیرالدین رملی علیہ الرحمۃ نے حضرت شمس الائمہ سرخسی کی اس روایت کو مفتی بہ بتایا ہے کہ اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت کو ترجیح ہے اس روایت کو بہت سے نقول سے موکد بھی کیا علامہ شامی نے بھی اسی روایت کو مرجح کہا ہے مگر مختلف کتب کے حوالے سے اس مسئلہ کو مضطرب قرار دیا ہے آپ فرماتے ہیں:

بقی ماااذا اختلفت الجهة فهل يرجح بقوة القرابة ام لا، اما على رواية انه لاترجيح لولدالعصبة على ولد ذى الرحم فقد صرحوا بانه لاترجيح ايضًا بقوة القرابة فلايرجح ولدالعمة لابوين على ولد الخال اوالخالة لاب، قالوا وانما يعتبرذٰلك فى كل فريق بخصوصه فالمدْلُونَ بقرابة الاب يعتبرفيها بينهم قوة القرابة ثم ولد العصبة اى فيقدم ولدالعمة لابوين على ولد العمة اوالعم لاب، و كذا المد لون بقرابة الام فيعتبر فيهم قوة القرابة ولاتتصور عصوبة فى قرابة الام فولد الخالة لابوين مقدم على ولد الخال لاب، واما على رواية ترجيح ولدالعصبة عنداختلاف الجهة فلم أر من ذكرانه يرجح بقوة القرابة، بل ظاهر اطلاق هذه الرواية ترجيح بنت العم لاب على ابن الخال لابوين وان كان ابن الخال اقوى منها، ومقتضى مامرعن السيد من التعليل بان ترجيح شخص بمعنى فيه اقوى من الترجيح بمعنى فى غيره يقتضى ترجيح ابن الخال فى المثال المذكور، ويؤيده ان

الترجیح بقوۃ القرابۃ اقوی من الترجیح بکون الاصل وارثا فمن قال یرجح ولدالعصبۃ علی ولد ذی الرحم یلزمہ ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانھا اقوی فتامل وراجع.اھ.

اس تفصیل کے بعد مستفتی موصوف نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ کے نزدیک روایت شمس الائمہ معتبر و مفتی بہ ہے یا روایت متون ؟ اگر شمس الائمہ سرخسی کی روایت معتبر ہے تو قوت قرابت کی ترجیح بھی ہوگی جیسا کہ یہی علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ کی رائے ہے یا قوت قرابت کی ترجیح نہ ہوگی جیسا کہ امام سرخسی کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے۔ متون کی عبارات سے اولاد صنف رابع کے لیے یہ قاعدہ سمجھ میں آتا ہے:

یرجحون بقرب الدرجۃ ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ثم یعتبر فی کل فریق علی حدۃ الترجیح بقوۃ القرابۃ ثم بولد العصبۃ.

اورامام شمس الائمہ سرخسی کے اطلاق عبارت سے یہ قاعدہ مستفاد ہوتا ہے: یرجحون بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ثم یعتبر فی کل فریق الترجیح بقوۃ القرابۃ ثم بکون الاصل وارثاً.

اور علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ کی عبارت مذکورہ سے یہ قاعدہ مستفاد ہوتا ہے:

یرجحون بقرب الدرجۃ ثم بقوۃ القرابۃ ثم بکون الاصل وارثا اتحدت الجھۃ اواختلفت ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث۔

ان تینوں مذکورہ قواعد میں سے کس قاعدہ پر عمل کیا جائے۔ دراصل مستفتی موصوف کو اس مسئلہ کی تنقیح کی حاجت اس لیے پڑی کہ وہ علم میراث کے ایک اہم رسالہ کی تصنیف میں مصروف تھے اس استفتا کے جواب کی سفارش حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ سے بھی کی گئی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز نے اس مسئلہ کا نہایت محققانہ اور واضح جواب عنایت فرمایا کہ:

"یہاں دو مسئلے ہیں: **اول** بحالت اختلاف حیز بھی ولد الوارث کو ترجیح ہے یا نہیں ؟

دوم اگر ہے تو قوت قرابت بھی مرجح ہے یا نہیں ؟

مسئلہ اولیٰ کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ لنفع البریہ پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں کو ظاہر الروایہ کہا گیا اور ترجیح متون التزامی ہے اور جانب اثبات صریح تصحیحات، تو معتمد یہ ہے کہ

ولد وارث مرجح ہے اگر چہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریہ سائل فاضل سلمہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا اس کی عبارت بتامہا عقود میں منقول ہے ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اول یعنی عدم ترجیح کو کواکب مضیہ میں ظاہر الروایہ کہا اور سراجی و صاحب ہدایہ و متن کنز و ملتقی و اکثر شروح کنز و ہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لیے ہے، علامہ حامد آفندی عالم متاخر نے اسے اختیار کیا۔(۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے مزید افادہ فرماتے ہوئے رقم فرمایا:

اقول: اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی مدرس اور نہ نے اپنی کتاب "حل المشکلات" تصنیف ۹۶۴ھ میں مشی کی۔ حیث قال بنت عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولدیۃالعصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب وفریق الام.اھ.

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجابت حسین بن عبدالواحد الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ و زبدۃ الفرائض مولوی عبدالباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اس طرف جانا ہی چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے۔ اول (مختصر الفرائض) کی عبارت یہ ہے:

وان کان واسطۃ قرابتھم مختلفۃ فثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام ولااعتبار بقوۃ القرابۃ وولدیۃ العصبۃ بینھا کما لوترك اخت الاب لاب وام واخت الام لاب لیس للاولی ترجیح علی الثانیۃ وان کانت الاولی ولدالعصبۃ وایضا لھا قوۃ القرابۃ کذا ھذا.اھ.

دوم (زبدۃ الفرائض) میں ہے: واگر ہم بدرجہ قرابت برابر باشند و در حیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اب بوند و بعض از جانب ام دریں ہنگام در ظاہر الروایہ مر قوت قرابت و ولد عصبہ را اعتبار نہ باشد پس ولد عمہ اعیانی از ولد خال یا خالہ علاتی یا اخیافی اولیٰ نبود کہ قوت قرابت ولد عمہ را اعتبار نیست و ہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یا خالہ اعیانی اولیٰ نباشد کہ ولد عصبہ را اعتبار نیست بر قیاس آں کہ عمہ اعیانی از خالہ علاتی یا اخیافی اولیٰ نہ بود باوجود آں کہ عمہ اعیانی ذو قرابتین است و ولد وارث از جہتین یعنی از جہت اب وام زیرا کہ پدر او جد صحیح است وام او جدہ صحیحہ۔ اھ۔

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰، ص:۵۰۹

(ان تمام حضرات کا) اسے ظاہر الروایہ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے، اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا۔ علامہ مدقق علائی (علامہ علاء الدین حصکفی) نے در مختار میں اسی کو مختار رکھا یوں کہ قول متن: "واذا استووافی درجة قدم ولد الوارث" میں واتحدت الجهة کی قید بڑھادی اور آگے فرمایا:

" فلواختلفت فلقرابة الاب الثلثان ولقرابة الام الثلث"

علامہ سید احمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ:"ان اختلف حيز القرابة فلا عبرة للاقوىٰ ولالولد العصبة" یوں ہی علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقی پر تقریر کی۔[1]

ان مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ورثہ میں صرف اولاد عصبہ اور دوسرے قرابت داروں کی اولاد ہوں تو اولاد عصبہ کو ترجیح نہیں ہوگی علامہ حامد آفندی نے فتاوی حامدیہ میں یہی صراحت کی ہے مذہب دوم یہ ہے کہ اولاد عصبہ کو ترجیح ہوگی علامہ خیر الدین رملی نے امام شمس الائمہ سرخسی کے اس مذہب کو اختیار فرمایا ہے۔ علامہ حامد آفندی علیہ الرحمہ نے عدم ترجیح کو یہ کہہ کر ترجیح دی کہ متون میں ایسا ہی منقول ہے اور متون کو شروح وفتاوی پر تقدم حاصل ہے۔

ان دونوں مختلف روایتوں میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ایسے محکم دلائل سے قول دوم (ترجیح اولاد عصبہ) کو راجح قرار دیا ہے جس سے انکار صرف مکابرہ ہوگا۔ سات وجوہ سے آپ نے حضرت شمس الائمہ سرخسی کی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔ سب سے پہلی وجہ یہ کہ قول اول کے تمام متون اور ہدایہ میں ہونے کا دعوی باطل ہے اس کی تفصیل انھیں کی زبان میں پیش ہے:

یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں:

فاقول: ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ وکنز میں ہے اوران دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی وسراجیہ اسی پر ہیں لہٰذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا

مگر اولاً وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہی نہیں حالاں کہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

هذا ظاهرالرواية كما فى السراجية والفرائض العثمانية لصاحب الهداية.[2]

---

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰، ص:۵۱۰-۵۰۹

(۲) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۵۱۰ (ردالمحتار، کتاب الفرائض، باب توریث ذوی الارحام، داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۷)

ثانیاً: شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی وعنایہ امام اکمل وبنایہ امام عینی وغایۃ البیان امام اتقانی ونتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہیں۔ ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔ غالبًا یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلاً اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر حذف فرمادیا تو ظاہراً غالب شروح ہدایہ کہنا خیریہ کا سبق قلم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.[1]

اور جو یہ کہا گیا کہ متون کنز وغیرہ میں قول اول عدم ترجیح کی صراحت ہے اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثالثاً: کنز کی عبارت یہ ہے: وذو رحم وهو قريب ليس بذى سهم وعصبة (الٰى ان قال) وترتيبهم كترتيب العصبات والترجيح بقرب الدرجة ثم بكون الاصل وارثا وعند اختلاف جهة القرابة فلقرابة الاب ضعف قرابة الام.اھ.[2]

علامہ شامی اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کا اطلاق اور اسی بنا پر اسے متون وشروح کی طرف نسبت کیا جانا بتاتے ہیں۔ ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ آنفاً ہے:

وهو ظاهر اطلاق المتون والشروح حيث قالوا وعند اختلاف جهة القرابة فلقرابة الاب ضعف قرابة الام فلم يفرقوا بين ولد العصبة وغيره.[3]

أقول: یہ جملہ ان دو قاعدۂ کلیہ کے بعد مذکور ہے۔ وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف واحوال ذوی الارحام کو شامل تھے، تو یہ قطعًا ان سے مقیّد ہے، ورنہ اختلاف جہت کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو، اور وہ بالاجماع باطل ہے۔

وعلی التنزّل: وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں، وہاں بھی اختلاف واتحادِ جہت سے فرق نہ فرمایا، تو یہ اطلاق اُس اطلاق سے معارض ہے۔

رابعاً: مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا، ذوی الارحام کے اقسام بیان کر کے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں:

واذا استوى وارثان فى درجة واحدة فأولاهم من ادلى بوارث واقربهم اولٰى من ابعدهم.[4]

---

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۵۱۰

(۲) کنز الدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷ ۴۴۳

(۳) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۵۱۰ (ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸-۵۰۷)

(۴) القدوری کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱۸

خامساً: اسی طرح متن تنویر میں تمام اصناف ذکر کر کے فرمایا:

واذا استووا فی درجة قدم ولد الوارث وإذا اختلفت الاصول اعتبر محمد من الاصول وقسم علیهم اثلاثا.[1]

اس نے بھی صاف کر دیا کہ بعد استواے درجہ تقدم ولدوارث کا حکم عام ہے اس کے بعد مسئلہ اختلاف جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورت وانوثت۔ یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری وکنز وتنویر نے یہاں قوت قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی کہ منظور افادہ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (حیز) سے خاص۔ هكذا ينبغى ان يفهم كلام الكرام.[2]

صاحب فتاوی حامدیہ نے قول اول کے متون میں ہونے کا دعوی کیا تھا اس لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ چھٹی وجہ میں فرماتے ہیں:

سادساً: ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر ان متون میں مسئلہ کا ذکر ہی نہیں۔ قدوری، کنز وتنویر کا حال معلوم ہوا۔ سراجیہ اگرچہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں اس کا مرتبہ فتاویٰ یا غایت درجہ شروح کا ہے جیسے منیہ واشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہرگز نہیں بلکہ فتاوی میں کما بیّناه فی فتاوانا. متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ حفظ مذہب کے لیے لکھتے ہیں جیسے مختصرات طحاوی وکرخی وقدوری۔ اور سراجیہ میں بکثرت روایات نادرہ بلکہ بعض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے، لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ حقیقةً فرائض امام احمد علاء الملة والدین سمرقندی کی شرح ہے۔ ان المصنف لما خرج من فرغانة الى بخارا وجد فيها الفرائض المنسوبة الى القاضى الامام علاء الدين السمرقندى فى ورقتين فاستحسنها واخذ فى تصنيف هذاالكتاب شرحا لها. تو نہ رہی مگر ایک ملتقی، اس میں بے شک یہ قول مصرح ہے: "حيث قال يرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة ثم بكون الاصل وارثا عنداتحادالجهة."

تو اسے مسئلۂ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی ہی پر ہیں۔

سابعاً: شروح ہدایہ کا حال (سابق میں) معلوم ہوا اور شروح کنز نے مسئلہ متن کو مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہو لیا وللہ الحمد۔

---

(۱) الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

(۲) فتاوی رضویہ: ج ۱۰ ص: ۵۱۱

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی وفتاویٰ امام تمرتاشی ومجمع الفتاویٰ وفتاویٰ خلاصہ میں ظاہر الروایہ ومذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصرو تاتارخانیہ میں اسی پر مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے: علیه الفتوی. جامع المضمرات میں ہے: هو الصحيح. معراج الدرایہ میں ہے: هو الاولٰی بالاخذ للفتوی علامہ محقق خیرالدین رملی نے اسی پر فتویٰ دیا۔

أقول: بلکہ مبسوط امام سرخسی جلد ثلاثین ص ۷ میں ہے:

اجمعنا انه لوكان احدهما ولد عصبة اوصاحب فرض كان اولى من الأخر.

اسی کے صفحہ ۵ میں ہے: من كان منهم ولد عصبة اوصاحب فرض فانه يقدم على من ليس بعصبة ولاصاحب فرض.

اسی طرح علامہ سید شریف نے زیر قول مصنف " اولٰهم بالميراث اقربهم" نقل فرمایا اور مقرر رکھا۔

پھر مبسوط امام سرخسی اس کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انھوں نے تمام کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے اس میں انھوں نے صرف اسے ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی ہے اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے نیز ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔

مبسوط کی عبارت یہ ہے: ان كان احدهما ولد عصبة اوولد صاحب فرض فعنداتحاد الجهة يقدم ولدالعصبة وصاحب الفرض وعند اختلاف الجهة لايقع الترجيح بهذا بل يعتبر المساواة فى الاتصال بالميت، بيانه فيما اذا ترك ابنة عم لاب وامٍّ اولابٍ وابنة عمة فالمال كله لابنة العم لانها ولد عصبة،، ولوترك ابنة عم و ابنة خال اوخالة فلابنة العم الثلثان ولابنة الخال اوالخالة الثلث لان الجهة مختلفة هنا فلا يترجح احدهما بكونه ولد عصبة وهذا فى رواية ابن ابى عمران عن ابى يوسف فاما فى ظاهرالمذهب ولدالعصبة اولٰى سواء اختلفت الجهة اواتحدت لان ولدالعصبة اقرب اتصالابوارث الميت فكان اقرب اتصالا بالميت.

فان قيل فعلى هذا ينبغى ان العمة تكون احق بجميع المال من الخالة لان العمة ولد العصبة وهو اب الاب، والخالة ليست بولد عصبة ولاولد صاحب فرض لانها ولد اب الام،

قلنا: لاكذٰلك فان الخالة ولد أم الام وهى صاحبة فرض فمن هذا الوجه تتحقق المساواة بينهما فى الاتصال بوارث الميت، الا ان اتصال الخالة بوارث هى امّ، فتستحق فريضة الام واتصال العمة بوارث هو اب فتستحق نصيب الاب، فلهذا كان المال بينهما اثلاثا.

بعینہ یہی مضمون تمام وکمال "تکملۂ بحر" میں ہے-الخ۔آگے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

أقول: ولايقدح فى تحقق المساواة ان العمة اذا كانت لاب وام كانت ولد الوارث من كلا الجهتين و يستحيل هذا فى الخالة لان هذا قوة القرابة ولانظراليها عنداختلاف الحيز كما صرحوابه قاطبة نعم رايتنى كتبت على هامش تكملة البحر مانصه:

أقول: لايتمشى اذاكانت الخالة اخت الام لاب.اهـ. اى فانها لاحظ لها من ولدية وارث اصلا. لايقال نصوا انها اقوى من الخالة لام فاذا مات عن خالة بالاب واخرى لام احرزت الاولى جميع المال ولاشيء للاخرى والخالة لام لاتحجبها العمة لاستوائها معها فى ولدية الوارث فاذالم تحجب الاضعف وجب ان لاتحجب الاقوى.

لانى أقول:انما قوتها قوة قرابتها فان الانتماء بالاب اقوى من الانتماء بالام وهٰذه قوة لانظر اليها عنداختلاف الجهة فتبقى ولدية العمة للوارث قوة بلامعارض فيلزم ان تحجب الخالة لاب وهو باطل فعلم ان ولدية الوارث ايضا لاتلاحظ فى الحيز المختلف.

لكنى اقول: وبالله التوفيق توريث الخالة مع العمة اثلاثا عند الفقهاء رضى الله تعالىٰ عنهم لاقامة العمة مقام العم والخالة مكان الام قال الامام شمس الائمة اعلم بان العمة بمنزلة العم عندنا والخالة بمنزلة الام، وقال اهل التنزيل العمة بمنزلة الاب و الخالة بمنزلة الام، قالوا اتفقت الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم على ان للعمة الثلثان وللخالة الثلث اذا اجتمعتا ولاوجه لذلك الا بان تجعل العمة كالاب باعتبار ان قرابتها قرابة الاب والخالة كالام باعتبار ان قرابتها قرابة الام، وجه قول علمائنا رحمهم الله تعالى ان الاصل ان الانثى متى اقيمت مقام ذكرفانها

تقوم مقام ذكر فى درجتها. والذكر الذى فى درجة العمة العم و هو الوارث فتجعل العمة بمنزلة العم، والخالة لو اقمناها مقام ذكرفى درجتها وهو الخال لم ترث مع العمة فلهذه الضرورة اقمناها مقام الام فالعمة ترث الثلثين وللخالة الثلث بهذا الطريق بمنزلة مالوترك امّا وعمّا.اھ مختصراً.

فاذاكان الامر على هذا سقط تقدم العمة لولدية العصبة فانّها قداقيمت مقام العصبة فضلا عن الولدية ولم تحجب الخالة لاقامتها مقام الام والام لاتحجب بالعم وفى هذه الحالات كلهن سواء قدرأينا ان مثل الاقامة تمنع الحجب بما هواقوى اسبابه وهو قرب درجة، الاترى ان من خلف بنتا وبنات ابن فلهن السدس تكملة للثلثين لاقامتهن مقام بنت فلم يحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وكذلك اذا مات عن بنتين وبنت ابن وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لم تحجب بنت ابن ولابنت ابن ابن لأنهما أقيمتا فى درجة الذكر كى تتعصب به فهذا هو السر فى وراثة الخالة لاب مع العمّات والله تعالى اعلم.

ثم أقول: لايذهبن عنك ان هذه الاقامة تقتصر على الذوات ولاتتعدى الى الاولاد فاولاد الخالة لايجعلون كاولادالام الاترى ان ذكورهم لايساوون اناثهم بل للذكرمثل حظ الانثيين وهذاكولدية العصبة لاتسرى من الولد الى ولد الولد كما فى ردالمحتار وغيره عن سكب الانهر وغيره فابن بنت العم لايقدم على ابن بنت ابن العمة أوالخال اوالخالة فاحفظ.

بالجملہ قول دوم پر ہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر الروایہ اور مذہب بتایا، اور تصریحات صریحہ اسی کے لیے ہیں، خصوصًا آکد تصحیحات "عليه الفتوى". تو اسی پر اعتماد واجب ہے، اور اس سے عدول ساقط وذاہب۔[1]

﴿۲﴾

وارث اپنا حق خوشی سے چھوڑ دے تب بھی شرعًا اس کا حق ساقط نہیں ہوتا یوں ہی اگر مورث نے اپنی حیات میں وارث سے حق ارث معاف کرالیا تب بھی اس کا حق زائل نہیں ہوتا اس سلسلے میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ زید کے ایک چچازاد بھائی کے علاوہ کوئی وارث نہیں اور اس چچازاد بھائی کے دو بیٹے ہیں زید نے اپنے مرض الموت میں

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۵۱۱ تا ۵۱۳

بھائی کو ایک سو چالیس روپے دے کر اپنے ترکہ سے اس کا حق معاف کرالیا اس کا بھائی ترکہ سے دست بردار ہو گیا زید نے صلح کے بعد چھ سو باسٹھ روپے کے پانچ مکان خرید کر ایک دینی مدرسے کے نام وقف کر دیا اور بقیہ مال میں یہ وصیت کی کہ اولاً اس سے حج کرایا جائے اور اگر باقی بچے تو مکان خرید کر وقف کر دیے جائیں۔ زید کی وفات کے بعد یہ وصیت و وقف نافذ ہوں گے یا نہیں؟ اور کیا مورث نے اپنی حیات میں وارث سے صلح کر لی تو وارث کا حق ساقط ہو جائے گا؟ اگر ساقط ہو جائے گا تو کیا اب چچا زاد بھائی کے بیٹوں کا حق ترکہ میں ثابت ہو گا یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں تین طرح کی روایات ہیں اول یہ کہ یہ صلح باطل ہے۔ دوم یہ کہ جائز ہے۔ سوم یہ کہ اگر وارث راضی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ باطل ہے اور اس سے وارث کا حق ساقط نہیں ہوگا، ہاں اگر مورث کی موت کے بعد ورثہ اس پر راضی ہوں تو یہ صلح صحیح ہے۔ تفصیل پیش ہے:

وارث سے اس کے حصۂ میراث کے بابت جو صلح حیات مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل و بے اثر ہے اس سے وارث کا حق ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا۔ ہاں! اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تو اب صحیح ہو جائے گی۔

أقول وبالله التوفيق: تفصيل المقام ان الروايات فى هٰذه المسئلة توجد علٰى ثلثة انحاء،

الاول البطلان وهو واضح البرهان غنى عن البيان فان الارث لاثبوت له فى حياته فكان اعتياضا عن معدوم وهوباطل وبهذا نص محررالمذهب رضى الله تعالى عنه قال فى جامع الفصولين ذكر"م"رحمه الله تعالى فى سك (اى محمد رحمه الله تعالى فى السير الكبيرالذى هومن كتب الاصول الستة) ان المريض لواعطى من اعيان ماله بعض ورثته ليكون له بحقه من الميراث بطل.اھ.

الثانى الجواز ولايظهر له وجه قال فيه عقيبه برمزجف لجامع الفتاوى جعل لاحد ابنيه دارابنصيبه على ان لايكون له بعد موت الاب ميراث قيل جاز وبه افتى بعضهم وقيل لا.اھ. ذكره فى أواخرالفصل٣٤. وقال فى فرائض الاشباه والنظائر قال الشيخ عبدالقادر فى الطبقات فى باب الهمزة فى احمد قال الجرجانى فى الخزانة قال ابوالعباس الناطفى رأيت بخط بعض مشايخنا رحمهم الله تعالى فى رجل جعل لاحد بنيه دارابنصيبه على ان لايكون له بعد موت الاب ميراث جاز و افتى به الفقيه ابوجعفر محمد بن اليمانى احد اصحاب محمد بن الشجاع البلخى

وحکی ذلك اصحاب احمد بن ابی الحارث وابوعمروالطبری.اھ.

قال فی غمز العیون یتامل فی وجه صحة ذٰلك فانه خفی .اھ.

والثالث الجواز اذا رضی به الوارث بعد ماورث قال فی جامع الرموز اعلم ان الناطفی ذکر عن بعض اشیاخه ان المریض اذاعین لواحد من الورثة شیئا کالدار علی ان لایکون له فی سائر الترکة حق یجوز وقیل هذا إذارضی ذلك الوارث به بعد موته فحینئذٍ یکون تعیین المیت کتعیین باقی الورثة معه کما فی الجواهر.اھ. ونقله فی اوائل وصایا ردالمحتار وزاد ان حکی القولین فی جامع الفصولین فقال قیل جاز و بهٖ افتی بعضهم وقیل لا.اھـ.

اس تحقیق انیق کے بعد مسئلہ دائرہ کے حکم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

یہ نفس مسئلہ صلح وارث بحیات مورث کی تحقیق تھی جس سے سائل نے علی وجہ الاطلاق سوال کیا۔ رہی یہ صورت خاصہ کہ یہاں واقع ہوئی اسے مسئلۂ صلح وتخارج سے علاقہ ہی نہیں یہاں صلح ایک سوچالیس روپے پرواقع ہوئی اور ترکہ میں روپے زائد تھے اورروپے کے حق سے کم روپوں پر تخارج قطعًا باطل ہے اگرچہ بعد موت مورث ہو۔

فی الدرالمختار فی اخراجه عن نقدین وغیرهما باحد النقدین لایصلح الا ان یکون مااعطی له اکثر من حصته من ذٰلك الجنس تحرزاعن الربا.

تو یہ تخارج ہوتا تو یقینًا باطل ہوتا مگر یہاں دوسراوارث کوئی ہے ہی نہیں، نہ کوئی موصی لہ تھا جس سے مبادلہ ٹھہرے تو یہاں صلح وتخارج ومبادلہ کو دخل ہی نہیں اس کا حاصل صرف اتناہے کہ "میراث سے میں نے اتنے روپے لے لیے باقی ترکہ سے مجھے تعلق نہیں"۔ یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ ایک مہمل وعدہ سے زائد کچھ معنی رکھتاہے تمام ترکہ میں بدستور اس کا حق باقی ہے تصرفات مذکورۂ زید بے اس کی اجازت کے ثلث سے زائد میں نافذ نہیں ہوسکتے بلکہ ان میں جو وصایا تھیں ان کی اجازت تو بحال حیات موصی مفید ہی نہیں اگرچہ وارث نے صراحۃً اس وقت کہہ دیا ہو کہ میں نے ان وصیتوں کو نافذ کیا جائز رکھا نہ اسے اُن تصرفات زید کی اجازت معتبرہ ٹھہرا سکتے ہیں جو اس گفتگو کے بعد زید سے واقع ہوئے کہ ان میں جو وصایا تھیں ان کی اجازت کا تو حیات موصی میں کوئی محل ہی نہیں۔

فی الدرالمختار لاتعتبر اجازتهم حال حیاته اصلا بل بعد وفاته.اھ.فی ردالمحتارای لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عندالموت فکان لهم ان یردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق وتمامه فی المنح.

البتہ وہ وقف کہ اس نے اپنے مرض میں فی الحال کر دیا اگر وارث سے حیات مورث ہی میں اس کی اجازت پائی گئی جب بھی نافذ و تام ہو گیا کہ بعد موتِ مورث اب وارث اسے رد نہیں کر سکتا۔

فی ردالمحتار من البزازیة تعتبر الاجازة بعد الموت لاقبله هذا فی الوصیة اما فی التصرفات المفیدة لاحکامها کالاعتاق وغیره اذا صدر فی مرض الموت و اجازه الوارث قبل الموت لارواية فيه عن اصحابنا قال الامام علاء الدین السمرقندی اعتق المریض عبده ورضی به الورثة قبل الموت لایسعی العبد فی شيءوقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا عن الجارح یصح ولایملك المطالبة بعد موت المجروح .اھ.

اور یہیں سے واضح ہوا کہ صورت کچھ واقع ہوئی ہو بھتیجوں کو اصلاً کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اگر وارث یعنی بھائی نے اس وقف کو بحال حیات مورِث خواہ بعد وفات مورث اور وصایا کو خاص بعد وفات جائز کیا، جب تو ایک سو چالیس ۱۴۰ روپے کے سوا باقی مال حسب تصرفات مورث وقف و وصیت میں آگیا اور اگر ناجائز کیا تو ثلث وقف و وصیت کے لیے رہا دو ثلث بھائی کا حق ہوا بھتیجے کسی مال میں حصہ نہیں پاسکتے، وھذا ظاھر جِدًّا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم. (۱)

﴿۳﴾

ایک سوال یہ ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دادا کی موجودگی میں بھائی بہن محروم ہوتے ہیں اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سگے، سوتیلے بہن بھائیوں کو دادا کی موجودگی میں ترکہ دلاتے ہیں۔ شریفیہ میں فرمایا کہ مفتی کو اختیار ہے جیسا موقع دیکھے فتویٰ دے۔ اس موقع کی کیا صورت ہے؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس کا محققانہ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

مفتی بہ امام ہی کا قول ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ مفتی اسی پر فتوی دے، متون نے قول امام ہی اخذ کیا اور عامہ ائمۂ فتوی نے اسی پر فتوی دیا صرف مبسوط شمس الائمہ سرخسی سے قول صاحبین پر فتوی منقول ہوا اور زاہدی نے مجتبی میں کہ تصنیف و مصنف دونوں نامعتبر ہیں اور مصنف سراجیہ نے اپنی شرح میں اس کا اتباع کیا تو فتوی احق واقویٰ قول امام ہی پر ہے۔

صاحب شریفیہ نے بیان لحاظ موقع نہ لکھا نہ اور کسی معتمد کے کلام سے یہاں ایسا خیال میں ہے کہ مفتی جیسا موقع دیکھے فتویٰ دے بلکہ صاحب شریفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس پر بنائے کار کی ہے کہ جب امام ایک

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۴۲۴، ۴۲۵ کتاب الفرائض

طرف اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے جس طرف چاہے فتویٰ دے مگر تحقیق یہ کہ یہ صرف اس مفتی کے لیے ہے کہ منصب اجتہاد رکھتا ہو، مفتی مقلد پر لازم ہے کہ ہمیشہ قول امام پر فتویٰ دے مگر یہ کہ ائمۂ فتویٰ نے اس کے خلاف پر اختلاف کیا ہو، کما فی البحر الرائق وتنویر الابصار والفتاوی الخیریۃ والدرالمختار وغیرھا من معتمدات الاسفار تو یہاں موقع کی بحث ہی فضول ہے نہ یہاں اختلاف موقع کی کوئی وجہ چنداں معقول ہے۔

پھر اختلاف روایت میں تطبیق کی صورت ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ہاں! کہہ سکتے ہیں **اوّلاً** اگر دادا مفلس اور بھائی غنی ہوں تو قول امام پر فتویٰ اولیٰ ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

ثانیاً بھائیوں میں کوئی فاسق و مُسرف ہو کہ اسے مال دینا فسق پر اعانت کرنا ہے اور دادا صالح تو قول امام پر فتویٰ اولیٰ ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

ثالثاً اگر دادا اپنا حصہ لے کر امور خیر واشاعت علم دین میں وقف کر دینا چاہتا ہے نہ بھائی تو قول امام پر فتویٰ اولیٰ ہے کہ نفع دین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

رابعاً جد جواد وسخی ہے اور اس کا مال اکثر امور خیر میں صرف ہوتا ہے اور بھائی ایسے نہیں تو قول امام پر فتویٰ اولیٰ ہے کہ نفع مساکین مسلمین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ مگر ان میں کوئی وجہ ایسی نہیں کہ مذہب مفتی بہ سے عدول چاہے عمل ہمیشہ اسی پر ہے جو مذہب مفتی بہ ہو[1]

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص:۴۶۸ کتاب الفرائض

مختلف روایات میں تطبیق

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اللہ کا واسطہ دے کر روٹی کپڑا مناکحت اور روپیہ مانگنے والے کے متعلق سوال ہوا۔ سوال کے اختتامیہ میں سائل نے یہ غیر ضروری اور لایعنی باتیں بھی تحریر کردیں کہ "یہ سوالات خالصاً لوجہ اللہ ہیں اس میں رورعایت کسی کی نہ پائی جاوے جو شرع شریف کا حکم ہو وہ بیان فرمائیے"۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر مانگنے کے سلسلہ میں مختلف حکم کی چار حدیثیں ذکر کیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ملعون من سأل بوجه الله وملعون من سئل بوجه الله ثم منع سائله مالم يسأل هجرا، رواه الطبرانی فی المعجم الكبير عن ابی موسى الاشعری رضی الله تعالی عنه بسند صحيح. جو اللہ کا واسطہ دے کر مانگے وہ ملعون ہے اور جس سے اللہ کا واسطہ دے کر مانگا جائے اور نہ دے وہ بھی ملعون ہے جب کہ سائل نے بے جا سوال نہ کیا ہو، اس حدیث کی روایت طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے صحیح سند کے ساتھ کی۔

(۲) من سأل بالله فاعطی كتب له سبعون حسنة، رواه البيهقی فی شعب الايمان عن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما بسندصحيح.

جس سے خدا کا واسطہ دے کر کچھ مانگا جائے اور وہ دے دے تو اس کے لیے ستر نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

(۳) نبی کریم ﷺ نے فرمایا :من سألكم بالله فاعطوه وان شئتم فدعوه.رواه الامام الحكيم الترمذی فی النوادر عن معاذ بن جبل رضی الله تعالی عنه.

جو تم سے خدا کا واسطہ دے کر مانگے اسے دو اور اگر چاہو تو نہ دو۔

(۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لايسأل بوجه الله الاالجنّة. رواه ابوداؤد والضياء عن جابر رضی الله تعالی عنه بسند صحيح.

اللہ کے واسطے سے جنت کے علاوہ کچھ نہ مانگا جائے۔

علماے کرام نے بعد توفیق و تطبیق احادیث یہ حکم منقح فرمایا کہ اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر سوا اخروی دینی شے کے کچھ نہ مانگا جائے اور مانگنے والا اگر خدا کا واسطہ دے کر مانگے اور دینے والے کا اس شے کے دینے میں کوئی حرج دینی یا دنیوی نہ ہو تو مستحب و مؤکد دینا ہے ورنہ نہ دے بلکہ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو خدا کا واسطہ دے کر مانگے مجھے یہ خوش آتا ہے کہ اسے کچھ نہ دیا جائے یعنی تاکہ یہ عادت چھوڑ دے، اس تفصیل سے سب سوالات کا جواب واضح ہوگیا۔ جو خدا کا واسطہ دے کر بیٹی مانگے اور اس سے مناکحت کسی دینی یا دنیوی مصلحت کے خلاف ہے یا دوسرا اس سے بہتر ہے تو ہرگز نہ مانا جائے کہ دختر کے لیے صلاح و اصلح کا لحاظ اس بے باک سے اہم و اعظم ہے اور روپیہ پیسہ دینے میں اپنی وسعت و حالت اور سائل کی کیفیت و حاجت پر نظر درکار ہے اگر یہ سائل قوی، تن درست، گدائی کا پیشہ ور، جوگیوں کی طرح ہے تو ہرگز ایک پیسہ نہ دے کہ اسے سوال حرام اور اسے دینا حرام پر اعانت کرنا ہے دینے والا گنہ گار ہوگا اور اگر صاحب حاجت ہے اور جس سے مانگا اس کا عزیز و قریب بھی حاجت مند ہے اور اس کے پاس اتنا نہیں کہ دونوں کی مواسات کرے تو اقربا کی تقدیم لازم ہے ورنہ بقدر طاقت و وسعت ضرور دے اور روگردانی نہ کرے۔

اس سوال کا تنقیحی جواب دینے کے بعد اعلیٰ حضرت کا مصلحانہ کلام ملاحظہ فرمائیں۔ سائل نے استفتا کے اخیر میں لکھا تھا یہ سوالات خالصاً لوجہ اللہ ہیں اس میں رورعایت کسی کی نہ پائی جاوے جو شرع شریف کا حکم ہو وہ بیان فرمائیے۔

اعلیٰ حضرت جواب مکمل کر لینے کے بعد فرماتے ہیں:

یہ سوالات کا جواب تھا اور اتنی بات اور گزارش ہے کہ بے ادب سائل ہونا نہ چاہیے، سوال کیا جائے علماے کرام سے کہ کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین، اور آخر میں یہ ہدایت کی جائے کہ رورعایت کسی کی نہ پائی جائے، یہ کھلی دریدہ دہنی ہے، علماے دین و مفتیان شرع متین کو کسی کی رُورعایت سے کیا تعلق، جو احکام الٰہیہ ہیں بتاتے ہیں جو کسی کی رُورعایت سے معاذاللہ قصداً غلط حکم بتائیں وہ علماے دین کب ہوئے نائبان شیطان ہوئے، عوام پر علماے دین کا ادب باپ سے زیادہ فرض ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ثلٰثة لایستخف بحقّهم الاالمنافق بَيِّنُ النفاق ذوالشيبة فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخير.

تین شخص ہیں جن کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر منافق کھلا منافق ازاں جملہ ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم کہ مسلمانوں کو نیک بات بتائے، تیسرا بادشاہ مسلمان عادل۔ رواہ ابوالشیخ فی التوبیخ عن جابر والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابی امامة رضی اللہ تعالی عنهما.

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس میں اپنی عاجزی، انکساری جو ظاہر کی ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے فرماتے ہیں:

پہلے بھی ایک سوال میں یہ تنبیہ وتوبیخ کے کلمات اس سائل نے لکھے تھے اس پر چشم پوشی کی گئی اب یہ دوسری بار ہے لہٰذا اطلاع دی گئی سائل کو اگران الفاظ کے لکھنے کی ضرورت ہے ہی تو شروع سوال میں ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین'' مطلق نہ لکھا کرے، جس سے توہین علما پیدا ہو بلکہ خاص اس فقیر کا نام لکھ کر اخیر میں جیسے الفاظ چاہے لکھے۔ واللہ الہادی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنہ وتعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم.[1]

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۹۲ رضا اکیڈمی ممبئی

کثیر جزئیات سے استدلال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوی گہرائی وگیرائی کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہوتے ہیں یوں ہی حوالہ جات کی کثرت اور وسعت مطالعہ کے لحاظ سے ان کا کوئی ثانی نہیں خاص کر فرق ضالہ کے تعاقب میں آپ کے قلم کی جولانی قابل دید ہوتی ہے۔

(۱)

میراث کے سلسلے میں ایک سوال ہوا کہ ایک بی بی سیدہ سنی المذہب کا انتقال ہوا ان کے بعض بنی عم رافضی تبرائی ہیں وہ عصبہ بن کر ورثہ سے ترکہ لینا چاہتے ہیں حالاں کہ روافض عصوبت کو تسلیم نہیں کرتے اس صورت میں وہ مستحق وراثت ہوں گے یا نہیں؟

رافضی تبرائی شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اس کے سبب علمائے کرام نے ان پر حکم کفر لگایا ہے اور موانع ارث میں سے ایک مانع اختلاف دین بھی ہے یعنی کوئی کافر کسی مسلم کا وارث نہیں بن سکتا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے بیسیوں کتب معتبرہ کے معتمد جزئیات سے ان پر حکم کفر کا ثبوت اور صورت مذکورہ میں وراثت سے محرومی کی دلیلیں پیش کی ہیں۔

سب سے پہلے اس جواب کا خطبہ ملاحظہ ہو پھر جواب کے اقتباسات:

الحمد لله الذی هداناوكفانا،وآوانا،وعن الرفض والخروج،وكل بلاء نجانا، والصلوة والسلام علی سیدناومولانا،وملجاناوماوانا،محمدوآله وصحبه الاولین ایمانا،والاحسنین احسانا، والاكملین ایقاناً.

رافضی سیدہ سنّیہ کے ترکہ کے حق دار نہیں اگرچہ حقیقی بھائی یا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور اگرچہ وہ عصوبت کا انکار نہ کرتے ہوں کیوں کہ ان کی محرومی اختلاف دین کی وجہ سے ہے۔ وہ کافر ہیں اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، مذہب حنفی کی معتبر تصریحات اور عامہ ائمہ کی ترجیح وفتاوے کے مطابق وہ مطلقًا کافر ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے مطبع اور صفحہ وجلد کی صراحت کے ساتھ کتب فقہ کے روشن جزئیات کے انبار لگادیے ہیں ان میں سے چند عبارتیں پیش ہیں:

در مختار مطبوعہ مطبع ہاشمی صفحہ ۶۴ میں ہے:

إن انکر بعض ما علم من الدین ضرورة کفر بها کقوله ان الله تعالی جسم کالاجسام وانکاره صحبةالصدیق.

اگر ضروریاتِ دین سے کسی چیز کا منکر ہو تو کافر ہے مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے مانند جسم ہے یا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا۔

طحطاوی حاشیہ در مختار مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۴۴ میں ہے: وکذاخلافته. ایسے ہی ان کی خلافت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔

فتاویٰ خلاصہ، کتاب الصلوۃ فصل ۱۵/ اور خزانۃ المفتین، کتاب الصلوۃ فصل فی من یصح الاقتداء به ومن لا یصح میں ہے:

الرافضی ان فضل علیا علی غیره فهومبتدع ولوانکرخلافة الصدیق رضی الله تعالی عنه فهوکافر.

رافضی اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل جانے تو بدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبع مصر جلد اول ص ۲۴۸/ اور حاشیہ تبیین للعلامہ احمد الشلبی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے:

فی الروافض من فضل علیاعلی الثلاثة فمبتدع وان انکرخلافة الصدیق اوعمررضی الله تعالی عنهما فهوکافر.

رافضیوں میں جو شخص مولیٰ علی کو خلفاے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل کہے گمراہ ہے اور اگر صدیق یا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کا انکار کرے تو کافر ہے۔

وجیز امام کردری مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۱۸ میں ہے:

من انکرخلا فة ابی بکر رضی الله تعالی عنه فهو کافرفی الصحیح ومن

انکر خلافة عمر رضی اللہ تعالی عنه فھو کافر فی الاصح۔

خلافتِ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر کافر ہے، یہی صحیح ہے، اور خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے، یہی صحیح تر ہے۔

تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۴ میں ہے:

قال المرغینانی تجوزالصلوة خلف صاحب ھوی و بدعة ولا تجوز خلف الرافضی والجھمی و القدری والمشبھة ومن یقول بخلق القراٰن، حاصله ان کان ھوی لا یکفر به صاحبه تجوز مع الکراھة والا فلا.

امام مرغینانی نے فرمایا بد مذہب بدعتی کے پیچھے نماز ادا ہوجائے گی اور رافضی، جہمی، قدری، تشبیہی کے پیچھے ہوگی ہی نہیں، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اُس بدمذہبی کے باعث وُہ کافر نہ ہو تو نماز اُس کے پیچھے کراہت کے ساتھ ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

فتاوی عالمگیری جلد ۳ صفحہ ۲۶۴ / اور بزازیہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ / اور الاشباہ قلمی فن ثانی کتاب السیر اور اتحاف الابصار والبصائر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۷ اور فتاوی انقرویہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۵ / اور واقعات المفتین مطبوعہ مصر ص ۱۳ سب میں فتاویٰ خلاصہ سے ہے:

الرافضی ان کان یسب الشیخین و یلعنھما والعیاذ باللہ تعالی فھو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللہ تعالی وجھه علیھما فھو مبتدع.

رافضی تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معاذ اللہ بُرا کہے کافر ہے، اور اگر مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتائے تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔

اُسی کے صفحہ مذکورہ اور برجندی شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۴ ص ۲۱ میں فتاویٰ ظہیریہ سے ہے:

من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنه فھو کافر وعلی قول بعضھم ھو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انه کافر و کذٰلك من انکر خلافة عمر رضی اللہ تعالی عنه فی اصح الاقوال.

امامت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر کافر ہے، اور بعض نے کہا بد مذہب ہے کافر نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ وُہ کافر ہے، اسی طرح خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی صحیح تر قول پر کافر ہے۔

بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۱۳۱ میں ہے:

یکفر بانکارہ امامۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الا صح کا نکارہ خلافۃ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الاصح.

اصح یہ ہے کہ ابو بکر یا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی امامت و خلافت کا منکر کافر ہے۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مطبوعہ قسطنطینیہ جلد اول ص ۱۰۵ میں ہے:

الرافضی ان فضل علیا فھو مبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر.

رافضی اگر صرف تفضیلیہ ہو تو بدمذہب ہے اور اگر خلافتِ صدیق کا منکر ہو تو کافر ہے۔

اُسی کے صفحہ ۶۳۱ میں ہے:

یکفر بانکارہ صحبۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ وبانکارہ امامتہ علی الاصح وبانکارہ صحبۃ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الاصح.

جو شخص ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا منکر ہو کافر ہے۔ یُوں ہی جو اُن کے امامِ برحق ہونے کا انکار کرے مذہب اصح میں کافر ہے، یوں ہی عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا انکار قول اصح پر کفر ہے۔

غنیہ شرح منیہ مطبوعہ قسطنطینیہ ص ۵۱۴ میں ہے:

المرادبالمبتدع من یعتقدشیئا علی خلاف مایعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذالم یکن ما یعتقدہ یؤدی الی الکفر عنداھل السنۃ اما لوکان مؤدیا الی الکفر فلا یجوزاصلا کالغلاۃ من الروافض الذین ید عون الالوھیۃ لعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ اوأن النبوۃ کانت لہ فغلط جبریل و نحو ذٰلک مما ھو کفر وکذا من یقذف الصدیقۃ او ینکر صحبۃ الصدیق اوخلافتہ او یسب الشیخین.

بد مذہب سے وُہ مراد ہے جو کسی بات کا اہل سنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو، اور اس کی اقتدا کراہت کے ساتھ اُسی حال میں جائز ہے جب اُس کا عقیدہ اہل سنت کے نزدیک کفر تک نہ پہنچا تا ہو، اگر کفر تک پہنچائے تو اصلاً جائز نہیں، جیسے غالی رافضی کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خدا کہتے ہیں، یا یہ کہ نبوت ان کے لیے تھی جبریل نے غلطی کی۔ اور اسی قسم کی اور باتیں کہ کفر ہیں، اور یوں ہی جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو معاذ اللہ

اس تہمت ملعونہ کی طرف نسبت کرے یا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت یا خلافت کا انکار کرے یا شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہے۔

کفایہ شرح ہدایہ مطبع بمبئی جلد اول اور مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق مطبع احمدی ص ۳۲ میں ہے:

ان کان هواه یکفر اهله کالجهمی و القدری الذی قال بخلق القراٰن والرافضی الغالی الذی ینکر خلافة ابی بکر رضی اللہ تعالی عنه لا تجوز الصلوة خلفه.

بدمذہبی اگر کافر کردے جیسے جہمی اور قدری کہ قرآن کو مخلوق کہے، اور رافضی غالی کہ خلافت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار کرے اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

شرح کنز للملا مسکین مطبع مصر جلد اول ص ۲۰۸ علی ہامش فتح المعین میں ہے:

فی الخلاصة یصح الاقتداء باهل الاهواء الاالجهمیة والجبریة والقدریة والرافضی الغالی ومن یقول بخلق القراٰن والمشبهة، وجملته ان من کان من اهل قبلتنا ولم یغل فی هواه حتی لم یحکم بکونه کافراتجوزالصلوة خلفه وتکره واراد بالرافضی الغالی الذی ینکر خلافة ابی بکر رضی اللہ تعالی عنه.

خلاصہ میں ہے بدمذہبوں کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے سوائے جہمیہ وجبریہ وقدریہ ورافضی غالی وقائل خلق قرآن ومشبہہ کے اور حاصل یہ کہ اہل قبلہ سے جو اپنی بدمذہبی میں غالی نہ ہو یہاں تک کہ اُسے کافر نہ کہا جائے اُس کے پیچھے نماز بکراہت جائز ہے۔ اور رافضی غالی سے وہ مراد ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا منکر ہو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح مطبع مصر ۱۹۸ میں ہے:

ان انکر خلافة الصدیق کفر و ألحق فی الفتح عمر بالصدیق فی هذا الحکم وألحق فی البرهان عثمان بهما ایضا ولا تجوز الصلوة خلف منکر المسح علی الخفین او صحبة الصدیق ومن یسب الشیخین اویقذف الصدیقة ولاخلف من انکر بعض ماعلم من الدین ضرورة لکفره ولا یلتفت الی تاو یله و اجتهاده.

یعنی خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر کافر ہے اور فتح القدیر میں فرمایا کہ خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے، اور برہان شرح مواہب الرحمن میں فرمایا خلافت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی کافر ہے اور نماز اس کے پیچھے جائز نہیں جو مسحِ موزہ یا صحابیتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو یا شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہے یا صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت رکھے، اور نہ اس کے پیچھے

جو ضروریات دین سے کسی شے کا منکر ہو کہ وہ کافر ہے اور اُس کی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا نہ اس جانب کہ اس نے رائے کی غلطی سے ایسا کہا۔

تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للعلامۃ الشرنبلالی قلمی کتاب السیر میں ہے:

الرافضی إذا سب ابا بکر و عمر رضی اللہ تعالی عنهما ولعنهما یکون کافرا وإن فضل علیهما علیالا یکفر و هو مبتدع.

رافضی اگر شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہے یا اُن پر تبرا بکے کافر ہو جائے، اور اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو اُن سے افضل کہے کافر نہیں گمراہ بدمذہب ہے۔

اسی میں وہیں ہے:

من انکر خلافة ابی بکرالصدیق فهو کافر فی الصحیح وکذامنکر خلافة ابی حفص عمربن الخطاب رضی اللہ تعالی عنه فی الاظهر.

خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر مذہب صحیح پر کافر ہے، اور ایسا ہی قولِ اظہر میں خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر بھی۔[1]

فتوی علامہ نوح آفندی، پھر مجموعہ شیخ الاسلام عبید اللہ آفندی، پھر مغنی المستفتی عن سوال المفتی، پھر عقود الدریہ مطبع مصر جلد اول ص ۹۲، ۹۳ میں ہے:

الروافض کفرة جمعوا بین اصناف الکفر منها انهم یسبون الشیخین سوداللہ وجوههم فی الدارین فمن اتصف بواحد من هذه الامور فهو کافر.اھ ملتقطا.

رافضی کافر ہیں طرح طرح کے کفروں کے مجمع ہیں ازاں جملہ خلافت شیخین کا انکار کرتے ہیں ازاں جملہ شیخین کو بُرا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں رافضیوں کا منہ کالا کرے۔ جو ان میں کسی بات سے متّصف ہو کافر ہے۔

انھیں (کتب) میں ہے:

أما سب الشیخین رضی اللہ تعالی عنهما فانه کسَبِّ النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم وقال الصدر الشهیدمن سب الشیخین اولعنهما یکفر.اھ.

شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہنا ایسا ہے جیسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنا، اور امام صدر شہید نے فرمایا: جو شیخین کو بُرا کہے یا تبرا بکے کافر ہے۔

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۵۱۶-۵۱۸ رسالہ ردّ الرفضہ

عقود الدریہ میں بعد نقل فتویٰ مذکورہ ہے:

وقد اکثر مشایخ الاسلام من علماء الدولة العثمانیة لازالت مؤیدة بالنصرة العلیة فی الافتاء فی شان الشیعة المذکورین وقد اشبع الکلام فی ذٰلك کثیر منهم وألّفوا فیه الرسائل وممن افتی بنحوذٰلك فیهم المحقق المفسر ابو السعود اٰفندی العمادی و نقل عبارته العلامة الکواکبی الحلبی فی شرحه علی منظومته الفقهیة المسماة بالفرائد السنیة.

علماے دولتِ عثمانیہ کہ ہمیشہ نصرت الٰہی سے مؤید رہے، اُن سے جو اکابر شیخ الاسلام ہوئے انھوں نے شیعہ کے باب میں کثرت سے فتوے دیے، بہت نے طویل بیان لکھے اور اس بارے میں رسالے تصنیف کیے، اور انھیں میں سے جنھوں نے روافض کے کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا محقق مفسر ابو سعود آفندی عمادی (سردار مفتیان دولت علیہ عثمانیہ) ہیں اور اُن کی عبارت علامہ کواکبی حلبی نے اپنے منظومہ فقہیہ مسمّی بہ فرائد سنیہ کی شرح میں نقل کی۔

اشباہ قلمی فن ثانی باب الردّۃ اور اتحاف ص ۱۸۷/ اور انقروی جلد اول ص ۲۵/ اور واقعات المفتین ص ۱۳/ سب میں مناقب کردری سے ہے:

یکفر اذا انکر خلافتهما او یبغضهما لمحبة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لهما.

جو خلافت شیخین کا انکار کرے یا اُن سے بغض رکھے کافر ہے کہ وُہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔[1]

پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تنویر الابصار، الاشباہ والنظائر، فتاوی خیریہ، اتحاف الابصار والبصائر، در مختار، بحر الرائق، جوہرہ نیرہ، فتاوی ابو اللیث کے معتدبہ جزئیات سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ رافضی تبرائی ایسے کافر ہیں جن کی توبہ مقبول نہیں۔

در مختار، تبیین الحقائق، فتاوی عالم گیری، فتاوی ظہیریہ، خزانۃ المفتین کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ کفر وارتداد مانع ارث ہیں اس لیے روافض مسلمان کے وارث نہیں ہوں گے۔

اور پھر در مختار، ہدایہ، فتاوی عالم گیری، ملتقی الابحر، مجمع الانہر، حدیقہ ندیہ، طریقہ محمدیہ، برجندی شرح نقایہ کی عبارات سے یہ ثابت فرمایا کہ رافضی صرف کافر ہی نہیں بلکہ بدتر کافر یعنی مرتد ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے روافض کے دو اور صریح کفر بیان کیے ہیں ایک قرآن مقدس میں نقص و تبدیل کا عقیدہ، دوسرا حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو انبیاے کرام پر فضیلت دینے کا عقیدہ۔ پہلے کفر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

---

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۵۲۰ کتاب الفرائض

کفراول: قرآن عظیم کو ناقص بتاتے ہیں، کوئی کہتا ہے اُس میں سے کچھ سُورتیں امیر المومنین عثمان غنی ذوالنورین یا دیگر صحابہ یا اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گھٹا دیں، کوئی کہتا ہے اُس میں سے کچھ لفظ بدل دیے، کوئی کہتا ہے یہ نقص و تبدیل اگرچہ یقیناً ثابت نہیں محتمل ضرور ہے اور جو شخص قرآن مجید میں زیادت یا نقص یا تبدیل کسی طرح کے تصرفِ بشری کا دخل مانے یا اُسے محتمل جانے بالاجماع کافر مرتد ہے کہ صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب کر رہا ہے۔

اللہ عزوجل سورہ حجر میں فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

بے شک ہم نے اتارا یہ قرآن اور بے شک بالیقین ہم خود اس کے نگہ بان ہیں۔[1]

بیضاوی شریف مطبع لکھنؤ صفحہ ۴۲۸ میں ہے:

لحٰفظون ای من التحریف والزیادة والنقص. (تبدیل و تحریف اور کمی بیشی سے حفاظت کرنے والے ہیں)

جلالین شریف میں ہے: لحٰفظون من التبدیل والتحریف والزیادة والنقص.

یعنی حق تعالیٰ فرماتا ہے ہم خود اُس کے نگہ بان ہیں اس سے کہ کوئی اُسے بدل دے یا اُلٹ پلٹ کر دے یا کچھ بڑھا دے یا گھٹا دے۔

جمل مطبع مصر جلد ۳ ص ۵۶۱ میں ہے:

بخلاف سائرالکتب المنزلة فقد دخل فیها التحریف والتبدیل بخلاف القران فانه محفوظ عن ذلك لا یقدر احد من جمیع الخلق الانس و الجن ان یزید فیه او ینقص منه حرفا واحدا او کلمة واحدة.

یعنی بخلاف اور کُتب آسمانی کے کہ اُن میں تحریف و تبدیل نے دخل پایا۔ اور قرآن اس سے محفوظ ہے، تمام مخلوق جن وانس کسی کی جان نہیں کہ اُس میں ایک لفظ یا ایک حرف بڑھا دیں یا کم کر دیں۔[2]

اللہ تعالیٰ سورۂ حٰم السجدہ میں فرماتا ہے:

وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ۔

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۵۲۲

(۲) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۵۲۲

بے شک یہ قرآن شریف معزز کتاب ہے باطل کو اس کی طرف اصلاً راہ نہیں، نہ سامنے سے نہ پیچھے سے یہ اتارا ہُوا ہے حکمت والے سراہے ہُوئے کا۔

تفسیر معالم التنزیل شریف مطبوعہ بمبئی جلد ۴ ص ۳۵ میں ہے:

قال قتادة والسدی الباطل هو الشیطان لا یستطیع ان یغیر او یزید فیه او ینقص منه قال الزجاج معناه انه محفوظ من ان ینقص منه فیأ تیه الباطل من بین یدیه او یزاد فیه فیأتیه الباطل من خلفه وعلی هذا المعنی الباطل الزیادة والنقصان.

یعنی قتادہ و سُدی مفسرین نے کہا باطل کہ شیطان ہے قرآن میں کُچھ گھٹا بڑھا بدل نہیں سکتا۔ زجاج نے کہا باطل کہ زیادت ونقصان ہیں قرآن ان سے محفوظ ہے، کچھ کم ہو جائے تو باطل سامنے سے آئے بڑھ جائے تو پس پشت سے۔ اور یہ کتاب ہر طرح باطل سے محفوظ ہے۔

کشف الاسرار امام اجل شیخ عبد العزیز بخاری شرح اصول امام ہمام فخر الاسلام بزدوی مطبوع قسطنطنیہ جلد ۳ ص ۸۸ و ۸۹ میں ہے:

کان نسخ التلاوة والحکم جمیعا جائزا فی حیاة النبی صلی الله تعالی علیه وسلم فاما بعد وفاته فلا یجوز قال بعض الرافضة والملحدة ممن یتستّرباظهار الاسلام وهو قاصد الی افساده ، هذا جائز بعد وفاته ایضاو زعموا ان فی القرآن کانت آیات فی امامة علی وفی فضائل اهل البیت فکتمهاالصحابة فلم تبق باندراس زمانهم ، والدلیل علی بطلان هذا القول قوله تعالی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ،کذافی اصول الفقه لشمس الائمة.اھ. ملتقطا.

قرآن عظیم سے کسی چیز کی تلاوت و حکم دونوں کا منسوخ ہونا زمانۂ نبوی ﷺ میں جائز تھا، بعد وفات اقدس ممکن نہیں، بعض وہ لوگ کہ رافضی اور نرے زندیق ہیں بظاہر مسلمانی کا نام لے کر اپنا پردہ ڈھانکتے ہیں اور حقیقۃً انھیں اسلام کو تباہ کرنا مقصود ہے، وُہ کہتے ہیں کہ یہ بعد وفات والا بھی ممکن ہے، وُہ بکتے ہیں کہ قرآن میں کچھ آیتیں امامتِ مولا علی اور فضائل اہل بیت میں تھیں کہ صحابہ نے چھپا ڈالیں جب وُہ زمانہ مٹ گیا باقی نہ رہیں اور اس قول کے بطلان پر دلیل خود قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ بے شک ہم نے اتارا یہ قرآن اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ ایسا ہی امام شمس الائمہ کی کتاب اصول الفقہ میں ہے۔

روافض کاایک کفر تو یہ ہے کہ وہ قرآن مقدس کو نقص و تحریف سے غیر محفوظ مانتے ہیں اوران کا **دوسرا صریح کفر** یہ ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو جملہ صحابہ وانبیاے کرام سے افضل مانتے ہیں اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل مانے وہ بالاجماع کافر ہے اس کے تحت مندرجہ ذیل جزئیات پیش کیے ہیں۔

شفا شریف صفحہ ۳۶۵ میں انہی اجماعی کفروں کے بیان میں ہے:

وكذٰ لك نقطع بتكفير غلاة الرافضة فی قولهم ان الائمة افضل من الانبياء.

یعنی اسی طرح ہم بالیقین کافر جانتے ہیں اُن غالی رافضیوں کو جو ائمہ کو انبیا سے افضل بتاتے ہیں۔

امام اجل نووی کتاب الروضہ پھر امام ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام مطبع مصر صفحہ ۴۴ میں کلامِ شفا نقل فرماتے اور مقرر رکھتے ہیں، ملاعلی قاری شرح شفا مطبوعہ قسطنطینیہ جلد ۲ صفحہ ۵۲۶ میں فرماتے ہیں:

هذا كفر صريح یہ کُھلا کفر ہے۔

منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر مطبع حنفی ص ۱۴۶ میں ہے:

ما نقل عن بعض الكرامية من جواز كون الولی افضل من النبی كفر و ضلالة والحاد وجهالة.

وہ جو بعض کرامیہ سے منقول ہوا کہ جائز ہے کہ ولی نبی سے مرتبے میں بڑھ جائے یہ کفر وضلالت و بے دینی وجہالت ہے۔

شرح مقاصد مطبوع قسطنطنیہ جلد ۲ ص ۳۰۵ اور طریقہ محمدیہ علامہ برکوی قلمی آخر فصل اول باب ثانی میں ہے:

واللفظ لها ان الا جماع منعقد علی ان الانبياء افضل من الاولياء.
بے شک مسلمانوں کا اجماع قائم ہے اس پر کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اولیاے عظام سے افضل ہیں۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبع مصر جلد اول ص ۲۱۵ میں ہے:

التفضيل علی نبی تفضيل علی كل نبی.اھ.

کسی کو ایک نبی سے افضل کہنا تمام انبیا سے افضل بتانا ہے۔

شرح عقائد نسفی مطبع قدیم ص ۶۵ پھر طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ ص ۲۱۵ میں ہے: واللفظ لهما.

(تفضیل الولی علی النبی) مرسلا کان أو لا (کفر و ضلال کیف و ھو تحقیرالنبی) بالنسبة الی الولی (وخرق للاجماع) حیث اجمع المسلمون علی فضیلة النبی علی الولی .اھ باختصار.

ولی کو کسی نبی سے خواہ وہ نبی مرسل ہو یا غیر مرسل افضل بتانا کفر و ضلال ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس میں ولی کے مقابل نبی کی تحقیر اور اجماع کا رَد ہے کہ ولی سے نبی کے افضل ہونے پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۷۸ میں ہے:

النبی افضل من الولی وھو امر مقطوع به والقائل بخلافه کافر لانه معلوم من الشرع بالضرورة.

نبی ولی سے افضل ہے اور یہ امر یقینی ہے اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے کہ یہ ضروریات دین سے ہے۔

﴿۲﴾

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی قوّت استناد کا یہ حال ہے کہ ایک مسئلہ کے اثبات میں کثیر جزئیات پیش کر دیتے ہیں اسی طرح کتب فقہ کے کثیر جزئیات سے درج ذیل سوال کے جواب میں استناد کیا ہے۔

سوال یہ ہوا کہ ہری سنگھ چودھری کا قرضہ رحیم الدین پر تھا دونوں مر گئے اور کوئی وارث شرعی بھی نہیں ہے کہ قرض ادا کیا جائے تو کیا غیر مسلم، مسلم کی نیکی کا حق دار ہو گا حالاں کہ ایسا نہیں ہے کیوں کہ کافر مستحق نیکی نہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا نفیس جواب عنایت فرمایا ہے اور کثیر کتب فقہ اور قرآنی آیت و حدیث سے بھی استناد کیا ہے آپ کے جواب کا خلاصہ مع حوالہ درج ذیل ہے۔

اگر وہ کافر حربی ہے تو اس کے مال کے سبب مسلمان پر حق العبد لازم نہیں جس کا تصفیہ در کار اور اگر وہ کافر ذمی ہے تو اگر یہ قرض اس نے سچی نیت سے لیا اور اس کے ادا کا قصد رکھتا تھا اور قدرت نہ پائی کہ مر گیا تو مسلمان پر اس کے باعث عذاب نہ ہو گا کہ قرض لینا گناہ نہیں اس کے سبب کافر کے عذاب میں تخفیف نہیں ہو گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ اموال الناس یرید اداءھا ادی اللہ عنه.

جولوگوں کا مال بہ ارادۂ ادالے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادافرمادے ۔ رواہ احمد والبخاری وابن ماجه عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه.

نیز حدیث شریف میں ہے: من ادَّانَ دَینا ینوی قضاءه اداه الله عنه یوم القیٰمة. رواه الطبرانی فی الکبیرعن میمونة رضی الله تعالی عنها بسند صحیح.

اگر بدنیتی اور ناجائز طریقے سے لیا توضرور گناہ وحق العبد ہے ذمی کا مال معصوم ہے اور وہ ان حقوق میں مثل مسلمانوں کے سمجھا جاتا ہے۔

شرح فقہ اکبر بحث توبہ میں ہے : اذا غصب مسلم من ذمی مالا اوسرق منه فانه یعاقب به یوم القیٰمة لان الذمی لایرجی منه العفو فکانت خصومة الذمی اشد.

فتاوی قاضی خان، جواہر اخلاطی، حاشیہ طحطاوی، ردالمختار، طریقہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ کے جزئیات سے بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے استدلال فرمایا ہے۔ (۱)

﴿۳﴾

ایک مستفتی کا سوال ہے کہ اگر دوعدد متوافق کا مخرج جزوفق بارہ ہو توان میں نسبت توافق بجزء من اثنی عشر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے سراجیہ، شریفیہ، حاشیہ سراجیہ وشریفیہ، زبدۃ الفرائض، ردالمختار، فتاوی عالم گیری کے جزئیات سے اس مسئلہ پر بھرپور روشنی ڈالی ہے آپ رقم طراز ہیں:

صورت مستفسرہ میں جیسے کہ تعبیر بکسر منطق اور ان عددین کو متوافقین بنصف السدس یا بسدس النصف کہنا جائز ویسے ہی تعبیر بالجزء اورانہیں متوافقین بجزء من اثنی عشر کہنا بھی روا، اور فرائضیوں میں شائع وذائع۔

(۱) **فی السراجیة:** ففی الاثنین بالنصف وفی الثلاثة بالثلث وفی الاربعة بالربع هکذا الی العشرة وفی ماوراء العشرة یتوافقان بجزء منه اعنی فی احد عشر بجزء من احد عشر وفی خمسة عشر بجزء من خمسة عشر.

(۲) **وفی شرحها الشریفیة:** وبالجملة یمکن فیما وراء العشرة باسرها ان یعبر فی التوافق بالاجزاء المضافة الی المخرج کجزء من احد عشر وجزء من اثنی عشر

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۷-۸

وجزء من ثلٰثة عشر ويمكن فى بعضها ان يعبر بالكسور المنطقة المركبة وللتنبيه على ذٰلك خلط الشيخ المنطق بالاصم حيث ذكر احد عشر وخمسة معاً.

(۳)**وفی حاشیتھا للقاضی عبدالنبی الاحمد نگری:** رحمه الله تعالى فان قيل :لم قال المص وفيما وراء العشرة يتوافقان بجزء مع انه يمكن التعبير فى البعض بغير لفظ الجزء قلت غرض المص رحمه الله تعالى ان توافق العددين فيما وراء العشرة بجزء حكم كلى دون التعبير بلفظ آخر فافهم.

(۴)**وفى ردالمحتار تنبيه**: اذا توافقا فى عدد مركب وهو مايتألف من ضرب عدد فى عدد كخمسة عشر مع خمسة واربعين فان شئت قلت هما متوافقان بجزء من خمسة عشر وان شئت نسبت الواحد اليه بكسرين يضاف احدهما الى الاٰخر فتقول بينهما موافقة بثلث خمس اوخمس ثلث فيعبر عنه بالجزء وبالكسور المنطقة المضافة بخلاف غيرالمركب فانه لايعبر عنه إلا بالجزء.

(۵)**وفى مختصر الفرائض**: فان اتفقا فى الاثنين فهما متوافقان بالنصف وفى الثلث بالثلث وهكذا فى العشرة بالعشر و إن توافقا فى احد عشر اواكثر منه يعبر بالجزء مثلا فى احد عشربجزء من احد عشر وفى اثنى عشر بجزء من اثنى عشر وهكذا.

(۶)وفى زبدة الفرائض لمولانا عمادالدين اللبكنى رحمة لله تعالى عليه:

واگر در دوازده متفق شوند توافق بجزء من اثنی عشر، گویند یعنی توافق بحصه دواز دہم چناں چہ بست وچہار وسی وشش وعلی ہذا القیاس در جمیع مراتب۔[1]

﴿۴﴾

اگر کوئی شخص فالج کا شکار ہوا اور وہ اس عارضہ کے ساڑھے تین سال بعد بیع یا ہبہ یا کوئی تصرف وارث یا غیروارث کسی کے نام کرے تو وہ تصرف شرعاً جائز رہے گا یا نہیں اور یہ مرض شرعاً مرض الموت قرار پائے گا یا غیر؟

چوں کہ مرض الموت میں مریض کے تصرفات شرعاً نافذ نہیں ہوتے اس لیے سائل نے مذکورہ سوال کیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا یہ جواب عنایت فرمایا کہ مرض جب ایک سال سے تجاوز کر جائے تو وہ شرعاً مرض الموت نہیں اس مریض کا حکم صحیح و تن درست کا حکم ہے اس کے سارے تصرفات بیع و ہبہ وغیرہ نافذ ہوں گے۔ آپ نے متعدّد کتب فقہ و فتاوی کے جزئیات سے اپنے اس جواب کو مزین فرمایا ہے جیسے:

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۳۳۰ کتاب الفرائض

(۱)فی الفتاوی للامام قاضی خان، اذا تصرف بعد سنة فهو كالصحیح یجوز تصرفاته.اھ.

(۲) وفی الفتاوی العالمگیریة عن فتاوی التمرتاشی، فسّر أصحابنا التطاول بالسنة فاذا بقی علی هذه العلة سنة فتصرفه بعد سنة كتصرفه حال صحته.

(۳-۴-۵) وفی الطحاوی فی مختصره وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة للعلامة الشامی رحمه الله تعالی فسّر التطاول بسنة فلوتصرف بعد سنة من مرضه فهو كتصرفاته حال الصحة هٰكذا كان شیخنا ابوعبدالله الجرجانی یقول هذا لفظ الواقعات وبهذا اللفظ اورده فی جامع الفتاوی، عمادیة.الخ.

(۶) وفی الفتاوی الخیریة لنفع البریة:المصرح به فی غیر ماكتاب من كتب ابی حنیفة ان المقعدوالمفلوج والمسلول اذا اتصف كل داء منهم بالطول فحكم تصرف كل واحد منهم حكم تصرف الصحیح كما صرح به فی الجامع الصغیر فكان هو الصحیح.

(۷)وفی الدررللعلامة خسرو: هٰذه امراض مزمنة فمن عرض له واحدمنها وتصرف بشيء من التبرعات ثم مات قبل تمام سنة مشتملة علی الفصول الاربعة كان المرض مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث وان مات بعدتمامها لم یتبین مرض الموت لانه اذا سلم فی الفصول وفي كل منها مظنة الهلاك صار المرض بمنزلة طبع من طبائعه وخرج صاحبه من احكام المرض حتّی لایشتغل بالتداوی.[1]

اس قدر کسی مسئلہ پر جزئیات کی فراوانی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فتاوی کی خصوصیت ہے گویاکتب معتمدہ کے جزئیات اوران کی عبارتیں آپ کی نظروں کے سامنے ہواکرتی تھیں، اس کمال میں بھی آپ کاکوئی ثانی نظر نہیں آتا۔

﴿۵﴾

کتاب الاشربہ کاپہلا مسئلہ ہے کہ تھوڑی سی افیون مرض کی غرض سے کھاناجائز ہے یانہیں؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس سوال کاجواب دینے کے بعد اصلاح وموعظت کااسلوب بھی اختیار کیاہے آپ فرماتے ہیں:

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۱۰۱،۱۰۰

بضرورتِ دوا قلیل المقدار افیون کہ اس قدر سے نشہ وسرور یا عقل وحواس میں تغیر وفتور اصلاً نہ پیدا ہو استعمال کرنا جائز ہے اور شوق کی راہ سے بطور مشغلہ کھانا جس طرح عام کھانے والے اپنے پیچھے لت لگا لیتے ہیں مطلقاً جائز نہیں اگرچہ نشہ نہ کرے اگرچہ بوجہ اپنی قلت کے اس قابل ہی نہ ہو۔

ردالمحتار میں ہے: البنج والافیون استعمال الکثیر المسکرمنه حرام مطلقا واما القلیل فان کان للهوحرم وان للتداوی فلا.اھ ملتقطاً.

کھانے والے کی خاص نیت سے خدا کو خبر ہے بعض دوا کا نرا بہانہ ہی کرتے ہیں، انھیں مفتی کا فتوی نفع نہ دے گا والله یعلم المفسد من المصلح.

اور اس خبیث چیز کی بدخو ہے کہ چند روز میں گھر کرلیتی ہے اور پھر چھڑائے نہیں چھوٹتی اور بتدریج پاؤں پھیلاتی ہے یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں آدمی کو خاصا افیونی کرلیتی ہے۔ والعیاذبالله تعالیٰ.

اطبا لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے باطن کی جھلّیوں میں سوراخ ہوجاتے ہیں جو اس کے سوا دوسری کسی بلا سے نہیں بھرتے ناچار عادت ڈالنی پڑتی ہے۔کمانقله العلامة الشامی عن تذکرة داؤد الانطاکی.

حتی الامکان بچے اور اگر ایسی ہی ضرورت شدیدہ ہو تو خالی کھانے سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مرض کے مناسب کسی نسخہ میں اتنا جُز شریک کرلیں کہ ایک دن کی قدر شربت میں بہت قلیل مقدار آئے جس پر نشہ وغیرہ کا گمان نہ ہو اس تقدیر پر اس کی صورت بھی اہل لہو کی مستعمل صورت سے جدا ہوجائے گی اور موضع تہمت پر موقوف بھی نہ ہوگا، حدیث نقل کرتے ہیں:

من کان یؤمن بالله والیوم الاٰخر فلایقفن مواقف التهم

حدیث میں ہے: ایاك ومایسوء الاذن

حدیث میں ہے: ایاك ومایعتذر منه[1]

﴿۶﴾

(۶) حدیث شریف میں ہے: "نهی النبی ﷺ من بیع الشرط"

نبی کریم ﷺ نے شرط والی بیع سے منع فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شرط والا عقد اس میں داخل ہے کیوں کہ شرط لگانے میں احد المتعاقدین کا نفع ہے فقہائے کرام، محدثین عظام نے اس حدیث کی تاویل وتوجیہ یہ

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۳۸

کی ہے کہ حدیث پاک میں جن شروط سے منع کیا گیا ہے وہ شرطیں ہیں جو متعارف نہیں اور جن پر لوگوں کا تعامل نہیں ہے۔ جو شرطیں عرف عام میں مشہور ہیں وہ جائز ہیں، اس پر ایک شبہہ وارد ہوتا ہے کہ وہ شروط متعارفہ جن پر لوگوں کا تعامل ہے کیا ان کے جواز کے لیے عہد رسالت سے اس دور تک تعامل کا مستمر ہونا ضروری ہے؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب عنایت فرمایا کہ بعض علما کی تقریر میں ایسا واقع ہوا مگر حق یہ ہے کہ یہ ہرگز ضروری نہیں کیوں کہ فقہانے عہد رسالت کے بعد بہت سے شروط والے عقود کو ناجائز قرار دیا، بعد میں عرف و تعامل کی بنا پر ان کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس پر اعلیٰ حضرت نے کثیر جزئیات اور شواہد پیش کیے ہیں، ان میں سے چند جزئیات پیش ہیں۔

ہدایہ اور فتح القدیر میں ہے:

(من اشترى نعلاعلى ان يحذوها البائع) المراد اشترى اديماً على ان يجعله البائع نعلاله ويمكن ان يراد حقيقته اى نعل رجل واحدة على ان يحذوها اى يجعل لها شراكا فلابد ان يراد حقيقة النعل (فالبيع فاسد) قال المص (ماذكره) يعنى القدورى (جواب القياس) ووجهه مابيناه من أنه شرط لايقتضيه العقد وفيه نفع لاحد المتعاقدين وفى الاستحسان يجوز البيع و يلزم الشرط (للتعامل) كذٰلك ومثله فى ديارنا شراء القبقاب على هذا الوجه اى على ان يسمرله سيراً ومن انواعه شراء الصوف المنسوج على ان يجعله البائع قلنسوة اوقلنسوة بشرط ان يبطن لها البائع بطانة من عنده.اھ.مختصرا.

ردالمحتار میں ہے :

وفي البزازية: اشترى ثوباً اوخفا خلقا على ان يرقعه البائع ويسلمه صح.اھ. قال فى المنح فان قلت نهى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع وشرط فيلزم ان يكون العرف قاضيا على الحديث قلت ليس بقاضٍ عليه بل على القياس لان الحديث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وهو قطع المنازعة والعرف ينفى النزاع فكان موافقا لمعنى الحديث فلم يبق من الموانع الاالقياس والعرف قاض عليه.اھ.قلت وتدل عبارة البزازية والخانية وكذا مسئلة القبقاب على اعتبار العرف الحادث ومقتضى هذا انه لوحدث عرف فى شرط غيرالشرط فى النعل و الثوب والقبقاب ان يكون معتبرا اذا لم يؤد الى المنازعة .

پھر فتاوی ہندیہ کے حوالے سے فتاوی تاتارخانیہ، محیط سرخسی، فتاوی ظہیریہ کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں۔

خزانۃ المفتین میں فتاوی کبری سے فصل وقف المنقول میں ہے:

جعل فی المسجدبواری اوغلق باب اوحصیر لم یکن له ان یرجع وکذٰلك لو علق فيه سلسلة اوحبلا للقنديل لان هذا يترك فی المسجد دائما عادة فيكون للمسجد .

غرر ودرر میں ہے:

(عن محمد صحته فی المتعارف وقفيته) كالفاس والمرووالقدوم والمنشار والجنازة وثيابها والقدور والمراجل إذا وقف على المسجد جاز واما وقف الكتب فكان نصير بن يحيى يجيزه والفقيه ابوجعفر يجيزه وبه ناخذ خلاصة.اھ.ملخصا.

ان کے علاوہ وجیز کردری، فتاوی قاضی خاں، خلاصہ، مختار العقائب برہان، نقایہ، برجندی، بحر الرائق، نہر الفائق، طحطاوی، فتاوی غیاثیہ، مضمرات وغیرہ ۳۰؍ کتابوں سے ۳۰؍ مختلف مسائل کو شہادت میں پیش کیا ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

ذخیرہ امام برہان الدین محمود کتاب البیوع فصل سادس میں ہے:

اذا اشترى ثمار بستان وبعضها قد خرج وبعضها لم يخرج فهل يجوز هذا البيع، ظاهر المذهب انه لا يجوز وكان شمس الائمة الحلوانی يفتی بجوازه فی الثمار والباذنجان والبطيخ وغير ذٰلك وكان يزعم انه مروی عن اصحابنا.

بحر الرائق میں امام جلیل ابوبکر محمد بن فضل فضلی سے ہے:

استحسن فيه لتعامل الناس فانهم تعاطوا بيع ثمار الكرم بهذه الصفة ولهم فی ذٰلك عادة ظاهرة وفی نزع الناس عن عاداتهم حرج.

تیس شواہد پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں: قطع نظر اور مسائل سے یہی مسئلے اگر دیکھیں تو مذہب کے عامہ متون و شروح و فتاویٰ سے کوئی کتاب ان سے خالی نہ پایئے یہ اور ان کے امثال کثیرہ جن کے خرمن سے خوشہ ابحاث آتیہ میں بھی ان شاء اللہ العزیز آتا ہے سب برخلاف اصل وقیاس ہیں جنھیں ائمہ کرام وعلماے اعلام نے تعامل وعرف پر مبنی فرمایا اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ان باتوں کا تعامل زمانہ اقدس حضور پرنور سید عالم ﷺ سے ہے؟ حاشا لله ثم حاشا لله وان طلب كل طلب لأعياه۔[1]

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۱۹ تا ۲۴ ملخصًا

(۷)

مسکر تاڑی اور دیگر مسکر مشروبات کے سلسلہ میں امام محمد اور شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے۔ امام محمد کے نزدیک ان کا پینا حرام ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ شیخین کے نزدیک نبیذ جو گاڑھی ہوگئی ہو اور اسی طرح انگور اور کھجور کے علاوہ شرابیں حلال ہیں جب کہ مسکر نہ ہوئی ہوں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں مسکر تاڑی سے آٹا گوندھ کر پکی ہوئی روٹی کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فقہی جزئیات اور عبارات فقہا سے مفتی بہ قول کو پیش کیا کہ تاڑی اور اسی طرح ہر مسکر چیز کا قطرہ قطرہ حرام ہے۔ اس سے گوندھ کر جو روٹی پکائی جائے اس کا کھانا جائز نہیں۔ اس کے بعد قول امام کی راجحیت اور اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے کثیر احادیث اور فقہی عبارتیں پیش کی ہیں۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

یہ سب بربنائے مذہب مفتی بہ تھا اور اصل مذہب کہ شیخین مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے:

اعنی طهارة المثلث العنبی والمطبوخ التمری والزبیبی وسائر الاشربة من غیرالکرم والنخلة مطلقا وحلها کلها دون قدر الاسکار.

میری مراد اس انگوری شراب کا پاک ہونا جس کا دو ثلث خشک ہوگیا ہو، کھجور اور زبیب کا رس جس کو پکایا گیا ہو اور انگور اور کھجور کے علاوہ تمام شرابوں کا پاک ہونا اور ان کا حلال ہونا جب کہ سُکر کی حد تک نہ ہوں۔

حاشا یہ بھی قول ساقط و باطل نہیں بلکہ بہت باقوت ہے خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابۂ کرام حتی کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، یہی قول امام اعظم ہے، عامہ متون مذہب مثل مختصر قدوری وہدایہ و وقایہ ونقایہ وکنز وغرر واصلاح وغیرہا میں اسی پر جزم واقتصار کیا، اکابر ائمۂ ترجیح وتصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی وامام اجل ابوالحسن کرخی وامام شیخ الاسلام ابوبکر خواہر زادہ وامام اجل قاضی خاں وامام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح و مختار رکھا بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا اسی کو بہ ناخذ فرمایا، علمائے مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی یہاں تک کہ آکد الفاظ ترجیح "علیه الفتوٰی" سے بھی تذییل آئی۔

خزانۃ المفتین میں ہے: فی الهدایة والنهایة وفتاوی قاضی خان وظهیرالدین والخلاصة وفتاوی الکبری وفتاوی اهل سمرقند والحمیدی الاصح ماعلیه ابوحنیفة وابو یوسف رحمهما الله تعالی.

ہندیہ میں فتاوی کبری سے ہے: العصیرإذا شمس حتی ذهب ثلثاه یحل شربه عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمهما الله تعالی .

در منتقی میں ہے: وصحح غیرواحد قولهما.

درمختار میں ہے: لبن الرماك اذا اشتدلم يحل وصحح فى الهداية حله.

ردالمحتار میں ہے: به يفتى اى بتحريم كل الاشربة وكذا بوقوع الطلاق قال فى النهر وفى الفتح وبه يفتى لان السكر من كل شراب حرام وعندهما لايقع بناء على انه حلال وصححه فى الخانية.

فتح اللہ المعین میں ہے:

من ادلة حله ماقال فى الاختيار، عن ابن ابى ليلى قال اشهد على البدريين من اصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انهم يشربون النبيذ فى الجرار الخضر وقد نقل ذٰلك عن اكثر الصحابة ومشاهيرهم قولاوفعلا حتى قال ابوحنيفة انه مما يجب اعتقاد حله لئلا يؤدى الى تفسيق الصحابة رضى الله تعالى عنهم.

فتاوی خانیہ میں ہے:

لابى حنيفة وابى يوسف رحمهما الله تعالى الآثار التى وردت فى اباحة النبيذ الشديد قولا وفعلا ذكرها محمدرحمه الله تعالى فى الكتاب وعن ابى حنيفة رحمه الله تعالى انه قال من شرائط السنة والجماعة ان لايحرم نبيذ التمرلان فى تحريمه تفسيق كبارالصحابة رضى الله تعالى عنهم، وعنه انه قال لااحرم النبيذ الشديد ديانة ولااشربه مروءة، اجمع كبار الصحابة رضى الله تعالى عنهم على اباحة النبيذ واحتاطوا فى شربه لاجل الاختلاف وكذا السلف بعدهم كانوا يشربون نبيذ التمر بحكم الضرورة لاستمراء الطعام.[1]

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۵۴-۵۶ رضااکیڈمی ممبئی

کثیر احادیث سے استدلال

(۱)

جناب مولوی وصی علی صاحب (اٹاوہ) نے آٹھ سوالات پر مشتمل ایک استفتا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں روانہ کیا جن میں ہر سوال کا جواب مختلف خصوصیات کا حامل ہے۔ اس کا پہلا سوال یہ ہے "عصبات کی جو چار قسمیں قرار دی گئی ہیں (فروع میت، اصول میت، فروع اب میت، فروع جد میت) اس میں خاص کر چوتھی قسم فروع جد میت میں کتب فرائض وغیرہ میں "او عالیہا" کا لفظ آتا ہے اس کا ماخذ کیا ہے۔ قرآن پاک، حدیث پاک یا اور کوئی کتاب؟[1]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا ماخذ قرآن مقدس اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیان فرمایا قرآن کی ایک آیت:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

اس کے بعد تخریج کے ساتھ چھ احادیث پیش فرمائی ہیں:

حدیث اول: عبد بن حمید و ابن جریر اپنی تفسیر میں قتادہ سے راوی:

ان ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ قال فی خطبتہ الا ان الأیة التی ختم بھا سورۃ الانفال انزلھا فی اولی الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ ماجرت بہ الرحم من العصبة، ھذا مختصر.

حدیث دوم: احمد و بخاری و مسلم و ترمذی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لأولی رجل ذکر.

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰، ص:۳۷۹ ملخصار سالہ المقصد النافع فی عصوبة الصنف الرابع.

حدیث سوم: صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن مؤمن الا وانا اولی به فی الدنیا والاٰخرة اقرؤاان شئتم اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ فایما مؤمن مات وترك مالافلیرثه عصبته من كانوا ومن ترك دیناً اوضیاعاً فلیاتنی فانا مولاه والحدیث عندالشیخین واحمد والنسائی وابن ماجه وغیرهم عنه نحوه.

حدیث چہارم: احمدوابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وبیہقی بسند صحیح بطریق عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ امیرالمومنین عمرفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما احرز الولد اوالوالد فهو لعصبته من كان.

حدیث پنجم: عبدالرزاق اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی سے راوی، امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كل نسب توصل علیه فی الاسلام فهو وارث مورث.

حدیث ششم: سنن بیہقی میں ہے:

عن جریر عن المغیرة عن اصحابه قال كان علی رضی الله تعالی عنه و اصحابه اذا لم یجدوا ذاسهم اعطوا القرابة وماقرب اوبعد اذاكان رحما فله المال اذا لم یوجد غیره. هذا مختصر.

آیت کریمہ نے رشتہ داروں کو مطلق رکھا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمادی کہ آیت میں ہر عصبہ نسبی داخل۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث سوم وچہارم میں صاف تعمیم فرمائی کہ عصبہ وارث ہے کوئی ہو، حدیث پنجم میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسلام میں نسب جہاں جاکر ملے موجب وراثت ہے، حدیث ششم میں مولاعلی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد کہ رشتہ دار پاس کا ہو یا دور کا، جب اور نہ ہو تو سب مال اسی کا ہے۔

ان ارشادات نے تو تمام قریب وبعید کے عصبات نسبی کو دائرۂ توریث میں داخل فرمایا اور حدیث دوم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اقدس نے کہ جو اہل فرائض سے بچے وہ قریب تر مرد کے لیے ہے ترتیب الاقرب فالاقرب کا حکم بتایا لاجرم بلحاظ قرب اتصال یہ اقسام اربعہ منتظم ہوئیں۔[1]

(۱) فتاوی رضویہ ج،۱۰ص:۳۸۱، ۳۸۲،۳۸۳ کتاب الفرائض

حدیث ہفتم: سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:

ان مولی للنبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مات وترك شیئاً ولم یدع ولدا و لاحمیما فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اعطوا میراثه رجلا من اهل قریته.

حدیث ہشتم: مسند الفردوس حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی:

ان ورد ان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وقع من عذق نخلة فمات فاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بمیراثه فقال انظروا له ذا قرابة قالوا ماله ذوقرابة قال فانظروا همشَهْریًّا له فاعطوه میراثه یعنی بلدیًّا له.[1]

حدیث نہم: عبد الرزاق اپنی مصنف میں اور ابن جریر و بیہقی ضحاک بن قیس سے راوی:

انه كان طاعون بالشام فكانت القبیلة تموت باسرها حتی ترثها القبیلة الاخری.

حدیث دہم: ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف اور امام ابوداؤد سنن میں حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم رجل فقال ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد أزدِیّا ادفعه إلیه قال فاذهب فالتمس ازدیا حولا قال فاتاه بعد الحول فقال یارسول اللہ لم اجد أزدیا أدفعه الیه قال فانطلق فانظر أول خزاعی تلقاه فادفعه الیه فلما ولی قال علیّ الرجل فلما جاءه قال انظركبرخزاعة فادفعه الیه ولفظ ابن ابی شیبة قال فاذهب فادفعه الی اكبر خزاعة.

یعنی ایک صاحب نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی میرے پاس ایک ازدی یعنی قبیلہ بنی ازد سے ایک شخص کا ترکہ ہے اور مجھے کوئی ازدی نہیں ملتا جسے دوں، فرمایا سال بھر تک کوئی ازدی تلاش کرو، ایک سال کے بعد حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! میں نے کوئی ازدی نہیں پایا۔ فرمایا تو بنی خزاعہ میں جو شخص سب سے زیادہ جداعلیٰ سے قریب ہو اسے دے دے۔ جب وہ لوٹا تو فرمایا اسے میرے پاس بلالاؤ۔ جب وہ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا جو خزاعہ میں سب سے عمر رسیدہ ہو اسے دے دینا۔ ابن ابی شیبہ کے لفظ یہ ہیں آپ نے فرمایا جا اور خزاعہ کے سب سے عمر رسیدہ شخص کو دے دے۔[2]

(۱) فتاوی رضویہ ج، ۱۰ ص: ۳۸۴ کتاب الفرائض
(۲) فتاوی رضویہ ج، ۱۰ ص: ۳۸۵ کتاب الفرائض

﴿۲﴾

نبیذ سے متعلق شیخین کے مذہب کی قوت اور اس کی اہمیت کے پیش نظر بہت سی حدیثیں ان کے مذہب کے موافق پیش کی ہیں جن میں سے چند اہم یہ ہیں:

(۱) اخبرناابوحنیفة عن سلیمان الشیبانی عن ابن زیاد أنه افطرعندعبدالله بن عمر رضی الله تعالی عنهمافسقاه شرابا له فکانه اخذ فیه فلما اصبح قال ما هذا الشراب ماکدت اهتدی الٰی منزلی فقال عبدالله مازدناك علی عجوة وزبیب، قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفة.

ابن زیاد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس روزہ افطار کیا تو آپ نے ابن زیاد کو اپنے یہاں سے شراب پلائی تو گویا کہ اس نے ابن زیاد میں کچھ اثر کیا جب صبح ہوئی تو ابن زیاد نے کہا یہ کیا شراب ہے یوں لگا کہ میں اپنے گھر کی طرف راہ نہ پاؤں گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم نے تو تمھارے لیے عجوہ اور زبیب کے علاوہ کوئی چیز زیادہ نہیں کی۔ امام محمد نے فرمایا ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے۔

اخبرنا ابوحنیفة عن حماد قال کنت اتقی النبیذ فدخلت علی ابراهیم وهو یطعم فطعمت معه فاوتی قدحا من نبیذ فلما رأی إبطائی عنه قال حدثنی علقمة عن عبدالله بن مسعود انه کان ربما طعم عنده ثم دعا بنبیذ له نبذته سیرین ام ولد عبدالله فشرب وسقانی.

(۳)اخبرنا ابوحنیفة قال حدثنا ابواسحٰق السبیعی عن عمروبن میمون الاودی عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه قال ان للمسلمین جزورا لطعامهم وان العتق منها لآل عمر، وانه لایقطع هٰذه الابل فی بطوننا الا النبیذ الشدید.

(۴)اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن ابراهیم انه کان یشرب الطلاء قدذهب ثلثاه وبقی ثلثه ویجعل له منه نبیذ، فیترکه حتی اذا اشتد شربه ولم یر بذٰلك بأسا، قال محمد وهو قول ابی حنیفة.[1]

سنن نسائی، دارقطنی، صحیح بخاری، موطا امام مالک، موطا امام محمد، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کتب احادیث اور کتب فقہ سے بیسیوں احادیث ذکر کر کے مزید تخریجات کی بھی نشان دہی کی ہے۔

(۱) کتاب الآثار لامام محمد باب نبیذ البطیخ والعصیر، مطبوعہ ادارۃ القرآن ص ۱۸۴

(۵) صحیح بخاری شریف میں ہے:

رأی عمر و ابوعبیدة ومعاذبن جبل شرب الطلاء علی الثلث وشرب البراء وابوجحیفة رضی الله تعالی عنهماعلی النصف.

(۶) سنن نسائی میں ہے:

اخبرنا سو ید قال اخبرنا عبدالله عن السری بن یحیی ثنی ابوحفص امام لنا و کان من اسنان الحسن عن ابی رافع ان عمربن الخطاب رضی الله تعالی عنه قال اذا خشیتم من نبیذ شدته فاکسروه بالماء قال عبدالله من قبل ان یشتد.

(۷) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وکیع عن سعید بن اوس عن انس بن سیرین قال کان انس بن مالك رضی الله تعالی عنه سقیم البطن فامرنی ان اطبخ له طلاء حتی ذهب ثلثاه وبقی ثلثه فکان یشرب منه الشربة علی اثر الطعام.

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے مرفوع احادیث کا بھی التزام کیا ہے چناں چہ اس مضمون کی نو مرفوع حدیثیں بھی ذکر فرمائی ہیں، دو یہ ہیں:

سنن دارقطنی میں ہے:

حدثنا محمد بن احمد بن هارون نا احمد بن عمربن بشر ناجدی ابراهیم بن قرة نا القاسم بن بهرام ثنا عمر وبن دینار عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قال مر رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم علی قوم بالمدینة قالوا یارسول الله ان عندنا شرابا لنا افلانسقیك منه قال بلٰی فاتی بعقب اوقدح غلیظ فیه نبیذ فلما اخذه النبی صلی الله تعالی علیه وسلم وقربه الٰی فیه قطب قال فدعا الذی جاء به فقال خذه فاهرقه فلما ان ذهب به قالوا یارسول الله هذا شرابنا ان کان حراما لم نشربه فدعا به فاخذه ثم دعا بماء فصبّه علیه ثم شرب وسقی وقال اذاکان هٰکذا فاصنعوا به هکذا.

شرح معانی الآثار میں امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا ابو بکرة ثنا ابواحمد الزبیری ثنا سفیٰن عن علی بن بذیمة عن قیس بن حَبْتَرقال سألت ابن عباس عن الجر الاخضر والجر الاحمر فقال ان اوّل من سأل النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم عن ذٰلك وفد عبدالقیس فقال لاتشربوا لافی الدباء ولافی المزفت و لافی النقیر واشربوا فی الاسقیة فقالوا یارسول اللہ فان اشتد فی الاسقیة قال صبواعلیه من الماء وقال لهم فی الثالثة اوالرابعة فاهریقوه. [1]

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۵۸-۶۲ رضا اکیڈمی ممبئی

جرح وتعدیل

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی ہمہ جہت شخصیت صرف فقہ وافتا میں ید طولی نہیں رکھتی تھی بلکہ علم حدیث، اسناد حدیث، اسماء الرجال پر بھی آپ کی نظر بہت گہری تھی جس کسی مسئلہ میں مفتیوں کے لیے کسی ایک حدیث کو پیش کرنا دشوار ہوتا ہے آپ کثیر احادیث سے اس مسئلہ کو ثابت کرتے ہیں صرف یہی نہیں بلکہ راویوں کے حالات کی بھی خبر دیتے ہیں۔

﴿۲﴾

مسکر اشیا کا قطرہ قطرہ حرام ہے اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت نے مختلف قسم کی بے شمار احادیث پیش کیں اس مسئلے میں پہلے نو مرفوع حدیثیں پیش کیں پھر اضافہ افاضہ کے تحت پانچ فائدے بیان کیے اس کے چوتھے فائدے کے تحت امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۲۳۹ھ - ۳۲۱ھ) کی روایت کردہ یہ حدیث نقل کی:

حدیث الطحاوی عن علقمة سالت ابن مسعود عن قول رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فی السکر قال الشربة الاخیرة.

اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

رواہ الدارقطنی فی سننه عن عمار بن مطر ثنا جریر بن عبدالحمید عن الحجاج عن حماد عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله فی قوله صلی الله تعالی علیه وسلم کل مسکر حرام قال عبدالله هی الشربة التی اسکرتك.

اب امام طحاوی کے رُوات پر جرح وتعدیل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اقول: سند الطحاوی حدثنا ابن ابی داؤد ثنا نعیم وغیره انا حجاج عن حماد الخ ولیس فیه عمار کما تری[1]

(۱) فتاوی رضویہ ج،۱۰ص:۷۷،۷۶

حجاج کے بارے میں فرماتے ہیں:

والحجاج هو ابن ارطاة من رجال مسلم والاربعة وهو وان كان من شيوخ شعبة وشعبة من قد علم فى شدة ورعه واحتياطه وقد كان يقول اكتبوا عن حجاج ابن ارطاة وابن اسحٰق فانهما حافظان وقد اثنى عليه غير واحد منهم الثورى وابوحاتم بَيْدَ انه كثيرالتدليس قال الذهبى اكثر مانقم عليه التدليس.

وقال ابوحاتم يدلس عن ضعفاء فالحديث وان لم يصح عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه كما قاله عبدالله لكنه قدصح عن ابراهيم كما قدمناه عن مسند الامام الأعظم عن حماد عنه .

حجاج ارطاۃ کے فرزند ہیں امام مسلم اور شیوخ اربعہ (امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) کے رجال میں سے ہیں وہ اگرچہ شعبہ کے شیخ ہیں جن کا تقوی اوراحتیاط معلوم ہے وہ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے حجاج بن ارطاۃ اورابن اسحاق سے حدیثیں اخذ کرو اس لیے کہ وہ دونوں حافظ ہیں ان کے علاوہ امام سفیان ثوری اورابوحاتم نے ان کی تعریف کی ہے مگر وہ بہت تدلیس کیا کرتے تھے امام ذہبی فرماتے ہیں ان پر زیادہ سے زیادہ جو جرح ہے وہ یہی تدلیس ہے۔ ابوحاتم نے کہا وہ ضعفا سے تدلیس کرتے تھے۔

پانچویں افادہ میں امام طحاوی ہی کی ایک حدیث نقل کی جس کی سند یہ ہے:

حدثنا ابو بكرة حدثنا ابوداؤد حدثنازهير بن معاوية عن ابى اسحٰق عن عمر و بن ميمون.

ایک دوسری سند یہ ہے:

حدثناروح بن الفرج حدثنا عمربن خالدحدثنازهير حدثناابواسحٰق عن عمرو بن ميمون.

راویوں کے بارے میں اجمالاً فرماتے ہیں:

وابوداؤد:هو الطيالسى ثقة حافظ من رجال مسلم والاربعة اهل الستة فقد كنى عنه خ فى تفسير المدثر حيث قال فى سند حديث مرفوع حدثنى محمد بن بشارناعبدالرحمٰن بن مهدى وغيره قالا حدثنا حرب بن شداد الخ غيره هو ابوداؤد كما بينه ابونعيم فى مستخرجه.

ابوداؤد: وہ طیالسی ہیں، ثقہ، حافظ، مسلم اور چار اصحاب ستہ کے رجال سے ہیں امام بخاری نے سورۂ مدثر کی تفسیر میں ایک حدیث مرفوع کی سند میں ان کا ذکر بطور کنایہ کیا ہے وہ اس طرح ہے: مجھ سے حدیث بیان کی محمد بن بشار نے، انھوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمٰن ابن مہدی "وغیرہ" نے ان دونوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی حرب بن شداد نے۔ الخ۔ (وغیرہ) میں غیر سے مراد یہی ابوداؤد طیالسی ہیں جیسا کہ ابونعیم نے اپنی "مستخرج" میں بیان کیا ہے۔

زہیر کے بارے میں فرماتے ہیں: ثقة ثبت من رجال الستة.

روح کے بارے میں فرماتے ہیں: وروح بن الفرج شيخ الطحاوى هو القطان المصرى ثقة وثقه فى تهذيب التهذيب.

عمرو بن خالد کے متعلق رقم طراز ہیں: وعمرو بن خالدشيخ روح، وتلميذزهيرهوالحرانى الخزاعى ثقة من رجال البخارى، فبموافقةالامام ومتابعة سلام زال ماكان يخشى من سماع زهير عن أبى إسحق.

ایک تیسری حدیث کے رُوات پر گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

عمرو بن حفص ثقة من رجال الشيخين وابوه حفص بن غياث ثقة من رجال الستة وابراهيم هوالنخعى وهمام النخعى ثقة من رجال الستة.

عمرو بن حفص ثقہ اور شیخین (امام بخاری، امام مسلم) کے رجال میں سے ہیں ان کے والد حفص بن غیاث ثقہ اور شیوخ ستہ کے رجال میں سے ہیں ابراہیم سے مراد ابراہیم نخعی ہیں اور ہمام بھی نخعی ہیں یہ ثقہ اور شیوخ ستہ کے رجال سے ہیں۔

﴿۲﴾

حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب پر شراب خالص کے علاوہ اگر دیگر مشروبات حد سکر کو نہ پہنچے ہوں تو ان کا پینا جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں کثیر احادیث پیش کیں۔ پھر ان احادیث کے رُوات اور ان کی اسناد پر بھی نفیس بحث فرمائی ہے اس موضوع کی تمہید میں فرماتے ہیں:

منها الصحيح ومنها الحسن وجل بقيتها ليس فيها مايسقطها عن درجة الاعتبار وحيز الانجبار والحسن ولولغيره كاف للاحتجاج فكيف وقد وجد لذاته، ونشيرالى بعض تفاصيل ماهنا.

ان میں سے کچھ صحیح اور کچھ حسن ہیں اور باقی وہ ہیں جن میں ایسی کوئی وجہ نہیں پائی گئی جو ان کو درجۂ اعتبار سے ساقط کر دے اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو، استدلال کے لیے کافی ہوتی ہے تو پھر کیا حال ہوگا جب حسن لذاتہ پائی جائے، ہم اس کی کچھ تفصیلات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

حدیث ابن عمر اعله النسائی بعبد الملك بن نافع قال لیس بالمشهور ولایحتج بحدیثه.

اقول: فلم یقل لایکتب وقال فی التقریب مجهول وکذا قاله ابوحاتم والبیهقی، قال الامام البدر بعد نقل کلامهما قلت و ذکره ابن حبان فی الثقات من التابعین.

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث کوامام نسائی نے عبدالملک بن نافع کی وجہ سے **معلل** قرار دیااور کہاکہ وہ مشہور نہیں اوراس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔

میں کہتاہوں کہ امام نسائی نے یوں نہیں کہاکہ اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی تقریب التہذیب میں ہے کہ وہ مجہول ہے۔ابوحاتم اور بیہقی نے بھی یوں ہی کہا امام بدرنےان دونوں(امام ابوحاتم اور بیہقی)کاکلام نقل کرنے کے بعدکہا میں کہتاہوں:امام ابن حبان نے اس کو ثقہ تابعین میں ذکرکیاہے۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اس پرارشادفرماتے ہیں:

اقول: قدروی هذا الحدیث عنه العوام عند النسائی، واللیث عند الطحاوی وابواسحٰق الشیبانی عندهما، وقرة العجلی عند الطحاوی، وابن ابی شیبة فارتفعت جهالة العین ولم یذکر بجرح قط البتة فغایته ان کان مستورا لاسیماوهو من القرون المشهود لها بالخیرالتابعین والمستور مقبول عندنا والجمهور کمابیّنّاه فی "الهاد الکاف فی حکم الضعاف" فالحدیث لاینزل ان شاء الله عن درجة الحسن.

یہ حدیث ان سے عوام نے روایت کی امام نسائی کے یہاں،اورامام طحاوی کے نزدیک،لیث نے روایت کی اورابواسحاق شیبانی نےان دونوں کے نزدیک روایت کی،اورامام طحاوی اورابن ابی شیبہ کے نزدیک قرہ عجلی نے روایت کی اس طرح ان(عبدالملک بن نافع)کی شخصیت کی جہالت دور ہوگئی اور کوئی جرح بالکل ہی نہیں کی گئی توزیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ مستور ہے خاص کراس زمانے میں جس کے لیے خیر کی شہادت دی گئی ہے یعنی تابعین کے زمانے میں اور مستور راوی ہمارے اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے جیساکہ ہم نےاس کو"الهادالکاف فی حکم الضعاف" میں بیان کیااس لیے ان شاءاللہ یہ حدیث درجہ حسن سے کم نہیں ہوسکتی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے مطالعہ کی وسعت اورعلم حدیث میں دست رس کی بنیاد پرکس خوش اسلوبی کے ساتھ اس مسئلہ کاتصفیہ کردیاکہ عبدالملک بن نافع مستورالحال ہیں اور مستورالحال ہمارے اور جمہور ائمۂ حدیث کے نزدیک معتبرہے۔خاص کرخیرالقرون کے راوی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس زمانے کی خیریت کی گواہی دی ہے۔

ایک دوسری حدیث کے راوی پر اصحاب جرح و تعدیل کے اقوال ذکر کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے قول فیصل ذکر کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:

امام نسائی نے یحییٰ بن یمان کی وجہ سے ابو مسعود کی حدیث کی تعلیل بیان کرتے ہوئے کہا:

لا یحتج بحدیثه لسوء حفظه وکثرة خطائه.

حافظہ کی کمزوری اور کثرت خطا کی وجہ سے یحییٰ کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اقول: یحیی من رجال مسلم والاربعة، قال الحافظ، صدوق عابد یخطئ کثیرا وقد تغیر.اھ. وقد تابعه الیسع بن اسمٰعیل عن زید بن الحباب عن سفیان قال ابن الجوزی والیسع ضعیف قلت قال فی المیزان ضعفه الدار قطنی .اھ. وهو کما تری جرح مجرد.

میں کہتا ہوں یحییٰ بن یمان امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا وہ صدوق عابد ہیں خطا زیادہ کرتے اور متغیرّ ہو گئے تھے اھ، یسع بن اسماعیل نے " عن زیدبن الحباب عن سفیان" ان کی متابعت کی علامہ ابن جوزی نے کہا یسع ضعیف ہیں۔ میں کہتا ہوں میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ امام دار قطنی نے ان کو ضعیف قرار دیا اور وہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو جرح مجرد ہے۔

حضرت زید شہید کی حدیث کے بارے میں امام احمد رضا فرماتے ہیں:

حدیث زید الشهید لم اقف علی اول سنده فالله تعالی اعلم امازید عن آبائه الکرام فمن اصح الاسانید.

زید شہید کی سند کے ابتدائی حصہ سے میں واقف نہیں تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے لیکن زید کی روایت ان کے آبائے کرام سے صحیح ترین اسناد میں سے ہے۔

حدیث ابی هریرة .**اقول:** فیه مسلم بن خالد شیخ الامام الشافعی، وثقه ابن حبان وابن معین وقال مرة ضعیف وقال ابن عدی حسن الحدیث وقال خ منکرالحدیث وجملة القول فیه، کما فی التقریب فقیه صدوق کثیر الاوهام.

حضرت ابوہریرہ کی حدیث کے بارے میں میں کہتا ہوں کہ اس میں مسلم بن خالد ہیں جو امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیخ ہیں ابن حبان، اور ابن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا اور مُرّہ نے ضعیف کہا۔ ابن عدی نے کہا کہ حسن الحدیث

ہیں امام بخاری نے کہاکہ منکرالحدیث ہیں،ان کے متعلق خلاصۂ کلام جیساکہ تقریب التہذیب میں ہے یہ کہ وہ فقیہ،صدوق اور زیادہ وہم والے ہیں۔

قلت: والعامة كالبخارى وابن المدينى و أبى حاتم و أبى داود الناجى على تضعيفه ومع ذلك فليس ممن يسقط.

عام محدثین کرام جیسے امام بخاری،ابن مدینی،ابوحاتم،ابوداؤد اور ناجی ان کو ضعیف قرار دیتے ہیں اس کے باوجود وہ ساقط الاعتبار نہیں ہیں۔

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے بارے میں امام احمد رضا فرماتے ہیں:

اس میں شریک ہیں وہ امام مسلم،اصحاب اربعہ،اور تعالیق میں امام بخاری کے رجال میں سے ہیں۔یحیٰی بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیاہے،امام نسائی نے کہاکہ ان میں کوئی خرابی نہیں،امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں کہاکہ شریک حسن الحدیث،امام، فقیہ، محدث اور کثیرالروایہ تھے مگر ضبط واتقان میں حماد بن زید کے مثل نہیں تھے،اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ عجلی نے کہاکہ شریک کوفہ کے رہنے والے ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔ عبدالرحمن نے کہاکہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ شریک اورابوالاحوص میں سے آپ کے نزدیک کون زیادہ پسندیدہ ہے توانھوں نے جواب دیاکہ شریک،اوران کی کچھ غلطیاں بھی ہیں۔ابن عدی نے کہاان کی حدیث پر صحت غالب ہے۔ابن سعد نے کہاکہ وہ ثقہ، مامون اور کثیرالحدیث ہیں ہاں غلطی بھی کرتے ہیں،ابوداؤد نے کہاکہ وہ ثقہ ہیں اوراعمش سے روایت میں خطاکرتے ہیں۔ابراہیم حربی نے کہاثقہ ہیں۔معاویہ بن صالح نے کہامیں نے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ سے ان کے بارے میں پوچھا توانھوں نے فرمایاکہ وہ عاقل، صدوق، محدث اور شک وبدعت والوں پر سخت ہیں۔الخ۔خاص کر یہاں پران کی روایت ابواسحاق سے ہے اور امام احمد بن حنبل نے فرمایاشریک بن عبداللہ ابواسحاق کے بارے میں زہیر،اسمٰعیل اورزکریاکے مقابل زیادہ ثابت ہیں ابواسحاق سے ان کاسماع قدیم ہے یحیٰی بن معین نے کہاکہ شریک ابواسحاق کے بارے میں میرے نزدیک اسرائیل سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ اس کے سواان کی سند میں کوئی عیب نہیں۔

حديث القيسى اقول : هذا حديث حسن رجاله كلهم ثقات . قال فى الميزان اما محمّد بن خزيمة شيخ الطحاوى فمشهور ثقة ونص فى التقريب فى بقية الرجال انهم ثقات غيران قال فى عثمان المؤذن من رجال البخارى ثقة تغير فصار يتلقن ، وقد نص المحقق على الاطلاق فى باب الشهيد من الفتح ان الآخذ من

المختلط اذا لم يعلم متى اخذ منه لم ينزل الحديث عن الحسن .

قیسی کی حدیث کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اس کے تمام رجال ثقہ ہیں میزان الاعتدال میں کہا کہ محمد بن خزیمہ جو امام طحاوی کے شیخ ہیں وہ مشہور اور ثقہ ہیں تقریب التہذیب میں باقی رجال کے بارے میں صراحت کی گئی ہے کہ وہ ثقہ ہیں مگر عثمان موذن کے بارے میں کہا کہ وہ امام بخاری کے رجال میں ثقہ ہیں متغیّر ہو گئے تھے تلقین قبول کر لیتے تھے، محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر کے باب الشہید میں یہ تصریح کی کہ مختلط سے حدیث لینے والے کو اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کب اس سے حدیث لی تو وہ حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث "حرمت الخمر بعينها والسكرمن كل شراب" خمر بعینہ حرام کی گئی اور ہر مشروب سے نشہ حرام ہے، امام نسائی کی روایت میں اس حدیث کے مندرجہ ذیل راوی ہیں: ابوبکر بن علی، قواریری، عبدالوارث، عبداللہ بن شبرمہ، عبداللہ بن شداد بن الہاد۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری ان رجال کے بارے میں فرماتے ہیں:

وهوكما ترى سند نظيف نفيس، ابوبكر هو احمد بن على بن سعيد ثقة حافظ، والقواريرى عبيدالله بن عمربن ميسرة ثقة ثبت من رجال الشيخين، وعبدالوارث هو ابن سعيد بن ذكوان ثقة ثبت من رجال الستة، وابن شبرمة ثقة فقيه من رجال مسلم، وعبدالله بن شداد ثقة فقيه جليل من رجال الستة ولد على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم.

جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو یہ صاف ستھری عمدہ سند ہے۔ ابوبکر احمد بن علی بن سعید ثقہ اور حافظ ہیں۔ قواریری عبیداللہ بن عمر بن میسرہ ثقہ، ثبت اور شیخین کے رجال میں سے ہیں۔ عبدالوارث ابن سعید بن ذکوان ثقہ، ثبت اور اصحاب صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ ابن شبرمہ عبداللہ ابو شبرمہ ثقہ، فقیہ اور امام مسلم کے رجال میں سے ہیں۔ عبداللہ بن شداد ثقہ، فقیہ جلیل اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔

اسی حدیث کو دوسری سند سے امام ابو جعفر طحاوی نے روایت کیا، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ:

مثله اوانظف واجود ماقدمنا من سند الامام الطحاوى،

اس سند کے رُوات حسب ذیل ہیں۔ فہد بن سلیمان، ابونعیم فضل بن دکین، مسعر ابوعون محمد بن عبیداللہ۔

اعلیٰ حضرت ان رُوات کے بارے میں فرماتے ہیں:

فهد هو ابن سليمٰن بن يحيى ثقة، وابونعيم هوالفضل بن دُكين ثقة ثبت من رجال الستة من كبار شيوخ خ، بينه الحافظ ابوكر بن ابى خيثمة اذ روى هٰذا الحديث فى تاريخه فقال حدثنا ابونعيم الفضل بن دُكين ثنا مسعرعن ابى عون كما سيأتى، ومسعر من لايجهل ثقة ثبت فاضل فقيه من رجال الستة، وابوعون هو محمد بن عبيدالله الثقفى ثقة من رجال الستة الا ابن ماجه، وعبدالله عبدالله.

فہدوہ ابن سلیمان بن یحییٰ ثقہ ہیں۔ ابونعیم وہ فضل بن دکین ثقہ، ثبت، صحاح ستہ کے رجال اورامام بخاری کے بڑے شیوخ میں سے ہیں، اس کو حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے بیان کیا جب انھوں نے اپنی تاریخ میں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہاکہ ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے حدیث بیان کی انھوں نےمسعر سے انھوں نے ابوعون سے، جیساکہ عن قریب آئے گا۔ مسعر کو کون نہیں جانتا۔ ثقہ، ثبت، فاضل، فقیہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ ابوعون وہ محمد بن عبیداللہ ثقفی ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں ابن ماجہ کے علاوہ، اور عبداللہ عبداللہ ہیں۔

امام ابوعبدالرحمن نسائی نے اس حدیث کی سند پر دووجہوں سے کلام کیاہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ان دونوں وجہوں کو پیش کرکے ان پر زبردست کلام فرمایاہے۔

پہلے امام نسائی کی جرح دیکھیے:

احدهما ان ابن شبرمة لم يسمعه عن عبدالله بن شداد اخبرنا ابوبكر بن على ثنا سريج بن يونس ثنا هشيم عن ابن شبرمة قال حدثنى الثقة عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال حرمت الخمر بعينها قليلها وكثيرها والسكر من كل شراب.

ان دونوں طریقوں میں سے پہلا یہ ہے کہ ابن شبرمہ نے اس کو عبداللہ بن شداد سے نہیں سنا۔ ہمیں خبر دی ابوبکر بن علی نے، انھوں نے کہاہم سے حدیث بیان کی سریج بن یونس نے اورانھوں نے کہاہم سے ہشیم نے ابن شبرمہ سے حدیث بیان کی انھوں نے کہاکہ مجھے ایک ثقہ نے عبداللہ بن عباس سے حدیث بیان کی انھوں نے فرمایاکہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کردی گئی اور ہر مشروب سے نشہ حرام کیاگیا۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اقول: الحمد لله قد علم الثقة، اخرج البزار فى مسنده حدثنا محمد بن حرب ثنا ابوسفيٰن الحميرى ثنا هُشَيم عن ابن شبرمة عن عمار الدّهنى عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما فذكره قال وقد رواه ابوعون عن

عبدالله بن شداد و رواه عن ابی عون مسعر والثوری و شريك لايعلم رواه عن ابن شبرمة عن عمار الدّهنی عن ابن شدّاد عن ابن عباس الا هشيم ولاعن هشيم الا ابوسفيٰن ولم يكن هٰذا الحديث الا عند محمد بن حرب وكان واسطيا ثقة .

الحمدللہ ابن شبرمہ اور عبداللہ بن شداد کے درمیان جو ثقہ راوی ہیں وہ معلوم ہوگئے، بزار نے اپنی مسند میں اس کی تخریج کرتے ہوئے کہا کہ ہم سے محمد بن حرب نے حدیث بیان کی اوران سے ابوسفیان حمیری نے ان سے ہشیم نے ابن شبرمہ کے حوالے سے حدیث بیان کی اور انھوں نے عمار دہنی سے اور انھوں نے عبداللہ بن شداد سے اور انھوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی پھر اسی حدیث کو ذکر کیا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ان رجال کے بارے میں فرماتے ہیں:

قلت: وابوسفيٰن الحميری هو سعيد بن يحيى صدوق وسط من رجال البخاری قال الحافظ المنذری فی الترغيب ثقة مشهور و قدقال الذهبی فی الميزان فی بيان مجاهيل الاسم اعنی تعيين من ابهم اسمه عبدالله بن شبرمة عن الثقة فی الخمر جاء مبينا انه عمار الدهنی، وعمارهوابن معاو ية ابومعاو ية الكوفی صدوق من رجال الستة الاالبخاری قال الذهبی وثقه احمد وابن معين وابوحاتم والناس وماعلمت احدا تكلم فيه الا العقيلی فتعلق عليه بما سأله ابوبكر بن عياش اسمعت عن سعيد بن جبير قال لاقال فاذهب.اهـ.

ابوسفیان حمیری سعید بن یحییٰ ہیں جو صدوق، وسط اور بخاری کے رجال میں سے ہیں۔ حافظ مُنذری نے الترغیب والترہیب میں کہا کہ وہ ثقہ مشہور ہیں۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان لوگوں کی تعیین کے بیان میں جن کے نام مجہول اور مبہم ہیں ابوشبرمہ سے متعلق کہا کہ اس کا نام عبداللہ بن شبرمہ ہے اس نے خمر کے معاملے میں ثقہ سے روایت کی یہ ثقہ کون ہے اس کا بیان دوسری روایت میں آچکا ہے کہ وہ عمار الدھنی ہے الخ عمار وہ ابن معاویہ ابومعاویہ کوفی، صدوق اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے سوائے بخاری کے۔ ذہبی نے کہا کہ اس کو احمد، ابن معین، ابوحاتم اور دیگر لوگوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس میں کلام کیا ہے سوائے عقیلی کے۔ چناں چہ عقیلی نے اس پر یہ جرح کی کہ اس سے ابوبکر بن عیاش نے پوچھا کہ کیا تو نے سعید بن جبیر سے سنا اس نے کہا نہیں تو ابوبکر نے کہا کہ جا۔

عمار دہنی پر امام عقیلی کے تبصرہ پر کلام فرماتے ہوئے اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

قلت: وناهيك توثيق الائمة وانه شيخ شعبة والسفيانين ولاعليك من دندنة العقيلى فقد اخذ يلين ذاك الجبل الشامخ على بن المدينى الذى قال فيه البخارى ما استصغرت نفسى الا عنده وقد اورد الامام موسى الكاظم فى الضعفاء فحسبنا الله ولاحول ولاقوة الا بالله، وبالجملة ان كان ابن شبرمة يرسله تارة ويبهم اخرى ويبين مرة فتبين العدل فكان ماذا.

ائمۂ کرام کا عمار دہنی کی توثیق کرنا تیرے لیے کافی ہے، وہ شعبہ اور سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری کے شیخ ہیں اور عقیلی کی بھنبھناہٹ کی طرف توجہ نہ دے وہ تو علی بن مدینی جیسے بلند پہاڑ کو بھی نرم اور کمزور قرار دیتے ہیں (یعنی ان کو بھی ضعیف کہتے ہیں) جن کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا میں نے صرف علی بن مدینی کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھا اور امام عقیلی نے موسی کاظم کو بھی ضعفا میں شمار کرایا اس لیے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں نہ نیکی کرنے کی طاقت، خلاصہ یہ کہ ابن شبرمہ کبھی اس میں ارسال کرتے ہیں کبھی اس کو مبہم بیان کرتے ہیں کبھی اس کو ظاہر کرتے ہیں اور درمیان میں جو عادل راوی ہیں ان کی وضاحت ہوگئی تو اب کیا رہا؟

امام ابو عبدالرحمن نے پھر اس روایت کو ہُشیم کی وجہ سے ضعیف قرار دیا اور کہا کہ ہشیم بن بشیر تدلیس کرتے تھے اور ان کی حدیث میں ابن شبرمہ سے سماع کا ذکر نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

ہشیم ثقہ، ثبت اور اصحاب ستہ کے رجال میں سے ہیں اور ان کا اس حدیث کو سننا ابن شبرمہ سے ثابت ہے۔ چناں چہ ابوبکر بن ابوخیثمہ کی تخریج میں اس کا تذکرہ ہے:

حدثنا ايوب عن يزيد بن هارون عن قيس ثنابى ثنا هشيم اخبرنى ابن شبرمة عن عبدالله بن شدّاد عن ابن عباس قال حرمت الخمر بعينها قليلها وكثيرها و السكر من كل شراب.

وقد علمت من كلام البزار ان عامة الحفاظ انما رووه عن ابن شبرمة عن ابن شداد ولم يدخل بينهما رجلا الا هُشَيم حيث عنعن ووافق الجماعة حيث نص على سماع نفسه من ابن شبرمة وسماع ابن شبرمة من ابن شداد صحيح فاذن انما كان الاولى بالطرح كونه بواسطة انه لم يثبت بسند يثبت.

بزار کے کلام سے یہ معلوم ہو چکا کہ عام حفاظ نے اس کو ابن شبرمہ سے روایت کیا انھوں نے ابن شداد سے ان دونوں کے درمیان ہشیم کے علاوہ کسی نے دوسرے کو داخل نہیں کیا ہے۔ ہشیم نے جہاں عنعنہ کے طور پر حدیث بیان کی اس میں انھوں نے ابن شبرمہ اور ابن شداد کے درمیان ایک راوی کا ذکر کیا اور جہاں انھوں نے (اخبرنی ابن شبرمہ کہہ کر) ابن شبرمہ سے خود سننے کی صراحت کی وہاں جماعت کی موافقت کی (یعنی ابن شبرمہ اور ابن شداد کے درمیان کسی اور کا ذکر نہ کیا) اور ابن شبرمہ کا ابن شداد سے سماع صحیح ہے اس لیے ان کی روایت کے بالواسطہ ہونے کا تذکرہ زیادہ قابل اسقاط تھا کیوں کہ یہ کسی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ [1]

یہ امام نسائی کی ایک جرح پر تفصیلی کلام ہے، اس کے بعد دوسری جرح کو ذکر کر کے اس کی بھی زبردست تنقید ہے۔ بخوف طوالت یہاں ترک کرتا ہوں۔

ملاحظہ ہو فتاوی رضویہ جلد دہم ص ۴۷ تا ۷۶-اشاعت رضا اکیڈمی، ممبئی۔

---

(۱) فتاوی رضویہ ج،۱۰ص:۶۹-۷۴

تخریج احادیث

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری مختلف علوم وفنون کی طرح علم حدیث اوراسماء الرجال پر بھی عبور رکھتے تھے فتاوی رضویہ جہاں علم فقہ کا گنجینہ ہے وہیں علم حدیث اوراسماء الرجال کامخزن بھی ہے۔

شراب اور مسکر اشیا کے استعمال کے بارے میں حضرت امام محمد اور شیخین کا اختلاف ہے۔ شیخین کے نزدیک انگوری اور کھجور کی شراب کے علاوہ مقدارِ مسکر سے کم حلال اور پاک ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مطلقاً حرام اور ناپاک ہے اوراسی قول پر فتوی ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے شیخین کے مذہب کی قوت اوراس کی پختگی کو ثابت کرنے کے لیے بہت سی حدیثیں پیش فرمائی ہیں پھران کی مزید تخریج بھی کی ہے چند مثالیں پیش ہیں:

﴿۱﴾

امام جلیل ابو جعفر طحاوی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ کی ایک لمبی حدیث بیان کی ہے جس سے انگور اور کھجور کی شراب کی حرمت اور باقی کی حلت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی ذکر کی ہے کہ حضرت عمر کی بارگاہ میں نبیذ لائی گئی توآپ نے نوش فرمائی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس کی مزید تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت: ورواه ابن ابی شيبة حدثنا ابوالاحوص عن ابی اسحٰق عن عمروبن ميمون قال قال عمر انا نشرب هذا الشراب الشديد لنقطع به لحوم الابل فی بطوننا ان تؤذينافمن رابه من شرابه شيء فليمزجه بالماء.

حدثنا وكيع حدثنا اسمٰعيل بن ابی خالد عن قيس بن ابی حازم ثنی عتبة بن فرقد قال: قدمت علی عمرفدعا بشراب من نبيذ قد كاد أن يصير خلاً فقال: اشرب فاخذته فشربته فما كدت ان اسيغه ثم اخذه فشربه ثم قال ياعتبة انانشرب هذا النبيذ الشديد لنقطع به لحوم الابل فی بطونناان تؤذينا.

حضرت عمر بن میمون نے فرمایاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایاہم یہ سخت شراب پیٹوں میں اونٹ کے گوشت کی اذیت کوختم کرنے کے لیے پیتے ہیں جس کواپنی شراب میں (نشہ کا) شک ہواس میں پانی ملالے۔

حضرت عتبہ بن فرقد نے بیان کیاکہ میں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہواتوآپ نے نبیذ منگوائی جو سرکہ ہونے کے قریب تھی اور فرمایاپیومیں نے اس کو پیاتوخوش گوارنہ لگی پھر آپ نے اس کو پیااور فرمایا:اے عتبہ!ہم یہ سخت نبیذاس لیے پیتے ہیں کہ ہمارے پیٹوں میں اونٹوں کے گوشت کی ایذارسانی ختم ہوجائے۔

پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے رُوات کی ثقاہت کوبیان کیاہے:

قلت: واسمٰعیل هذاهوالامام الحافظ المتفق علی جلالته احمسی، کوفی، ثقة، ثبت، من رجال الستة وحفاظ التابعین وقیس من لایجهل امام ثقة حافظ جلیل مخضرم کوفی من رجال الستة واکابر التابعین وعتبة بن فرقد رضی الله تعالی عنه صحابی نزل الکوفة فالحدیث صحیح علی شرط الشیخین مسلسل بالکوفیین من لدن ابی بکر الی اٰخرالسند.

یہ اسمٰعیل وہی ہیں جوامام حافظ ہیں ان کی بزرگی پراتفاق ہے احمسی،کوفی،ثقہ ثبت صحاح ستہ کے رجال اور حفاظ تابعین میں سے ہیں،اورقیس معروف ہیں وہ امام ثقہ حافظ جلیل مخضرم کوفی صحاح ستہ کے رجال اوراکابر تابعین میں سے ہیں۔

عتبہ بن فرقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں جوکوفہ میں قیام پذیر ہوئے یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے جس کے راوی ابوبکر سے لے کرآخر سند تک مسلسل کوفی ہیں۔

﴿۲﴾

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فہد کی سند سے ایک دوسری حدیث روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص پیاساتھا حضرت عمر کے خازن کے پاس آیااور پانی مانگاتواس نے پانی نہیں دیاپھر حضرت عمر کے پاس ایک مشکیزہ لایاگیااس شخص نے اس میں سے پیاتواسے نشہ آگیا وہ حضرت عمر کے پاس لایاگیا تواس نے عذر طلب کرتے ہوئے کہامیں نے توآپ کے مشکیزہ سے پیاتھاتوآپ نے فرمایامیں نشہ کی وجہ سے تجھے کوڑے لگاؤں گا پھر آپ نے کوڑے لگائے۔

اعلیٰ حضرت اس کی تخریج میں اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت! ورواه الدارقطنی فی سننه عن طریق سعید بن ذی لعوة ایضا...

وروی ابوبکربن ابی شیبة فی مصنفه"حدثناعلی بن مسهرعن الشیبانی عن حسان بن مخارق قال بلغنی ان عمربن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه سایر رجلا فی سفروکان صائما فلما افطراھوی الی قربة لعمرمعلقة فیھا نبیذفشرب منھافسکرفضربه عمرالحدفقال له انما شربت من قربتك فقال له عمرانماجلدناك لسکرك.

اس کو دارقطنی نے اپنی سنن میں سعید بن ذی لعوہ سے بھی روایت کیا ہے...

ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت فرمایا کہ ہمیں علی بن مسہر نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص کے ساتھ سفر میں تھے اور وہ روزہ دار تھا جب اس نے افطار کیا تو حضرت عمر کے ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف مائل ہوا، اس میں نبیذ تھی، اس نے اُسے پیا تو نشہ آگیا، حضرت عمر نے اسے حد لگائی، اس نے کہا میں نے آپ کے مشکیزہ ہی سے تو پیا، حضرت عمر نے فرمایا میں نے نشہ کی وجہ سے تجھے کوڑے لگائے۔

اسناد حدیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھذا أمثل طرقه وما یخشی فی البلاغ من الانقطاع فلایضر عندنا وعند الجمھور القابلین للمراسیل.

یہ اس حدیث کے طرق میں سے عمدہ ترین ہے اس کے بلاغ میں انقطاع کا خدشہ مضر نہیں، نہ ہمارے نزدیک نہ جمہور کے نزدیک جو مرسل حدیث کو قبول کرتے ہیں۔[1]

اس حدیث کو امام عبدالرزاق نے بھی اپنے مصنف میں بیان کیا ہے:

اخبرنا ابن جریج عن اسمٰعیل ان رجلا عب فی شراب نبیذ لعمربن الخطاب بطریق المدینة فسکر فترکه عمر (رضی الله تعالی عنه) حتی افاق فحده.

ایک شخص نے مدینہ شریف کے راستے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نبیذ کو ایک ہی سانس میں پی لیا تو اسے نشہ ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے کچھ دیر تک چھوڑا جب افاقہ پایا تو اسے حد لگائی۔

﴿۳﴾

امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں حضرت فہد، حضرت محمد بن خزیمہ اور ابن ابی داؤد کی سند کے ساتھ حضرت عمر کی ایک حدیث بیان فرمائی کہ عبدالرحمٰن بن عثمان نے کہا:

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۶۰، ۵۹

صحبت عمر بن الخطاب الى مكة فاهدى له ركب من ثقيف سطيحتين من نبيذ فشرب عمر احداهما ولم يشرب الاخرى حتى اشتدمافيه فذهب عمر فشرب منه فوجده قد اشتد فقال اكسروه بالماء.

میں نے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کے دوران حضرت عمر بن خطاب کی صحبت اختیار کی۔ قبیلہ بنی ثقیف کے ایک وفد نے آپ کی خدمت میں نبیذ کے دو مشکیزے بطور ہدیہ پیش کیے حضرت عمر نے ان میں سے ایک کو پیا دوسرے کو نہیں پیا یہاں تک کہ اس میں شدت آگئی پھر جب آپ نے اس کو پیا تو اس کو سخت پایا اور فرمایا اس کی سختی کو پانی سے دور کرو۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

قلت: ورواه عبدالرزاق- امام عبدالرزاق نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(۴)

ابوامیہ بغدادی کی سند سے حضرت ابن عمر کی ایک حدیث حضرت امام طحاوی نے نقل فرمائی انھوں نے فرمایا:

شهدت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اتى بشراب فادناه الى فيه فقطب فرده فقال رجل يارسول الله احرام هو فرد الشراب ثم دعا بماء فصبه عليه ذكرمرتين اوثلثا ثم قال اذا اغتلمت هٰذه الاسقية عليكم فاكسروا متونها بالماء.

میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے پاس ایک مشروب لایا گیا آپ نے اس کو اپنے منہ کے قریب کیا پھر ماتھے پر شکن ڈالی اور اس کو رد فرمایا۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ حرام ہے؟ تو حضور ﷺ نے پھر وہ مشروب واپس لیا اور اس میں پانی ڈالا اس کا دو تین بار ذکر کیا پھر فرمایا جب یہ مشکیزے تم پر سخت ہو جائیں تو پانی سے ان کی سختی کو ختم کر دو۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت: ورواه النسائى فى سننه بسندين بمعناه احدهما اخبرنا زيادبن ايوب ثناهشيم اخبرنا العوام عن عبدالمالك بن نافع قال قال ابن عمر، والأخر اخبرنى زياد بن ايوب عن ابى معاوية ثنا ابواسحٰق الشيبانى عن عبدالملك.

اس کو امام نسائی نے اس کے معنی کے ساتھ دو سندوں سے روایت کیا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیں زیاد بن ایوب نے خبر دی انھوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ہشیم نے انھوں نے کہا ہمیں عوام نے عبدالملک بن نافع

سے خبر دی انھوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور دوسری سند یہ ہے کہ مجھے زیاد بن ایوب نے ابومعاویہ سے خبر دی انھوں نے کہا ہم سے ابو اسحاق شیبانی نے عبدالملک سے حدیث بیان کی۔

﴿۵﴾

اسی حدیث کے مثل امام طحاوی نے روایت کی۔ سند یہ ہے:

حدثنا وهب بن عثمان البغدادی ثنا ابوهمام ثنی یحیی بن زکریا بن ابی زائدة عن اسمٰعیل بن أبی خالد ثنا قرة العجلی ثنی عبدالملك ابن اخی القعقاع،عن ابن عمر.

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

قلت بهذا السند رواه ابن ابی شیبة فی مصنفه فقال حدثنا وکیع عن اسمٰعیل بن ابی خالد بنحوه.

اسی سند کے ساتھ اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت فرمایا اور کہا ہمیں وکیع نے اسماعیل بن ابی خالد سے حدیث بیان کی۔

﴿۶﴾

امام طحاوی فرماتے ہیں:

اخبرنا فهدبن محمدبن سعید ثنا یحیی بن الیمان عن سفیٰن عن منصور عن خالد بن سعد عن ابی مسعود رضی الله تعالی عنه قال عطش النبی صلی الله تعالی علیه وسلم حول الکعبة فاستسقی فاتی بنبیذ من نبیذ السقایة فشمه فقطب فصب علیه من ماء زمزم ثم شرب فقال رجل احرام هو فقال لا.

نبی کریم ﷺ کو کعبہ شریف کے پاس پیاس لگی تو آپ نے پانی مانگا چناں چہ آپ کی خدمت میں مشکیزہ سے نبیذ لائی گئی آپ نے سونگھا اور تیوری چڑھائی پھر اس پر زم زم کا پانی ڈالا پھر نوش فرمایا تو ایک شخص نے کہا کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔

اس کی تخریج میں اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

قلت: ورواه النسائی بهذا السند نحوه فقال اخبرنا الحسن بن اسمٰعیل بن سلیمٰن اخبرنا یحیی بن یمان الخ ، ورواه الدارقطنی حدثنا احمدبن عبدالله الوکیل ثنا علی بن حرب نا یحیی بن یمان الخ ورواه عبدالرزاق عن مجاهد مرسلا.

اس کو امام نسائی نے اسی سند کے ساتھ بیان فرمایا اور کہا کہ ہمیں حسن بن اسماعیل بن سلیمان نے خبر دی انھوں نے کہا ہمیں یحییٰ بن یمان نے خبر دی۔ اسی کو دارقطنی نے روایت کیا اور کہا کہ ہم سے احمد بن عبداللہ وکیل نے حدیث بیان کی اور انھوں نے کہا ہم سے علی بن حرب نے انھوں نے کہا ہم سے یحییٰ بن یمان نے حدیث بیان کی۔ اور اس کو امام عبدالرزاق نے مجاہد سے مرسلاً روایت کیا۔[1]

﴿۷﴾

حضرت ابوبکرہ کے طریقے سے حضرت عبداللہ بن عباس کی وفد عبدالقیس کی روایت کو امام طحاوی نے ذکر کیا اور حضرت محمد بن خزیمہ کی روایت کو بھی ذکر کیا۔

اعلیٰ حضرت نے اس کی تخریج یوں کی:

قلت: ورواه ابوداؤد فی سننه...

ورواه عبدالرزاق عن ابی سعید قال کنا جلوساعندالنبی صلی الله تعالی علیه وسلم فقال جاءکم وفد عبدالقیس الحدیث بطوله وفیه فان رابکم فاکسروه بالماء.اھ.

اسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا۔

اور اس کو عبدالرزاق نے ابوسعید سے روایت کیا ابوسعید نے کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا تمھارے پاس وفد عبدالقیس آیا ہے (طویل حدیث ذکر کی) اور اس حدیث میں ہے کہ اگر تمھیں وہ (نبیذ) شک میں ڈالے تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو۔[2]

﴿۸﴾

زیادت احادیث کے عنوان سے امام احمد رضا نے امام نسائی کی روایت کردہ حضرت سوید کے طریق سے حضرت عمر بن خطاب کی یہی حدیث نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا:

اذا خشیتم من نبیذ شدته فاکسروه بالماء قال عبدالله من قبل ان یشتد

حضرت زکریا بن یحییٰ کی روایت بھی ان کی سند کے ساتھ بیان کی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

قلت: ورواه عبدالرزاق والبیهقی. امام عبدالرزاق اور امام بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا۔[3]

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ج،۱۰ص:۶۲

(۲) فتاویٰ رضویہ ج،۱۰ص:۶۴،۶۳

(۳) فتاویٰ رضویہ ج،۱۰ص:۶۴،۶۵

﴿۹﴾

امام نسائی نے سوید بن غفلہ سے اورامام عبدالرزاق اورابونعیم نے ابومجانہ عن عامربن عبداللہ روایت کیاانھوں نے کہا:

قرأت كتاب عمربن الخطاب الى ابى موسى امّا بعد فانها قدمت علیّ عير من الشام تحمل شرابا غليظا اسود كطلاء الابل وانى سألتهم على كم يطبخونه فاخبرونى انهم يطبخونه على الثلثين ذهب ثلثاه الاخبثان ثلث ببغيه وثلث بريحه فَمُرْمن قبلك يشربونه.

میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کامکتوب پڑھاجوحضرت ابوموسی اشعری کے پاس بھیجا گیاتھااس میں آپ نے لکھاکہ میرے پاس شام کاایک قافلہ آیااس کے پاس سیاہ رنگ کی گاڑھی شراب تھی جیسے اونٹوں کاطلا ہوتا ہے، میں نے ان سے پوچھاکہ تم اس کوکس طرح پکاتے ہو، توانھوں نے جواب دیاکہ وہ اس کے دوتہائی کوجلادیتے ہیں جن میں خبث ہے ایک تہائی شرکااورایک تہائی بُوکایعنی ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے توتم اپنی طرف کے لوگوں کوکہ دوکہ اس کوپی لیاکریں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس پرفرماتے ہیں:

قلت: ومن هذا الطريق رواه سعيد بن منصور فی سننه وفيه كتب عمر الى عمار رضى الله تعالى عنهما ثم روى النسائى عن عبدالله بن يزيد الخطمى قال كتب الينا عمربن الخطاب رضى الله تعالى عنه اما بعد فاطبخوا شرابكم حتى يذهب منه نصيب الشيطان فان له اثنين ولكم واحد.

اسی طریق سے اس کوسعیدبن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیاہے، اس میں ہے کہ حضرت عمرنے حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کولکھا(حضرت ابوموسی اشعری کاذکرنہیں ہے)پھرامام نسائی نے اس کوعبداللہ بن یزیدخطمی سے روایت کیاانھوں نے کہاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کولکھا: امابعد، اپنی شرابوں کواس حد تک پکاؤکہ ان سے شیطان کاحصہ جل جائے۔اس کے لیے دوحصے ہیں اور تمھارے لیے ایک حصہ ہے۔

اعلیٰ حضرت مزیداضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت :صححه الحافظ فی الفتح و رواه سعيد بن منصور والبيهقى .

حافظ ابن حجرعسقلانی نے فتح الباری میں اس حدیث کوصحیح قراردیااوراس کوسعیدبن منصوراوربیہقی نے روایت کیا۔[1]

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ص:۶۵

اصلاح و موعظت کا عنصر

﴿۱﴾

ریاست بہاول پور چیف کورٹ کے جج جناب محمد دین نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں یہ استفتا بھیجا کہ ایک شخص واحد بخش مر گیا اس نے کچھ مال کی وصیت اپنی بیوی عالمون کے نام اور کچھ مال کی وصیت شاہ محمد کے نام کی جو اس کے لیے اجنبی ہے لیکن اس اجنبی کے حق میں تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ہے۔ کیا ایسی وصیتیں جائز اور قابل نفاذ ہیں یا ان دونوں میں سے کوئی ناقابل نفاذ ہے؟ اگر دونوں وصیتیں جائز ہیں تو پہلے کون سی وصیت نافذ ہوگی؟ پھر اگر اجنبی کے حق میں کی گئی وصیت کو نافذ کریں تو ثلث مال سے زیادہ ہونے کی وجہ سے وارث کو اعتراض کا حق ہے یا نہیں؟

دل چسپ بات یہ ہے کہ اس استفتا کا جواب آٹھ مفتیوں نے مختلف انداز میں لکھا تمام فتاوے اور سوال اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اس گزارش کے ساتھ ارسال کیے گئے:

”یہ سوالات ہیں جو ابھی تک تصفیہ طلب ہیں نقول فتاوی علمائے منسلکہ مسئلہ مع نقل استفتا و نقل وصیت نامہ خدمت میں مولوی صاحب مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مرسل ہووے اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاوی کو ملاحظہ فرماویں اور ان سوالات حل طلب کے متعلق اپنی رائے کا مع استناد جواب تحریر فرما کر بہت جلد مرحمت فرمادیں مبلغ پانچ روپے بذریعہ منی آرڈر مولوی صاحب کی خدمت میں بھجوا دیے جائیں“۔[1]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا جو جواب عنایت فرمایا وہ جہاں علم و تحقیق کی دولت سے مالا مال ہے وہیں اصلاحِ امت کے جذبے سے بھی لبریز ہے۔ آپ کے فتوے کی ابتدائی سطور علمائے کرام کے لیے نمونۂ عمل ہیں۔ فرماتے ہیں:

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۱۹۶ – ۱۹۵ کتاب الوصایا

"الحمدللہ یہاں فتویٰ پر فیس نہیں لی جاتی اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ منی آرڈر واپس کر دیا سوالات اوران کے متعلق آٹھ فتوے ملاحظہ ہوئے، مفتیوں کے نام نہ لکھنا عجب نہ تھا ایک کے فتوی میں دوسرے کا جوذکر تھا وہ لکھ کر محو کر دیا گیا یا بیاض چھوڑی ہے یہاں اس سے کوئی بحث نہیں بعونہ عزوجل تحقیق سے کام ہے مگر اتنی گزارش مناسب ہے بحمدہ تعالیٰ یہاں مسائل میں نہ کسی دوست کی رعایت ہے، کیا ہمارے رب عزوعلا نے نہ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ بِالۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِكُمۡ۔

نہ کسی مخالف سے ضد اور نفسانیت۔

کیا ہمارے مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے نہ فرمایا: لَا یَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی۔

مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت پھر مصطفی ﷺ کی اعانت سے امید واثق ہے کہ لا یخافون لومۃ لائم سے بہرۂ وافی عطا فرمایا ہے"۔[1]

﴿۲﴾

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے فتاوی جہاں علم وتحقیق کی دولت سے مالا مال ہیں وہیں آپ کے فتاوی میں اصلاح وموعظت کا عنصر بھی خوب پایا جاتا ہے۔ چناں چہ ایک صاحب نے استفتا کے ضمن میں یہ بات تحریر کی کہ مجھے "دنیا کے مال ومتاع اور فرزندان حتی کہ مادر وپدر سے بھی دلچسپی نہیں اگر اطاعت والدین اور تعلیم فرزندان فرض نہ ہوتی تو کسی طرح یہ بار پسند نہ ہوتا حضور ہی کے قدموں پر یہ زندگانی مستعار بسر کی جاتی"۔

آپ ان کو ناصحانہ انداز میں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو اپنی اور اپنے حبیب اکرم ﷺ کی محبت کاملہ میں ابد الآباد تک سرشار رکھے اور اپنی مرضیات کی توفیق دے۔ والدین کی خدمت بچوں کی تربیت یہ بھی عین کار دین ورضاے رب العالمین ہے۔ ریاضت ومجاہدہ نام کاہے کا ہے اسی کا کہ رضاے الٰہی میں اپنی خواہش کے خلاف کرنا۔ خدمت والدین وتربیت اولاد رضاے رب العزت ہے اور اب کہ آپ کی طبیعت ان تعلقات سے بھاگتی ہے رضاے الٰہی کے لیے اس کا خلاف کیجیے یہی ریاضت ہوگی، تعلقات سے نفرت وہ محمود ہوتی ہے جس میں حقوق شرعیہ تلف نہ ہوں ورنہ وہ بے تعلقی نفس کا دھوکا ہوتا ہے کہ اپنی تن آسانی کے لیے شرعی تکالیف سے بچنا چاہتا ہے اور اسے دنیا سے جدائی کے پیرایہ میں آدمی پر ظاہر کرتا ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنا کرلے اور ہمیشہ اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۲۱۴

بخشے اور آپ کے طفیل میں اس نالائق ننگ خلائق کی بھی اصلاح قلب واعمال وتحسین احوال وافعال وتحصیل مرادات وآمال فرمائے اعدائے دین پر مظفر ومنصور رکھے خاتمہ ایمان وسنت پر کرے۔ (۱)

﴿۳﴾

آپ کی بارگاہ میں اس طرح کا ایک سوال آیا کہ زید نے دو شخص بکر وخالد سے روپیہ قرض لیا عدم ادائگی پر بکر قصاب نے زید پر نالش کی۔ زید نے سب روپیہ صرف بکر کو ادا کر دیا خالد کہتا ہے کہ روپیہ زید سے دلوایا جائے کچہری کا حکم ہے کہ ڈگری زید پر ہو اور روپیہ خالد کو بکر سے دلایا جائے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے احکام شرع کے علم اور وسعت مطالعہ کے باوجود شقیں نکال کر اس کا جواب نہیں دیا بلکہ سائل کو تنبیہ کرتے ہوئے مصلحانہ انداز میں فرماتے ہیں:

حضرت والا دامت برکاتہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال بہت مجمل ہے دو شخصوں سے قرض لینا تین طرح ہوتا ہے، سَو روپے بکر نے الگ دیے خالد نے الگ، سَو بکر لایا سَو خالد، وہ ملا کر دونوں نے زید کو دیے، دو سو روپے خالد وبکر کے شرکت عقد کے تھے وہ انھوں نے اسے دیے، اگر یہ نالش یک جائی ہے تو پہلی صورت نہ ہونا بتائے گی وہ جب بھی محتمل رہے گی اور حکم جدا لینا ہے اور ہر شق پر حکم بتا دینا خلاف مصلحت، لہٰذا سائل کو تعیین صورت وتفصیل واقعہ کے ساتھ سوال کرنا چاہیے کہ بعونہ تعالیٰ جواب دیا جائے۔ (۲)

اس جواب میں جہاں سائل کی اصلاح مقصود ہے وہیں یہ بھی بتانا ہے کہ مفتی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ہر سوال کا جواب دے۔

﴿۴﴾

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں ایک سوال یہ ہوا کہ زید نے اپنی کچھ جائداد کرایہ پر دی جس پر کرایہ داروں کا قبضہ ہے پھر اسی جائداد کو بکر کے یہاں رہن رکھ دیا اور بکر نے زید سے قبضہ کی دستاویز بنوالی تو کیا یہ کاغذ بنا دینا ہی بکر کے قبضہ کے لیے کافی ہے؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس کے جواب کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ عوام عموماً اور آج کل کے قانون داں خصوصًا نرے زبانی یا کاغذ کے تلفظ کو قبضہ کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ نہ وہ تخلیہ کے معنی سے آگاہ ہیں نہ اس کی حاجت جانتے

---

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۱۷۸

(۲) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۳۶-۳۷

ہیں۔ زید اگر اپنا مکان جس میں اس کا مال اسباب رکھا ہوا ہے عمرو کو ہبہ کرے اور کنجی اسے دے دے وہ کہیں گے قبضہ دے دیا حالاں کہ ہرگز شرعاً قبضہ نہ ہوا کہ تخلیہ نہ ہوا۔[1]

﴿۵﴾

اہل اللہ کی تجہیز و تکفین فاتحہ وعرس کے لیے کس قدر روپیہ خرچ کرنا چاہیے؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا یہ جواب عنایت فرمایا:

تجہیز و تکفین میں اسی قدر جو مسلمانوں کے لیے صرف ہوسکتا ہے فاتحہ وعرس کے لیے شرع سے کوئی مطالبہ نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم.[2]

﴿۶﴾

قرآن پاک کی قسم کھانے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے، اور سچی بات پر قرآن عظیم کی قسم کھانے میں حرج نہیں اور ضرورت ہو تو اٹھا بھی سکتا ہے مگر یہ قسم بہت سخت کرنا ہے بلاضرورت خاصہ نہ چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.[3]

﴿۷﴾

نافرمان بھائی کو وراثت سے عاق کرنا جائز ہے یا نہیں اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

صورت مذکورہ میں عمرو ضرور عاق وفاسق و مستحق عذاب النار ہے مگر عقوق مانعِ ارث نہیں۔ان اللہ اعطی کل ذی حق حقه.

نہ عاق کردینا شرع میں کوئی اصل رکھتا ہے نہ اس سے میراث ساقط ہو،ہاں اگر زید چاہے تو اپنی جائداد وقف اہلی کردے اور اس میں عمرو کے لیے شرط لگادے کہ اگر وہ اپنے حال کی اصلاح کرے اور ان ان باتوں کا پابند ہو تو اس قدر پائے ورنہ نہ پائے، یوں مقصود زید حاصل ہوسکتا ہے، اور اگر امید اصلاح نہ ہو اور بالکل محروم کردے جب بھی حرج نہیں کہ فاسق کو میراث سے محروم کردینے کی اجازت ہے یہ تو وقف ہے۔[4]

---

(۱) فتاویٰ رضویہ ج۱۰ص:۳۱۵

(۲) فتاویٰ رضویہ ج۱۰ص:۴۴۹

(۳) فتاویٰ رضویہ ج۱۰ص:۴۲۵

(۴) فتاویٰ رضویہ ج۱۰ص:۴۹۷

﴿۸﴾

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے فتاوی علم و تحقیق کے ساتھ ساتھ اصلاح امت اور خیر خواہی کے جذبے سے بھرے ہوتے ہیں آپ کی بارگاہ میں جب کبھی ایسا سوال آیا جو شرعی اصول سے متصادم اور جہالت و نادانی پر مبنی ہو تو آپ نے اصل جواب کے ساتھ ساتھ اصلاح و موعظت کا اسلوب بھی اختیار کیا ہے۔

ایک سوال یہ ہوا کہ ”عورت نے وقت وفات ایک زوجیہ ایک پسر ایک دختر وارث چھوڑے پسر نے بہ نظر ثواب یا بغرض نام آوری خود بصرف مبلغ دو ہزار سات سو بلا مشورت دیگر ورثہ تجہیز و تکفین و فاتحہ، چہلم وغیرہ مورث کا کیا، ورثہ کس قدر ادائے اصرافات کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں ؟[۱]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس کا یہ جواب عنایت فرماتے ہیں:

بقدر سنت غسل و کفن و دفن میں جس قدر صرف ہوتا ہے بقیہ ورثا صرف اسی قدر کے حصۂ رسد کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں فاتحہ، صدقات و سوم و چہلم میں جو صرف ہوا یا قبر کو پختہ کیا یا اور مصارف قدر سنت سے زائد کیے وہ سب ذمۂ پسر پڑیں گے باقی ورثہ کو اس سے سروکار نہیں۔

طحطاوی میں ہے:

التجهيز لايدخل فيه السبخ و الصمدية و الجمع والموائد لأن ذلك ليس من الأمور اللازمة فالفاعل لذٰلك ان كا ن من الورثة يحسب عليه من نصيبه و يكون متبرعاً وكذا ان كان اجنبيا.الخ [۲]

﴿۹﴾

لڑکیوں کو حصہ نہ دینے کے متعلق آپ کی بارگاہ میں سوال ہوا کہ میمن و بورے قوم میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اپنے مال متروکہ سے اپنی لڑکی کو محروم رکھتے ہیں اور جس قدر مال و اسباب ہوتا ہے وہ کل لڑکوں کا حصہ مقرر کر جاتے ہیں بلکہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہنود کے طریقہ میراث پر راضی ہیں اسلام اور شریعت کے مطابق راضی نہیں۔

اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں:

لڑکیوں کو حصہ نہ دینا حرام قطعی ہے اور قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

---

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۴۴۸ کتاب الفرائض
(۲) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۴۴۹

قال اللّٰہ تعالیٰ: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔

ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

من فرعن میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنة.

جو اپنے وارث کو میراث پہنچنے سے بھاگے اللہ تعالیٰ جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا اور جنھوں نے یہ لفظ کہے یا لکھے ہیں کہ وہ رسم ہنود پر راضی ہیں اور حکم شریعت پر راضی نہیں وہ نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔ (۱)

﴿۱۰﴾

آپ کی بارگاہ میں یہ استفتا پیش کیا گیا کہ جو بکثرت درود شریف پڑھتا ہو لیکن حقہ بھی پیتا ہو تو کیا حضور ﷺ کی زیارت سے وہ مشرف ہوگا؟ آپ نے اس کو مصلحانہ جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

دَم لگانا جس سے ہوش وحواس میں فرق آتا ہے حرام ہے اور سادہ حقہ ہرگز حرام نہیں، نہ اس کا پینا کسی طرح کا گناہ ہے، ہاں اگر بُو رکھتا ہے تو خلاف اولیٰ ہے جیسے کچی پیاز کھانا، اور یہ جاہلانہ خیالات کہ حقہ پینے والا زیارت اقدس حضور پر نور رحمۃ للعالمین ﷺ سے معاذاللہ محروم ہے یا حضور رحمت عالم ﷺ معاذاللہ اس کا تحفۂ درود شریف قبول نہ فرمائیں گے، یہ سب دروغ بے فروغ اور حضور سید عالم ﷺ پر افترا ہے، بہت بندگان خدا حقہ پینے والے خواب میں زیارت جمال جہاں آرائے حضور اقدس ﷺ سے بارہا مشرف ہوئے اور حضور رؤف ورحیم ﷺ نے غایت کرم ومہربانی کے کلمات ارشاد فرمائے۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔

[اے محبوب! فرمادو اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انھیں بھی روک رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں، اور آدمی بڑا کنجوس ہے۔]

اگر بادشاہ بر در پیر زن ... بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

[اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آئے تو اے سردار! تو مونچھیں مت اکھاڑ] ہاں وردِ درود مبارک کے وقت حقہ نہ پیے اور پی چکا ہو تو کلی مسواک سے منہ صاف کرکے وِرد شروع کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲)

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۴۶۴

(۲) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۴۹

﴿۱۱﴾

رہن کی موجودہ صورت کے بارے میں اعلیٰ حضرت سے سوال ہوا کہ مال مرہونہ سے مرتہن کا نفع اٹھانا جائز ہے؟

اعلیٰ حضرت نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

مواضعات کا دخلی رہن جیسا کہ آج کل رواج ہے قطعی حرام ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا:

کل قرض جر منفعة فھو ربا. جس قرض سے نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔

مال مرہونہ سے کسی قسم کا نفع اٹھانا مرتہن کو جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

﴿۱۲﴾

ایک مسئلہ یہ ہے کہ زید کی وراثت اس کے دو بیٹوں عمرو اور بکر کے درمیان ہے بکر اپنا حصہ تنگ دستی کے باعث چار سو روپیہ میں فروخت کر رہا ہے عمرو نے زبردستی اس سے تین سو روپے میں خرید لیا ایک سو روپیہ نقد دے دیا اور دو سو روپے کے عوض عمرو نے اپنا مکان سکونت بکر کے پاس رہن رکھ دیا پھر بکر نے وہ مکان تین روپے ماہانہ کرایہ پر دے دیا۔ بکر کو وہ کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صحت بیع اگر بکر نے مکان مرہون باجازت عمرو کرایہ پر دیا تو رہن باطل ہو گیا اور زر کرایہ عمرو کو ملے گا بکر کا اس میں کچھ حق نہیں اور جو عمرو کی اجازت نہ تھی تو زر کرایہ بکر کا ہے مگر اس کے لیے وہ مال طیب نہیں زر خبیث کو اپنے صرف میں نہ لائے مانع اجابت دعا ہوتا ہے کما فی الحدیث، بلکہ تصدق کر دے یا مالک کو دے دے کما فی غمزالعیون للحموی عن البزازیة ونحوہ فی الھندیة عن فتاوی قاضی خان.[1]

﴿۱۳﴾

اولاد کو عاق کرنا یعنی اپنی زمین جائداد سے بے دخل کرنا کوئی شرعی چیز نہیں بعض لوگ ذرا ذرا سی بات پر اپنی اولاد سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتے ہیں اس طرح کا یہ سوال ہوا کہ ایک شخص اپنی منکوحہ کے فرزند کو اس کے اعمال بد کی وجہ سے عاق کرنا چاہتا ہے اور اپنی ساری جائداد غیر منکوحہ عورت کی اولاد میں تقسیم کرنا چاہتا ہے اس صورت میں

---

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۲۸۵ کتاب الرہن

غیر منکوحہ کی اولاد کو اپنی جائداد دینا اور اپنی اولاد کو محروم رکھنا کیسا ہے اور عاق کرنے کے لیے کون سے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس جاہلانہ خیال کا مصلحانہ جواب عنایت فرمایا ہے چناں چہ فرماتے ہیں:

بے علموں کے ذہن میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کا علاقۂ زوجیت قطع کرنے کے لیے شرع مطہر نے طلاق رکھی ہے کہ اس کا اختیار بدست شوہر ہے اور اس کے لیے کچھ الفاظ ہیں کہ جب شوہر سے صادر ہوں طلاق واقع ہو یوں ہی اولاد کا علاقۂ ولدیت قطع کرنے کے لیے عاق کرنا بھی کوئی شرعی چیز ہے جس کا اختیار بدست والدین ہے اور اس کے لیے بھی کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ والدین ان کا استعمال کریں تو اولاد عاق ہو کر ترکہ سے محروم ہو جائے۔ مگر یہ محض تراشیدہ خیال ہیں جس کی اصل شرع مطہر میں اصلاً نہیں، نہ علاقۂ ولدیت وہ چیز ہے کہ کسی کے قطع کیے منقطع ہو سکے، مگر معاذ اللہ بحالت ارتداد۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ. شرع میں عقوق ناحق نافرمانیِ والدین کو کہتے ہیں کہ یہ کار اولاد ہے، جو شخص اپنے ماں باپ کا حکم بے عذر شرعی نہ مانے گا یا معاذ اللہ انھیں آزار پہنچائے گا وہی عاق ہے اگرچہ والدین اسے عاق نہ کریں بلکہ اپنی فرط محبت سے دل میں ناراض بھی نہ ہوں مگر کوئی شخص عاق ہونے کے سبب ترکہ سے محروم نہیں ہو سکتا اور جو فرماں برداری والدین میں مصروف رہے اور وہ بے وجہ اس سے ناراض رہیں یا بحکم لاطاعة لاحد فی معصية الله تعالیٰ کسی مخالف شرع بات میں ان کا کہنا مانے اور وہ اس سبب سے ناخوش ہوں تو ہرگز عاق نہیں۔

اور اگر کوئی لاکھ بار اپنے فرماں بردار خواہ نافرمان بیٹے کو کہے کہ میں نے تجھے عاق کیا یا اپنے ترکہ سے محروم کر دیا تو نہ اس کا یہ کہنا کوئی نیا اثر پیدا کر سکتا ہے نہ وہ بدیں وجہ ترکہ سے محروم ہو سکے۔ یہ شخص اگر اپنی جائداد اپنے بیٹے کو محروم کرنے کے لیے ان بے نکاحی عورت کے لڑکوں کو دے دے گا تو دنیا میں یہ کاروائی اس کی اگرچہ چل جائے مگر عند اللہ ماخوذ ہو گا۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: من فرمن میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة .

جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالیٰ اس کی میراث جنت سے قطع کر دے۔ رواہ ابن ماجه عن انس رضی الله تعالیٰ عنه. [1]

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۳۴۱ کتاب الفرائض

﴿۱۴﴾

شریعت وطریقت دو جدا جدا چیزیں نہیں لیکن بعض ملاحدہ اس کو شریعت سے الگ بتاتے ہیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں اس کے متعلق اس طرح سوال ہوا:

قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکام شریعت اوراحکام طریقت میں کچھ اختلاف یاتفاوت ہو؟

آپ اس کا یہ مختصر اور جامع جواب عنایت فرماتے ہیں:

یہ محض جھوٹ ہے اور بددینوں کا مذہب ہے، اہل اسلام کے نزدیک جو طریقت شریعت کے خلاف ہو مردود ہے۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی وغیرہ اکابر اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں:

كل حقيقة ردته الشريعة فهى زندقة . والله تعالى اعلم.

جس حقیقت کو شریعت رَد فرمائے وہ بے دینی و دہریت ہے۔[1]

﴿۱۵﴾

ایک سوال ہوا کہ زید ایک یا چند اشخاص کے زرِ نقد کا قرض دار ہے جو اس کی آمدنی ہوتی ہے وہ اس کو بفراغت خرچ کر ڈالتا ہے اور زیادہ دست یاب ہونے پر عمارت بنوانے وتجارت کرنے پر تیار ہو جاتا ہے تقاضا اور وعدہ ہونے پر بھی ادائگی کی فکر نہیں کرتا ہے قرضہ بڑھانے کے خیال میں رہتا ہے، اس عمل پر چند مثالیں ان بزرگان بے نفس کی کہ جو اتفاقیہ جزوی قرض دار رہے ہوں یا کسی مجبوری سے قرضہ کی حالت میں اس دار فانی سے رحلت فرما ہوئے ہوں زید اپنی صفائی میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وعدہ کر لینا میرا کام تھا اور پورا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ پس قرضہ کو بزرگان دین پر اور وعدہ پر قرضہ کی ادائگی کی فکر نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ پر منسوب کرنا کیسا ہے؟ اور اگر اسی ٹال مٹول میں قرض خواہ وقرض دار دونوں فوت ہو گئے تو یوم جزا اور روز حساب کیا اور کیوں کر اس کا معاملہ طے ہوگا؟

آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَيُّ الواجد يُحِلُّ عِرْضَه ومَطْل الغنيّ ظلم.

ہاتھ پہنچتے ہوئے کا ادائے دین سے سرتابی کرنا اس کی آبرو کو حلال کر دیتا ہے یعنی اسے برا کہنا اس پر طعن وتشنیع کرنا جائز ہو جاتا ہے اور غنی کا دیر لگانا ظلم ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص: ۴۵۲

اشباہ والنظائر میں ہے: خلف الوعد حرام-وعدہ جھوٹا کرنا حرام ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اٰية المنافق ثلث اذا حدّث كذب واذا وعد اخلف واذا اؤتُمِنَ خان، اوكما قال صلى الله تعالى عليه وسلم فان الاحاديث فى المعنى كثيرة.

منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے جھوٹ کہے، اور جب وعدہ کرے خلاف کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔

صورت مستفسرہ میں زید فاسق وفاجر، مرتکب کبائر، ظالم، کذّاب، مستحق عذاب ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا القاب اپنے لیے چاہتا ہے، اگر اس حالت میں مر گیا اور دین لوگوں کا اس پر باقی رہا اس کی نیکیاں ان کے مطالبہ میں دی جائیں گی اور کیوں کر دی جائیں گی تقریباً تین پیسہ دین کے عوض سات سو نمازیں باجماعت كما فى الدر المختار وغيره من معتمدات الاسفار والعياذبالله العزيز الغفار جب اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی ان کے گناہ اس کے سر پر رکھے جائیں گے و يلقى فى النّار اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، یہ حکم عدل ہے، اور اللہ تعالیٰ حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں، اور سلف صالحین کے احوال طیّبہ کو اپنے ان مظالم کی سند قرار دینا اور زیادہ وقاحت اور دین متین پر جرأت ہے، اس پر فرض ہے کہ اپنے حال پر رحم کرے اور دیون سے پاک ہو، موت کو دور نہ جانے آگ کا عذاب سہانہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ [1]

﴿۱۶﴾

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ افیون کھانا کیسا ہے اور افیون کھانے والا فاسق و مستحق عذاب ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کی ہمراہی کریں اس کی مدد کریں وہ کیسے ہیں؟ افیونی کو کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کھانے کے علاوہ دام دیے جائیں یا نہیں جب کہ اس کی عادت سے معلوم ہے کہ وہ ان داموں کو افیون میں صرف کرے گا؟

آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

افیونی ضرور فاسق و مستحق عذاب ہے، صحیح حدیث میں ہے:

نهى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن كل مسكر ومفتر.

رسول اللہ ﷺ نے ہر چیز کہ نشہ لائے اور ہر چیز کہ عقل میں فتور ڈالے حرام فرمائی۔

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۳۳،۳۲

رواہ الامام احمد وابوداؤد عن اُمّ المؤمنین ام سلمة رضی اللہ تعالی عنها بسند صحیح.

اور مخالفت شرع میں کسی کی مدد کرنی ہمراہی لینی خود مخالفت شرع کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ ۔

افیونی اگر بھوکا محتاج ہو تو اس کے بھوکے ہونے کی نیت سے کھانا دینے میں حرج نہیں بلکہ ثواب ہے کہ بھوکے کتے کا پیٹ بھرنا باعث اجر ہے آدمی تو آدمی۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: فی کل کبد حراء رطبة اجر.

اور کھانے کے علاوہ دام نہ دیے جائیں جب کہ معلوم ہو کہ انھیں افیون میں صرف کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [1]

﴿۱۷﴾

ایک سوال یہ ہوا کہ زید اپنے ورثا کو محروم الارث کرکے اپنی جائداد موروثی و متروکی و محصولی کو اپنے بعض ورثا کو دے دینا چاہتا ہے۔ آیا بموجب حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زید کا یہ فعل ظلم ہوگا اور وہ شخص ظالم اور گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اور حق تلفی اس شخص نے بعض ورثا کے مقابل میں کی یا نہیں؟

اس کے جواب میں آپ ارقام فرماتے ہیں:

جس وارث کو محروم کرنا چاہتا ہے اگر وہ فاسق معاذاللہ بدمذہب ہو تو اسے محروم کرنا ہی بہتر و افضل ہے۔

خلاصہ ولسان الحکام وفتاویٰ عالم گیریہ میں ہے:

لوکان ولده فاسقا واراد ان یصرف ماله الی وجوه الخیر ویحرمه عن المیراث هذا خیرمن ترکه.

بدمذہب بدترین فساق ہے، فاسق میں یہ خوف تھا کہ مال اعمال بد میں خرچ کرے گا، بدمذہب میں یہ اندیشہ کہ اعانت گمراہی وضلالت میں اٹھائے گا یہ اس سے لاکھ درجے بدتر ہے۔

غنیہ میں ہے: الفسق من حیث العقیدة اشد من الفسق من حیث العمل.

اور اگر ایسا نہیں تو بعض ورثا کو محروم کرنا ضرور ظلم ہے جس کے لیے حدیث صحیح نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "لاتشهد نی علی جور" کافی۔

ابن ماجہ کی حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص:۴۹

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة.

جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالیٰ روز قیامت جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے۔

وھوعند الدیلمی عنه رضی الله تعالیٰ عنه بلفظ من زوی میراثاعن وارثه زوی الله عنه میراثه من الجنة.(۱)

﴿۱۸﴾

روافض کے وارث ہونے نہ ہونے کے متعلق ایک سوال کا تفصیلی جواب دینے کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مسلمانوں کے ایمان وعقائد کے تحفظ کے لیے جواب کے تتمہ میں چند کارآمد تنبیہات بھی درج کی ہیں آپ فرماتے ہیں:

مسلمانو! اصل مدار ضروریات دین ہیں اور ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالخصوص ان پر کوئی نص قطعی اصلاً نہ ہو جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا کہ منکر یقیناً کافر مثلاً عالم بجمیع اجزائہ حادث ہونے کی تصریح کسی نص قطعی میں نہ ملے گی۔ غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حدوث ارشاد ہوا ہے مگر باجماع مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے جس کی اسانید کثیرہ فقیر کے رسالہ "**مقامع الحدید علی خدا لمنطق الجدید ۱۳۰٤ھ**" میں مذکور تو وجہ وہی ہے کہ حدوث جمیع ماسوی اللہ ضروریات دین سے ہے کہ اسے کسی ثبوت خاص کی حاجت نہیں۔

اعلام امام ابن حجر ص ۱۷ میں ہے:

زاد النووی فی الروضة ان الصواب تقییده بما اذا جحد مجمعاً علیه یعلم من الاسلام ضرورة سواء کان فیه نص ام لا.

یہی سبب ہے کہ ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی اور شک نہیں کہ قرآن جو بحمد اللہ تعالیٰ شرقاً غرباً قرناً فقرناً تیرہ سو برس سے آج تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود و محفوظ ہے باجماع مسلمین بلاکم و کاست وہی "تنزیل رب العالمین" ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہنچائی اور ان کے ہاتھوں میں ان کے ایمان ان کے اعتقاد ان کے اعمال کے لیے چھوڑی، اسی کا ہر نقص وزیادت وتغییر وتحریف سے مصون ومحفوظ، اور اس کا وعدہ حقہ صادقہ '' وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ '' میں مراد و ملحوظ ہونا ہی یقیناً ضروریات دین سے ہے نہ یہ کہ قرآن جو تمام جہان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تیرہ سو برس سے آج تک ہے یہ تو نقص وتحریف سے محفوظ نہیں، ہاں ایک وہم

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۴۵۵، ۴۵۴ کتاب الفرائض

تراشیدہ صورت ناکشیدہ دندان غول کی خواہر پوشیدہ غار سامرّا میں اصلی قرآن بغل ستمان میں دبائے بیٹھی ہے "وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ" کا مطلب یہی ہے یعنی مسلمانوں سے عمل تو اسی محرف مبدل ناقص نامکمل پر کرائیں گے اور اس اصلی جعلی کو۔ع

برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر

کی کھوہ میں چھپائیں گے، گویا "حَافِظُوْنَ" کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کو مسلمانوں سے محفوظ رکھیں گے، انھیں اس کی پرچھائیں نہ دکھائیں گے، بعض ناپاکوں نے اس سے بڑھ کر تاویل نکالی ہے کہ قرآن اگرچہ کتنا ہی بدل جائے مگر علم الٰہی ولوح محفوظ میں تو بدستور باقی ہے، حالاں کہ علم الٰہی میں کوئی شے نہیں بدل سکتی، پھر قرآن کی کیا خوبی نکلی۔ توریت وانجیل درکنار، مہمل سے مہمل ردی سے ردی کوئی تحریر جس میں مصنف کا ایک لفظ ٹھکانے سے نہ رہا بلکہ دنیا سے سراسر معدوم ہوگئی ہو علم الٰہی ولوح محفوظ میں یقیناً بدستور باقی ہے، ایسی ناپاک تاویلات ضروریات دین کے مقابل نہ مسموع ہوں، نہ ان سے کفر وارتداد اصلاً مدفوع ہوں ان کی حالت وہی ہے جو نیچریہ نے آسمان کو بلندی جبرئیل وملائکہ کو قوت خیر، ابلیس وشیاطین کو قوت بدی، حشر ونشر وجنت ونار کو محض روحانی نہ جسدی بنالیا۔ قادیانی مرتد نے خاتم النبیین کو افضل المرسلین، ایک دوسرے شقی نے نبی بالذات سے بدل دیا، ایسی تاویلیں سن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعًا درہم برہم ہوجائیں، بت پرست لا الٰہ الا اللہ کی تاویل کرلیں گے کہ یہ افضل واعلی میں حصر ہے یعنی خدا کے برابر دُوسرے خدا نہیں وہ سب خداؤں سے بڑھ کر خدا ہے نہ یہ کہ دوسرا خدا ہی نہیں جیسے: لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار وغیرہ محاوراتِ عرب سے روشن ہے یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ ایسے مرتد ان لیام مدعیان اسلام کے مکرو اوہام سے نجات و شفا ہے۔و باللہ التوفیق والحمد للہ رب العٰلمین.[1]

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۵۲۶ - ۵۲۷

اصول و ضوابط کی ایجاد

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے اپنی خداداد بصیرت اور علمی جلالت سے جہاں فقہی مسائل کی لاینحل گتھیاں سلجھائی ہیں وہیں بہت سے اصول و ضوابط کی ایجاد بھی کی ہے۔

﴿۱﴾

جو لوگ افیون کھانے والے کی مدد کریں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس کا نفیس جواب دیتے ہوئے ایک اصول بھی بیان کیا ہے آپ رقم طراز ہیں:

اور مخالفت شرع میں کسی کی مدد کرنی ہمراہی لینی خود مخالفت شرع کرنی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَّ لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔

افیونی اگر بھوکا محتاج ہو تو اس کے بھوکے ہونے کی نیت سے کھانا دینے میں حرج نہیں بلکہ ثواب ہے کہ بھوکے کتے کا پیٹ بھرنا باعث اجر ہے آدمی تو آدمی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: فی کل کبد حراء رطبة اجر.[1]

﴿۲﴾

وصیت مفید ملک ہے کسی نے وصیت کی کہ یہ انگوٹھی زید کے لیے ہے اس کا نگ عمرو کے لیے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس مسئلہ کی فکر انگیز تحقیق پیش کی ہے بلکہ ضمناً ایک اصول بھی بیان کیا ہے، آپ تفصیلی جواب دیتے ہوئے فائدہ نمبر ۳ر کے تحت فرماتے ہیں:

وصیت شَے اگرچہ وضعاً تملیک منفعت شے نہیں مگر التزاماً ضرور مفید تملیک منفعت شے ہے ولہٰذا اگر پہلے عمرو کے لیے وصیت منفعت کی اس کے بعد شَے کی وصیت زید کے لیے کی اگر دونوں وصیتیں متّصلاً کیں جب تو منفعت

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۴۹

والے کو منفعت اور رقبہ والے کو رقبہ کہ ایسا کلام متّصل دلیل توزیع و تقسیم ہوتا ہے ولہٰذا اگر کہا کہ یہ انگشتری زید کو دینا اور اس کا نگ عمرو کو یا یہ مکان زید کو دیں اور اس کا عملہ عمرو کو تو باتفاق صاحبین زید کے لیے خالی انگشتری بے نگ اور زمین بلا عمارت ہوگی اور عملہ اور نگ تنہا عمرو کا حالاں کہ انگشتری نگ کو بھی شامل تھی اور مکان میں عملہ بھی داخل تھا۔

کافی میں ہے:

ان اوصی بهذه الامة لفلان وبحملها لآخراو بهذه الدار لفلان وببنائها لآخراو بهذا الخاتم لفلان وبفصه لاٰخر فان وصل فلكل واحد مااوصی (الی قوله) لان ذٰلك بمنزلة دليل التخصيص والاستثناء فيتبين به انه اوجب لصاحب الخاتم الحلقة خاصة دون الفص الاترى انه لواوصی بالجارية واستثنى حملا صح الاستثناء.

اور اگر وصیت رقبہ وصیت منفعت کے بعد کلام مفصول میں کی اور اس میں منفعت کا نام نہ بھی لیا جب بھی مالک رقبہ زید ہوگا اور منفعت عمرو و زید میں نصف نصف ہو جائے گی۔[1]

﴿۳﴾

ماں کا انتقال ہوا اس نے شوہر، باپ دو نابالغ بچوں کو وارث چھوڑا اور ترکہ میں مختلف چیزیں ہیں جیسے کپڑے زیورات وغیرہ تو کیا باپ بچوں کے حصہ کو فروخت کر کے بطور قرض ان کے روپیوں کو استعمال میں لا سکتا ہے؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس کے استعمال کا طریقہ بیان فرمایا ہے:

باپ کو روا ہے کہ بچوں کا مال قرضوں خرید لے یعنی قیمت فی الحال نہ دی جائے گی بلکہ اتنے دنوں کے وعدہ پر مگر روپیہ بیع نہیں ہو سکتا ہاں باپ اپنی حاجت مندی کی حالت میں اس میں سے بقدر ضرورت خرچ کر سکتا ہے اور ان کا روپیہ خود بطور قرض لے لینے کا بھی باپ کو اختیار ہے یا نہیں اس میں علما مختلف ہیں بہت کتابیں جواز کی طرف ہیں باپ اگر دین دار متدین خدا ترس ہو تو اس کے لیے جواز پر فتوی دینے میں کچھ باک نہیں۔

ان بچوں کے مال کے استعمال کا حیلہ بتاتے ہوئے اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

اور اس سب سے بہتر اور خالص بے دغدغہ یہ صورت ہے اگر ممکن ہو کہ اس ترکہ میں نابالغوں کا جتنا حصہ ہے مثلاً اگر سب ترکہ نوسو روپے کی مالیت کا ہے تو بچوں کا حصہ سوا پانسو روپے ہوا اس کے عوض اتنے یا اس سے کچھ خفیف زیادہ مالیت کی اپنی جائداد زمین یا مکان یا دکان یا گاؤں میں سے بچوں کے نام بیع کر دیجیے اور کاغذ لکھ دیجیے کہ

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۲۲۴

باپ برابر قیمت کو بھی اپنا مال بچوں کے ہاتھ بیچ سکتا ہے یوں ترکہ میں جس قدر ان کا حصہ اور زیور واسباب میں ہے سب آپ کا ہوجائے گا جو چاہیے کیجیے پھر وہ جائداد کہ جو بچوں کے نام آپ بیچیں گے اس کے حفظ ونگہ داشت وغور وپرداخت وتحصیل وتصرف کا اختیار بھی بچوں کے بالغ ہونے تک آپ ہی کو ہوگا، اوراگر آپ کے پاس مال نہ ہو تو اس کی آمدنی سے آپ بقدر کفایت اپنے کھانے پہننے کا بھی صرف کر سکیں گے جس میں بچوں کا ضرر نہ ہوگا۔[1]

﴿۴﴾

سوال یہ ہوا کہ وصیت از قبیل معاملات ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں کئی اصول واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تقسیم عبادات ومعاملات میں عبادات سے مطلقاً حقوق اللہ مراد ہوتے ہیں۔ خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے ارکان اربعہ یا قربات محضہ جیسے عتق ووقف حتی کہ نکاح بھی۔ خواہ عبادت یا قربت مع معنی عقوبت جیسے کفارات۔ اور معاملات حقوق العباد ہیں مثل بیع واجارہ وہبہ واعارہ وغیرہ۔ اور یہاں نظر مقصود اصل کی طرف ہے۔ اصل مقصود تقرب الی اللہ ہے تو عبادت ہے، یا مصالح عباد (ہے) تو معاملہ۔

پھر وصیت دو قسم کی ہے، **ایک تملیک:** مثلاً زید یا عمرو یا ابنائے فلاں وغیرہم معین ومحصور اشخاص کے لیے۔ یہ صورت اغنیا وفقرا سب کے لیے ہو سکتی ہے، صورت اولیٰ معاملات سے ہے مثل ہبہ اور ثانیہ عبادات سے مثل صدقہ۔

دوسری: قربت بلا تملیک، مثل وصیت بوقف وعتق ودیگر اعمال پھر وصیت برائے ارباب حاجت غیر محصورین بوجہ عدم انحصار تملیک نہیں ہو سکتی یہ صرف قربت واز قبیل عبادات ہے۔

بالجملہ مطلق وصیت نہ عبادات سے ہے نہ معاملات سے، بلکہ دونوں میں داخل، دونوں کو شامل ہے۔[2]

﴿۵﴾

شرعاً کسی مرض کے مرض الموت ہونے کے لیے دو باتیں درکار ہیں کہ وہ دونوں جمع ہوں تو مرض الموت ہے اور ان میں ایک بھی کم ہو تو نہیں۔

(۱) اس مرض میں خوف ہلاک واندیشۂ موت قوت وغلبہ کے ساتھ ہو اگر اصلاً خوف موت نہیں یا ہے تو ضعیف ومغلوب

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۱۷۹

(۲) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۱۴۹، ۱۴۸

ہے تو مرض موت نہیں اگر چہ اتفاقاً موت واقع ہو جائے۔

(٢) اس غلبۂ خوف کی حالت میں اس کے ساتھ موت متّصل ہو اگرچہ اس مرض سے نہ مرے، موت کا سبب کوئی اور ہو جائے۔

مثلاً زید کو ہیضہ یا طاعون ہو، اور ابھی اسے انحطاط کافی نہ ہوا تھا، خوفِ ہلاک غالب تھا کہ سانپ نے کاٹا مر گیا، یا کسی نے قتل کر دیا۔ تو اُس مرض میں جو تصرفات کیے وہ مرض الموت میں تھے، اگر چہ موت اُس مرض سے نہ ہوئی۔

اور اگر انحطاط کافی ہو گیا تھا کہ غلبۂ خوفِ ہلاک جاتا رہا۔ اور اب اتفاقاً اُسی مرض خواہ دوسرے سبب سے مر گیا تو وہ تصرفات مرض کے نہ تھے اگرچہ حالِ اشتداد میں کیے ہوں کہ انحطاطِ مرض و زوالِ خوف نے اُسے مرض الموت نہ رکھا۔

یوں ہی اگر بحال انحطاط و عدم خوف تصرفات کیے اور اُن کے بعد اشتداد ہو کر خوف، غالب اور ہلاک واقع ہوا تو یہ تصرفات مرض کے نہ ہوں گے کہ بحال غلبۂ خوف نہ تھے، اگرچہ اُن سے قبل و بعد غلبہ تھا۔ [1]

(١) فتاوی رضویہ ج ١٠ ص: ١٦٩

حسن ادب

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے کہا کہ مسکر مشروبات کے قلیل وکثیر پینے پر حد جاری کی جائے گی کیوں کہ یہ سب حرام ہیں۔

امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شراب طلا پینے پر حد جاری فرمائی:

عن سائب فذكر ما اسند مالك عن ابن شهاب عن السائب بن يزيد ان عمر بن الخطاب خرج عليهم فقال انى وجدت من فلان ريح شراب فزعم انه شراب الطلاء وانا سائل عما شرب فان كان مسكرا جلدته فجلده عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه الحد تامّا.

﴿۱﴾

اعلیٰ حضرت نے امام ابوعبدالرحمٰن نسائی پر جو ادب واحترام کے ساتھ نقد فرمایا ہے وہ بعد والوں کے لیے نمونۂ عمل ہے۔ آپ اس انداز میں نقد فرماتے ہیں:

أقول: رحم الله ابا عبدالرحمٰن كان مذهب اميرالمؤمنين تحليل القليل والحد فى الكثير اما سمعت الى قوله فى جواب المعتذر انما شربته من قربتك انما جلدناك لسكرك فان جلد فى السكر فاين الدليل على حرمة القليل و ليت شعرى متى رجع وقد شربه فى طعنته التى انتقل فيها الى الفراديس العُلىٰ.

اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمن پر رحم فرمائے۔ امیرالمومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ قلیل حلال ہے اور حد کثیر میں جاری فرمائی۔ کیا آپ نے امیرالمومنین کا وہ جواب نہیں سنا جو انھوں نے اس شخص کو دیا جس نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ میں نے آپ کے مشکیزے سے شراب پی ہے، جواب یہ تھا کہ ہم نے تجھے نشہ کی وجہ سے کوڑے لگائے ہیں تو اس

میں قلیل کی حرمت پر دلیل کہاں سے آئی؟ کاش مجھے معلوم ہو کہ امیر المومنین نے رجوع کب فرمایا حالاں کہ آپ نے اسے نیزے کے اس زخم کے موقع پر نوش فرمایا جس زخم میں آپ فردوس اعلیٰ کی طرف منتقل ہوئے۔(1)

﴿۲﴾

اسی طرح حضرت ابوشبرمہ کی ایک روایت میں قلیل شراب کی تحلیل پر دلیل ملتی ہے۔ اس کے مقابلے میں شریک کی روایت اس کے برخلاف ہے اس پر قلیل وکثیر کو حرام قرار دینے والے محدثین عظام نے شریک کی روایت کی توثیق کی اور ابوشبرمہ کی روایت پر جرح کیا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس پر فرماتے ہیں جو حسن ادب سے لبریز ہے:

أقول: رحم الله هٰؤلاء المحدثين لوانا قدمنا رواية الامام العابد الفاضل شريك الذى كان يخطى كثيراوقد تغير ولم يحتج البخارى ولامسلم فى شيء من الاصول .الخ.

اسی طرح امام نسائی نے فرمایا کہ ہمیں عبید اللہ بن سعید نے ابواسامہ سے حدیث بیان کی کہ میں نے حضرت ابن مبارک کو یہ کہتے سنا کہ میں نے نشہ آور نبیذ کے بارے میں سوائے ابراہیم کے کسی سے رخصت نہیں پائی۔ اعلیٰ حضرت نے اس قول پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:

أقول: رحم الله الامام الجليل و نفعنا ببركاته فى الدنيا والاٰخرة بلى قد صح عن اميرالمومنين عمر وقد مرحديث مالك عن داؤد بن الحصين من رجال الستة .الخ.(2)

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۷۲

(۲) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۸۰ الفقه التسجيلى.

لغزش و خطا پر تنبیہ

ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ ورثہ میں سے کوئی اگر متروکہ اشیا میں سے کسی پر وارثین سے باہم صلح کر کے لے لے تو کیا بقیہ جائداد میں بھی اس کا حصہ ہے؟ مسئلہ کی پوری تصویر استفتا کی شکل میں پیش ہے:

اعلیٰ حضرت مجدّد مائۃ حاضرہ دام ظلکم العالی

وقت قدم بوسی خادم نے مسئلہ پوچھا تھا کہ قمر علی نے زوجہ لطیفن بیگم اور حقیقی بہن فاطمہ بیگم اور حقیقی بھتیجا اسد علی اور مکان وزیور واثاث البیت مجموع تین ہزار روپے کا اور اکیس ہزار کے نوٹ چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے مہر معاف کر دیا تھا اور وہ برضائے فاطمہ بیگم واسد علی اپنے حصہ ترکہ کے عوض مکان وزیور واثاث البیت پر قابض رہیں اور باہم وارثان میں اقرار نامہ لکھا گیا کہ فاطمہ بیگم واسد علی کا ان اشیا میں اور لطیفن بیگم کا زر نقد مذکور میں کوئی حصہ باقی نہ رہا، اب وہ نوٹ فاطمہ بیگم واسد علی میں کس حساب سے تقسیم ہوں؟ حضرت نے فرمایا کہ چودہ ہزار کے نوٹ فاطمہ بیگم اور سات ہزار کے نوٹ اسد علی کو ملیں۔ چناں چہ خادم نے اسی کے مطابق تقسیم کرا دیے، دوسرے روز اسد علی آئے اور کہا میرا حق زیادہ چاہیے مجھے اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کا نقصان ہے، اور فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب جلد اول مطبع علوی ص ۱۰، ۱۱ کی عبارت پیش کی کہ اس کی رو سے روپیہ مجھ میں اور فاطمہ بیگم میں نصف نصف تقسیم ہونا چاہیے۔

اس کے بعد فتوی مولوی عبدالحی صاحب کی عبارت پیش ہے:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید انتقال کرد و ورثہ گزاشت یکے ہم شیرہ عینیہ مسمی بہ رابعہ و سہ برادرزادیاں مسمّٰی فاطمہ وزینب وکلثوم ویک برادرزادہ حقیقی مسمیٰ بکر ویک زوجہ مسماۃ خدیجہ کہ جملہ ورثہ مذکورہ صلبی اوراحصہ ہشتم دادہ راضی کردہ اند پس بقیہ متروکہ زید چگونہ تقسیم باید؟

الجواب. ھو المصوب بعد تقدیم ماتقدم علی الارث ورفع موانع بقیہ ترکۂ زید تقسیم بدوسہم شدہ یک سہم ازاں بہ ہم شیرۂ حقیقی ویک سہم بہ برادر زادہ خواہد شد باقی ورثہ محجوب خواہند شد۔ واللہ اعلم بالصواب.

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جہاں اس سوال کا مفصل جواب دیا ہے وہیں مولانا عبدالحی صاحب کے فتوائے مذکور کی غلطی کی نشان دہی بھی فرمائی ہے آپ کا جواب ملاحظہ ہو:

حق وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا تھا، مولوی صاحب سے سخت لغزش واقع ہوئی ہے اس صورت کو فقہ میں تخارج کہتے ہیں کہ ورثہ باہم بتراضی صلح کرلیں کہ فلاں وارث اپنے حصہ کے عوض فلاں شے لے کر جدا ہوجائے، اس کا حاصل یہ نہیں ہوسکتا کہ گویا وہ وارث کہ جدا ہوگیا سرے سے معدوم تھا کہ بقیہ ترکہ کی تقسیم اس طرح ہو جو اس کے عدم کی حالت میں ہوتی۔ اس نے ترکہ سے حصہ پایا ہے تو معدوم کیوں کر قرار پاسکتا ہے کہیں معدوم وقت موت المورث کو بھی ترکہ پہنچا ہے؟ بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں جتنے سہام کل ورثہ کے لیے تھے ان میں سے اس وارث نے اپنے سہام پالیے اب باقی میں باقی وارثوں کے سہام رہ گئے تو واجب ہے کہ وہ باقی ان بقیہ کے (اتنے اتنے) سہام ہی پر تقسیم ہو جس جس قدر انھیں اصل مسئلہ سے پہنچے تھے یہاں کہ مورث نے ایک زوجہ ایک بہن ایک بھتیجا چھوڑا مسئلہ چار سے ہوا ایک زوجہ، دو بہن، ایک بھتیجے کا، زوجہ ترکہ سے اتنا مال لے کر جدا ہوگئی تو چار میں سے اس کا ایک ادا ہولیا باقی تین رہے جن میں دو بہن کے ہیں اور ایک بھتیجے کا، تولازم ہے کہ باقی مال یوں ہی تقسیم ہو، بہن کو دو، بھتیجے کو ایک، نہ کہ دونوں کو نصفا نصف کہ اس تقدیر پر بہن کا حصہ نصف باقی بعد فرض الزوجہ ہوجائے گا یعنی زوجہ کا حصہ نکال کر جو بچا اس کا آدھا حالاں کہ نص قطعی قرآن عظیم سے بہن کا سہم نصف کل متروکہ تھا۔

قال اللہ تعالیٰ: اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ

لاجرم یہ سراسر غلط اور حسب تصریح علمائے کرام خلاف اجماع ہے۔

مولوی عبدالحی صاحب کے فتویٰ سے صورت مسئولہ کا حل یہ نکلتا تھا کہ تخارج کی صورت میں وہ وارث محجوب ہوجاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان کی اس غلطی کی نشان دہی فرمائی پھر آگے اس مسئلہ کی مزید توضیح فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تخارج میں تین صورتیں پائی جاتی ہیں:

پہلی صورت یہ کہ وارث جو کچھ لے کر الگ ہو رہا ہے وہ اس کے مقررہ حصے کے برابر ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس کے حصۂ مقررہ سے کم ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اس کے حصے سے زیادہ ہے۔

پہلی صورت میں حقیقۃً کوئی نزاع ہی نہیں بقیہ ورثہ میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ برابر ملنا چاہیے۔ دوسری صورت میں جب کہ وہ کم پر راضی ہو گیا تو اس کے بچے ہوئے مال سے ہر ایک کو بطور مشاع برابر ملنا چاہیے۔ تیسری صورت میں جب کہ مقررہ حصہ سے زیادہ مال لیا ہے تو وہ تمام ورثہ کی رضا سے ہے اس لیے ہر وارث کے حصے سے حصہ کی مقدار کم ہوگا۔

تفصیل کے لیے فتاوی رضویہ کی عبارت پیش ہے:

زیادہ ایضاح چاہیے باآں کہ مسئلہ خود آفتاب کی طرح واضح ہے تو یوں سمجھیے کہ یہاں تین صورتیں ہیں:

اول یہ کہ وہ مال ترکہ جو ایک وارث لے کر جدا ہوا اس کے اصل استحقاق سے کم ہو جیسا یہاں واقع ہوا کہ زوجہ کا حصہ چہارم تھا اور وہ آٹھویں پر راضی ہو گئی۔

دوم اس کے حق سے زیادہ ہو، مثلاً صورت مذکورہ میں مکان وزیور و اثاث البیت ۱۲ ہزار کے ہوتے اور بارہ ہزار کے نوٹ تو زوجہ کو بجائے ربع نصف مال پہنچتا۔

سوم اس کے حق کے برابر ہو، مثلاً مکان وغیرہ چھ ہزار کے ہوتے اور اٹھارہ ہزار کے نوٹ۔

صورت ثالثہ میں واجب ہے کہ بقیہ ورثہ کو مال اسی حساب سے پہنچے گا جو عدم تخارج کی حالت میں پہنچتا۔ تخارج کا اثر صرف اس قدر ہوگا جو اعیان کی تقسیم کا ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنا کامل حصہ بے کم و بیش پاتا ہے حصے کہ ہر شے میں مشاع تھے فقط جدا ہو جاتے ہیں۔

صورت اولیٰ میں جب کہ باقی جمیع ورثہ کے ساتھ اس وارث نے مصالحہ کیا اور وہ مال جس میں ہر ایک کا حق تھا تنہا خود لیا اور اپنے حصہ سے کم پر راضی ہوا تو جو کچھ اس کے حصے کا باقی رہا واجب ہے کہ ان سب وارثوں کو پہنچے نہ کہ صرف ایک اس زیادت کا مالک ہو جائے دوسرا محروم کیا جائے کہ یہ محض ظلم و ناانصافی ہوگا اور پہنچنا بھی ضرور ہے کہ حصہ رسد ہو یعنی ہر ایک کو اس حساب سے بڑھے جو اصل ترکہ میں اس کا حق تھا کہ وہ شے جو وارث مذکور لے کر جدا ہو گیا ہے اس میں ہر ایک کا حصہ اسی حساب سے تھا۔

صورت ثانیہ میں سب بقیہ ورثا اس وارث کو زیادہ دینے پر راضی ہوئے ہیں تو واجب ہے کہ وہ زیادت ہر ایک کے حق سے حصہ رسد لی جائے نہ یہ کہ سارا بار ایک وارث پر ڈال دیں حالاں کہ ان میں سب کے حصے تھے اور سب راضی ہوئے تھے۔ یہ باتیں سب ایسی ہیں جنھیں ہر ایک عاقل ادنی نظر سے سمجھ سکتا ہے۔

فقیر نے جو حکم گزارش کیا اس میں ہر صورت پر یہ میزان عدل اپنی پوری استقامت پر رہے گی، صورت اولیٰ میں جب کہ زوجہ کا حق چھ ہزار تھے اور وہ تین ہزار پر راضی ہو گئی تو باقی تین ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی کو ان کے

حصص کے قدر پہنچنے واجب ہیں فاطمہ بیگم کا حصہ بارہ ہزار اور اسد علی کا چھ ہزار تھا یعنی فاطمہ بیگم کا اس سے دگنا، اور اسی حساب سے زیور و مکان واثاث البیت میں ان دونوں نے اپنا حصہ زوجہ کے لیے چھوڑا ہے۔ فاطمہ بیگم کے دو حصے اسے ملے اور اسد علی کا ایک توضرور ہے کہ معاوضہ کے تین ہزار سے بھی فاطمہ بیگم کو دو ہزار ملیں اور اسد علی کو ہزار کہ ان کے اصل حصوں سے مل کر فاطمہ بیگم کے چودہ ہزار اور اسد علی کے سات ہزار ہو جائیں۔ صورت ثانیہ میں زوجہ نے چھ ہزار اپنے حق سے زائد پائے۔ بہن بھتیجا دونوں اس زیادت پر راضی ہیں تو ہر ایک کے حصہ سے حصہ رسد یہ زیادت نکالنی لازم۔ بہن کے بارہ ہزار سے چار ہزار نکالیں، اور بھتیجے کے چھ ہزار سے دو ہزار۔ اب بقیہ بارہ ہزار میں بہن کے آٹھ ہزار، بھتیجے کے چار ہزار رہے۔ اور وہی نسبت دو اور ایک کی آگئی۔

صورت ثالثہ تو خود ایسی ظاہر ہے کہ حاجت اظہار نہیں، عورت کو چھ ہی ہزار پہنچتے ہیں جو اس کا حق تھے، تو بہن بھتیجے کسی کے حق میں ایک حبّہ کم نہ ہونا چاہیے نہ زائد، لیکن وہ طریقہ کہ مولوی صاحب نے اختیار کیا اس پر کسی صورت میں ہرگز عدل کا نام و نشان نہ رہے گا۔ پہلی صورت میں عورت کے تین ہزار نکل کر اکیس ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی پر نصفا نصف سے دونوں کو ساڑھے دس دس ہزار پہنچے اور چار سخت شناعتیں لازم آئیں:

(۱) تین ہزار کہ حق زوجہ سے چھوٹے تھے دونوں کو ملنے چاہیے تھے بہن کو ان سے ایک حبّہ نہ پہنچا۔

(۲) اگر نہ پہنچا تھا تو اس کا اپنا اصل حصہ کہ بارہ ہزار تھے وہ تو ملتا ڈیڑھ ہزار اس میں سے بھی کتر گئے، یہ کس قصور کا جرمانہ تھا؟

(۳) بھتیجا تنہا اس زیادت کا مستحق نہ تھا حالاں کہ صرف اس نے پائی۔

(۴) بالفرض اسی کو ملتی تو عورت نے صرف تین ہی ہزار تو چھوڑے تھے بھتیجے کے اصل حصے چھ ہزار میں مل کر نو ہزار ہوتے یہ پندرہ سو اور کس کے گھر آئے۔

دوسری صورت میں عورت کو اس کے حق سے چھ ہزار زیادہ پہنچ کر بقیہ بارہ ہزار بالمناصفہ بنے اور ویسی ہی شناعتیں پیش آئیں۔ بہن بھتیجا دونوں اپنے نقص حصص پر راضی ہوئے تھے مگر پورا نزلہ بہن پر گرا۔ کامل چھ ہزار اسی کے سہم سے اڑ گئے اور بھتیجے نے اپنا پورا حصہ چھ ہزار پالیا۔ زیور مکان وغیرہا متاع میں بہن کے بھی دو حصے تھے اور نوٹوں میں عورت کا حق تھا بہن نے متاع میں اپنا حصہ چھوڑا اور نوٹوں میں معاوضہ ایک حبہ نہ پایا اس کا حصہ مفت کا تھا۔

الی غیر ذٰلك مما یخاف ولا یخاف الا الانصاف.

تیسری صورت سب سے روشن تر ہے کسی وارث نے اپنے حصہ سے کچھ نہ چھوڑا، عورت کو جو چھ ہزار چاہیے تھے بے کم وبیش اتنے ہی ملے اب وہ کون سا جرم ہے جس کے سبب فاطمہ بیگم کا حق ایک چہارم کا اڑ گیا اور وہ کون سی خدمت ہے جس کے صلہ میں اسد علی نے اپنے حق سے ڈیوڑھا پالیا؟ اگر نوٹ ومتاع کی تبدیلی نہ کرتے توفاطمہ بیگم بارہ ہزار پاتی اور اسد علی و لطیفن چھ چھ ہزار، صرف اس تبدیلی نے وہ کایا پلٹ کی کہ لطیفن کے چھ ہزار نکل کر فاطمہ کے بارہ ہزار سے نو ہزار رہ گئے اور اسد علی کے چھ ہزار سے نو ہزار ہو گئے۔ [1]

اس کے بعد تائید میں سراجیہ مع شریفیہ کی عبارت بھی پیش کی ہیں۔

(۱) فتاوی رضویہ ج۱۰ص:۴۱۵تا۴۱۷

معاصرین کا تعاقب

﴿۱﴾

حقہ نوشی کے متعلق بعض مفتیوں نے حرمت کا فتوی صادر کیا جو احادیث اور فقہی جزئیات کے خلاف ہے اعلیٰ حضرت نے اس کا تحقیقی و تنقیحی جواب اپنے رسالہ **حُقّة المرْجان لِمهمّ حکمِ الدخان (۱۳۰۷ھ)** کے ذریعہ دیا۔ اس کے متعلق غلط فتووں پر تنبیہ بھی فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں:

حق یہ ہے کہ معمولی حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامہ بلاد کے عوام و خواص یہاں تک کہ علماے عظام حرمین محترمین زادھما اللہ شرفاً وتکریماً میں رائج ہے شرعًا مباح و جائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں تو اسے ممنوع و ناجائز کہنا یا احوال قلیان سے بے خبری پر مبنی ... یا بعض احوال عارضہ بعض فساق متناولین کی نظر پر مبتنی ... یا عوارض مخصوصہ بعض بلاد و بعض اوقات کے لحاظ سے ناشی ... یا بعض مفتریات کاذبہ ومخترعات ذاہبہ پر متفرع۔

فقیر نے اس باب میں زیادہ بے باکی متقشفۂ افغانستان سے پائی کہ چند کتب فقہ پڑھ کر تقشف و تصلف کو حد سے بڑھاتے اور عامہ امت مرحومہ کو ناحق فاسق و فاجر بتاتے ہیں اور جب اپنے دعوائے باطل پر دلیل نہیں پاتے ناچار حدیثیں گڑھتے بناتے ہیں، میں نے ان کی بعض تصانیف میں ایک حدیث دیکھی کہ: من شرب الدخان فکانما شرب دم الانبیاء. جس نے حقہ پیا گویا پیغمبروں کا خون پیا۔

اور دوسری حدیث یوں تراشی: من شرب الدخان فکانما زنی بامّه فی الکعبة. جس نے حقہ پیا گویا اس نے کعبہ معظمہ میں اپنی ماں سے زنا کیا۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون جہل بھی کیا بد بلا ہے، خصوصًا مرکب کہ لادوا ہے۔ مسکین نے ایک مباح شرعی کے حرام کرنے کو دیدہ و دانستہ مصطفی ﷺ پر بہتان اُٹھایا اور حدیث متواتر من کذب علیّ متعمّدا

فلیتبوأ مقعده من النار. کا اصلاً دھیان نہ لایا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

اللّٰهم تب علينا وعليه ان كان حيّا واغفرلنا وله ان كان ميتا.

شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی طرف بھی حقہ نوشی کی حرمت کا قول منسوب ہے کہ انھوں نے فرمایا حقہ میں اس پانی کا استعمال ہے جس سے قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو عذاب دیا گیا۔ اس پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ یہ معقول جواب دیتے ہیں:

قلت: وفی الترويح بالمراوح استعمال اٰلة عذاب عاد.

پنکھے کے ساتھ ہوا لینے میں بھی اس آلہ کا استعمال ہے جس کے ساتھ قوم عاد کو عذاب دیا گیا۔ اس لیے پنکھے کی ہوا بھی ناجائز و حرام ہونا چاہیے جیسا کہ حقہ کا پانی صرف اس وجہ سے حرام ہے کہ اس سے قوم نوح کو عذاب دیا گیا۔

اس کی اصلاح میں علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے تاویل یہ کی کہ "حقہ کا پانی اس لیے حرام ہے کہ وہ عذاب کی ہیئت پر ہے" اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس پر یہ ارشاد فرمایا:

فاقول: لايجدى نفعا وإلا لم يجز الاغتسال بماء حار قال تعالى **يُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِيۡمُ** وماذا يزعم الزاعم فى دخول الحمام، افيكون على هذا حراماً، مَنهيّا عنه لذاته بل من الكبائر اما مطلقا على ما اختارهذاالفاضل من كون تعاطى المكروه تحريما من الكبائر وبعد الاعتياد على ماعليه الاعتماد من كونه فى نفسه من الصغائر، وذلك لان الحمام كما افاد العلامة المناوى فى التيسير اشبه شيء بجهنم، النار من تحت والظلام من فوق وفيه الغم والحبس والضيق ولذا لما دخله سيدنا سليمٰن نبى الله عليه الصلاة والسلام تذكربه النار وعذاب الجبار اخرج العقيلى والطبرانى وابن عدى والبيهقى فى شعب الايمان عن ابى موسى الاشعرى رضى الله تعالى عنه يرفعه الى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قال: اول من دخل الحمامات وصنعت له النورة سليمٰن ابن داؤد فلما دخله وجد حره وغمه فقال اوّه من عذاب الله اوّه قبل ان لاتكون اوّه .[1]

---

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد دہم رسالہ: حقة المرجان لمهم حكم الدخان ص: ٤٠

(ترجمہ) تو میں کہتا ہوں یہ کچھ مفید نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ گرم پانی کے ساتھ غسل کرنا جائز نہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان جہنمیوں کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ تو ایسا گمان کرنے والا حمام میں داخل ہونے سے متعلق کیا کہے گا، کیا یہ حرام، منہی عنہ لذاتہ بلکہ کبائر میں سے ہے یا تو مطلقاً جیسا کہ فاضل مذکور کا مختار ہے کہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب کبائر میں سے ہے یا عادت بنالینے سے جیسا کہ معتمد ہے کہ فی نفسہٖ یہ صغائر سے ہے؟ یہ اس لیے کہ حمام امام مناوی کے تیسیر میں ذکر کردہ افادہ کے مطابق جہنم کے مشابہ ترین ہے، اس کے نیچے آگے اور اوپر دھواں ہے، اس میں بے چینی، حبس اور تنگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام حمام میں داخل ہوئے تو انھیں آگ اور عذاب جبار یاد آگیا۔ عقیلی، طبرانی، ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا اس کو نبی کریم ﷺ تک مرفوع کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جو حمام میں داخل ہوا اور اس کے لیے چونا تیار کیا گیا وہ سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں، جب وہ اس میں داخل ہوئے تو اس کی گرمی اور بے چینی کو پاکر فرمایا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا درد، یہ تو درد والم ہے قبل اس کے کہ درد والم ہو۔

ولہٰذا علمائے محققین واجلۂ معتمدین مذاہب اربعہ نے بعدِ تنقیح کار وامعانِ افکار اس کی اباحت کا حکم فرمایا۔ وھو الحق الحقیق بالقبول.(۱)

﴿۲﴾

ریاست بہاول پور چیف کورٹ کے جج جناب محمد دین صاحب نے وصیت سے متعلق سات سوالات پر مشتمل ایک استفتا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی بارگاہ میں بھیجا اس استفتا کا جواب اس سے پہلے آٹھ مفتیوں نے دیا تھا اور تقریباً سب نے غلطی کی تھی اس کا چوتھا سوال یہ تھا کہ زید نے خدابخش کے لیے زائد علی الثلث کی وصیت کی پھر فوت ہوگیا، خدابخش نے اپنے صرفہ سے اس کی تجہیز وتکفین کی تو کیا اس کے اخراجات ترکہ سے وضع ہوں گے یا اس کا خرچ وارث کے ذمہ ہوگا؟

ان آٹھ مفتیوں میں سے پہلے مفتی نے اس کا جواب یہ دیا کہ ”تجہیز وتکفین کا خرچ پہلے ہی سے نکال لیا جائے گا اس کا بار کسی فریق کے حصے پر نہیں پڑے گا“۔

(۱) فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص: ۳۹-۴۱

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس جواب پر تفصیلی طور پر ناقدانہ تبصرہ فرمایا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا بخش اس میت کا اجنبی ہے اور اجنبی اگر میت کی تجہیز و تکفین ورثہ کی اجازت کے بغیر کرے تو تبرع و احسان ہوگا وارث سے رجوع کا حق نہیں۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اجنبی کہ نہ وارث ہو نہ وصی اگر میت کی تجہیز و تکفین بطور خود کرے تو اسے ترکہ میں رجوع کا اختیار نہیں وہ اس کا تبرع ٹھہرے گا جب تک وارث کے اذن و اجازت سے نہ ہو اور وارث کی اجازت بھی کافی نہیں جب تک اس کا امر نہ ہو اور تحقیقاً اس کا امر بھی کافی نہیں جب تک واپسی کی شرط نہ کرلی ہو مثلاً زید نے وارث سے کہا میں اس کی تجہیز و تکفین کیے دیتا ہوں جو خرچ ہوگا ترکہ سے لے لوں گا وارث نے سکوت کیا زید نے اس کہنے پر لوگوں کو گواہ کرلیا اور اپنے مال سے تجہیز و تکفین کی۔ ایک حبّہ واپس نہ پائے گا کہ یہ بلا اذن وارث تھی یا زید نے وارث سے کہا میت میرا دوست یا میرا معظم تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کی تجہیز و تکفین میں خود کروں اس نے کہا اچھا، یا وارث ہی نے اس سے کہا کہ اگر تم اس کی تجہیز و تکفین کا ثواب لینا چاہو تو تمھیں اجازت ہے اس نے کہا منظور، دونوں صورتوں میں وارث کی اجازت ہوئی اور اختیار رجوع نہیں کہ بے امر وارث ہے، یا وارث نے کہا میت تمھارا دوست تھا یا تمھارا پیر یا استاد تھا تم پر بھی اس کا حق ہے اس کی تجہیز و تکفین تمھیں اپنے مال سے کرو، اس نے کہا بسر و چشم، اس میں وارث کا بھی امر ہوا اور رجوع نہیں کہ اس کی شرط نہ کی گئی، ہاں وارث نے کہا تم اس کی تجہیز و تکفین کردو جو خرچ ہوگا ترکہ سے تمھیں دے دیا جائے گا تو اب بلا شبہہ اختیار رجوع ہے۔

عیون پھر تاتارخانیہ پھر نہج النجاہ پھر تنقیح الحامدیہ میں ہے:

اذا کفن الوارث المیّت من مال نفسه یرجع والأجنبی لایرجع.

ردالمحتار متفرقات البیوع مسئلہ تکفین میں ہے:

لوکفن المیت غیرالوارث من مال نفسه لیرجع فی ترکته بغیر امرالوارث فلیس له الرجوع اشهد علی الوارث او لم یشهد ولوکفن الوصی من مال نفسه لیرجع کان له الرجوع.

مجمع الفتاویٰ پھر نور العین پھر تنقیح مغنی المستفتی میں ہے:

امراحد الورثة انسانا بان یکفن المیت فکفن ان امرہ لیرجع علیه یرجع کما فی انفق فی بناء داری وهو اختیار شمس الاسلام وذکرالسرخسی ان له ان یرجع بمنزلة امرالقاضی.اھ.قلت والتعلیل دلیل التعویل ثم التقدیم دلیل التقویم ثم الاختیار من الفاظ الفتوی.

ان جزئیات کو نقل کرنے کے بعد مسئلہ دائرہ کی صورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہاں شرط رجوع درکنار امر زوجہ برکنار اجازت زوجہ کا بھی ثبوت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ شاہ محمد نے بطور خود یہ تجہیز و تکفین کی موصی نے اسی کے گھر میں وفات پائی اس کا اس کا یارانہ تھا اور اس نے اس پر احسان کیا۔[1]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس جواب میں جہاں مفتی صاحب کے غلط جواب پر جرح ہے وہیں اس مسئلہ کی تنقیح بھی ہے کہ اجنبی نے اگر میت کی تجہیز و تکفین میں صرف کیا تو ورثہ پر کب رجوع کا حق رکھتا ہے اور کب نہیں۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے بعد اسی سے متعلق ایک اہم نکتہ بیان فرمایا ہے کہ تجہیز و تکفین ترکہ سے متعلق تمام حصوں پر مقدم ہے مگر تجہیز و تکفین میں جو دین لازم آئے گا وہ تمام حقوق پر مقدم نہیں بلکہ وہ بھی دوسرے دیون کی طرح ایک دین ہے کسی طرح بھی اس کو دوسرے دیون پر ترجیح نہیں۔ اس کو پانچ وجہوں سے ثابت کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

ثم اقول: یہاں ایک دقیقہ اور ہے تجہیز و تکفین ضرور جمیع حقوق متعلقہ بہ ترکہ پر مقدم ہے مگر یہ تقدیم تجہیز و تکفین کو ہے نہ اس دین کو کہ بہ سبب تجہیز و تکفین عائد ہو وہ اگر ہے تو مثل سائر دیون ایک دین ہے نہ کہ اور جملہ دیون پر مقدم۔

اوّلاً: تمام علما نے یبدأ بتجهیزہ فرمایا ہے کہیں یبدأ بدین تجهیزہ بھی آیا ہے؟

ثانیاً: علما نے اسے لباس حیات پر قیاس فرمایا ہے زندگی میں تن کے کپڑے دائن کو نہ دیے جائیں گے یا کپڑوں کی حاجت ہے تو اس قدر دین میں نہ دیں گے۔

شریفیہ میں فرمایا:

انما کان قضاء الدین مؤخرا عن الکفن لانه لباسه بعد وفاته فیعتبربلباسه

(۱) فتاوی رضویہ، ج۱۰ص:۲۴۰

فی حیاته الاتری انه یقدم علی دینه اذلایباع ماعلی المدیون من ثیابه مع قدرته علی الکسب.

اور پر ظاہر کہ زید کے مدیون نے اگر عمرو سے قرض لے کر کپڑے بنائے تو عمرو کو زید پر کوئی ترجیح نہ ہوگی دونوں دَین یکساں ہوں گے دَین پر تقدیم لباس کو تھی نہ کہ دَین لباس کو شرع میں اس کی کہیں اصل نہیں تو واجب کہ دَین تکفین بھی دیگر دیون پر اصلاً مقدم نہ ہو۔

ثالثاً :علما اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ میت کو برہنہ رکھنا جائز نہیں کہ تعظیم مسلمان مردہ وزندہ کی یکساں ہے۔

تبیین الحقائق میں فرمایا:

المرء یقدم نفسه فی حیاته فیمایحتاج الیه من النفقة والسکنی والکسوة علی اصحاب الدیون فکذا بعد وفاته یقدم تجهیزه وهو محترم حیاومیتا فلایجوز کشف عورته و فی الاثر لعظام المیت من الحرمة مالعظام الحی.

رابعاً: علما فرماتے ہیں یہاں دو چیزیں ہیں: حق للمیت اور وہ تجہیز ہے، اور حق علی المیت اور وہ دَین ہے، اور اول ثانی پر مقدم ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں فرماتے ہیں:

اعلم ان الحقوق المتعلقة بالترکة هنا خمسة بالاستقراء لان الحق اما للمیت اوعلیه اولا،والاول التجهیزوالثانی الدین.الخ.

ظاہر ہے کہ دَین تجہیز مثل سائر دیون حق علی المیت ہے نہ کہ حق للمیت، تو مرتبۂ دیون ہی میں ہوگا نہ مرتبۂ تجہیز میں۔

خامساً: جس طرح یہ دَین حاجت ستر کے لیے تھا اور بہت دیون بھی آدمی اپنے کھانے پینے پہننے رہنے وغیرہا حاجات اصلیہ کے لیے اپنی حیات میں لیتا ہے، تو شَے اپنے مثل پر کیسے مقدم ہو سکتی ہے؟[1]

---

(۱) فتاوی رضویہ، ج ۱۰ص: ۲۴۰-۲۴۱

﴿۳﴾

ایک شخص یہ وصیت کر کے مر گیا کہ میرے مرنے کے بعد میری تمام منقولہ غیر منقولہ جائداد کا مالک عمرو ہے میری تجہیز و تکفین بھی وہی کرے گا اور للہ میری روح کو بھی دے گا۔ اس کے مرنے کے بعد عمرو وصیت قبول کر کے تمام مامورات کے ایفا میں لگ گیا متوفی کا وارث صرف اس کی ایک بیوی ہے وہ بیوی کہتی ہے کہ یہ تمام ترکہ میرا ہے میں کسی دوسرے کو نہیں دے سکتی۔ یہ وصیت جائز ہے یا نہیں اور بیوی کا اس میں کتنا حصہ ہے؟

مذکورہ سوال کا جواب ایک مفتی صاحب نے مندرجہ ذیل طریقے سے دیا "شرعاً یہ وصیت صحیح اور نافذ ہے کیوں کہ وصیت کنندہ عاقل بالغ ہے اور زوجہ کا حق مال متروکہ متوفی سے سدس ہے اور باقی عمرو موصی لہ کا ہے اور للہ اسباب خیر میں بھی صرف کرے مثلاً تعمیر مسجد کی کرادے یا پل تیار کرادے یا طلبۂ علم دین اسلام کو دیوے روایات کتب معتبرہ اس پر دال صریح الدلالہ اور واضح البیان ہے۔[1]

اس پر در مختار، ردالمختار، فتاوی عالم گیری وغیرہ کی عبارات بھی پیش کیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس جواب پر جو فاضلانہ تبصرہ فرمایا ہے وہ ان کی ژرف نگاہی اور باریک بینی پر دال ہے۔

جب مفتی صاحب نے یہ لکھا کہ زوجہ کا حق متروکہ متوفی سے سدس ہے باقی موصی لہ کا ہے اور للہ اسباب خیر میں بھی صرف کرے، جب بیوی کو سدس دینے کے بعد باقی موصی لہ کا ہو گیا تو اسباب خیر میں اس کو صرف کرنے کا ایجاب کیا معنی رکھتا ہے زوجہ کے حصے کے بعد بقیہ تمام عمرو کے لیے مانا پھر اسی پر خیرات کا حکم لگایا یعنی ایک ہی چیز کی وصیت عمرو کے لیے بھی اور بعینہ اسی چیز کی وصیت اللہ عزوجل کے لیے بھی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

فتوی ۲ کی غلطی فتوی ۶ سے بڑھ کر ہے اس نے تو شاہ محمد کے لیے وصیت مانی ہی نہ تھی تو اسے گنجائش ملی کہ خیرات کے لیے وصیت ٹھہرا دے اگرچہ یہ سر تا پا غلط تھا اس نے اس سے عجیب تر راہ اختیار کی کہ تمام باقی بعد فرض

(۱) فتاوی رضویہ، ج۱۰ص:۲۰۰

الزوجہ کی وصیت شاہ محمد کے لیے مانی پھر اسی پر خیرات کا حکم لگا دیا یعنی شَے واحد کی وصیت عمرو کے لیے بھی ہے اور بعینہٖ اسی شے کی وصیت اللہ عزوجل کے لیے بھی ہے حالاں کہ یہ بداہتہً محال ہے۔

فتوی ۲ نے اس مطلب پر عبارات یہ نقل کیں:

(۱) اوصی بثلث ماله لله تعالى.

(۲) لو اوصى بالثلث فى وجوه الخير.

(۳) لا تصح من مميز الا فى تجهيزه. اور نہ دیکھا کہ جب میں باقی کی وصیت عمرو کے لیے مان چکا تو ان عبارات کا کیا محل رہا۔ نسال الله العفو والعافية.[1]

(۱) فتاوی رضویہ، ج۱۰ص:۲۱۹

علماے متقدمین پر تنقید

جس چیز کا پینا حرام ہے اس کے نجاست غلیظہ اور خفیفہ ہونے میں اختلاف ہے امام محمد کے نزدیک وہ نجاست غلیظہ ہے اور شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔ صاحب بحر الرائق علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی نے امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔ صاحب شرح منیۃ المصلی علامہ ابراہیم حلبی نے شیخین کے مذہب کو راجح کہا ہے، پھر علامہ شامی نے غرر الافکار کے حوالے سے امام محمد کے قول کو راجح اور مفتی بہ بتایا ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فتاوی ہندیہ کے حوالے سے فقہا کے اس اختلاف کو ذکر کیا ہے جس میں علامہ شامی کے فیصلہ کن جواب کا حصہ اس طرح ہے۔

واستدرك عليه المحقق الشامى بمافى شرح النقاية، انها غليظة فى ظاهر الرواية خفيفة على قياس قولهما.اھ. ثم قال "ينبغى ترجيح التغليظ فى الجميع يدل عليه مافى غرر الافكار من كتاب الاشربة حيث قال وهٰذه الاشربة عند محمد وموافقيه كخمر بلاتفاوت فى الاحكام وبهذا يفتى فى زماننا.اھ.قال فقوله بلاتفاوت فى الاحكام يقتضى انها مغلظة فتدبر.اھ .

شرح نقایہ میں ہے کہ ظاہر الروایہ میں یہ نجاست غلیظہ ہے اور شیخین کے قول کے مطابق خفیفہ ہے پھر فرمایا کہ ان سب میں ترجیح نجاست غلیظہ کو ہونی چاہیے۔ اس پر دلیل وہ ہے جو غرر الافکار کی کتاب الاشربہ میں ہے، جہاں فرمایا کہ یہ تمام شرابیں امام محمد علیہ الرحمۃ اوران کی موافقت کرنے والوں کے نزدیک تمام احکام میں بلاتفریق خمر کی طرح ہیں اور ہمارے زمانے میں فتویٰ اسی پر دیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ ان کا قول "بلاتفاوت" تقاضا کرتا ہے کہ یہ نجاست غلیظہ ہو پس غور کرو۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ان کے قول بلاتفاوت پر جو بصیرت افروز تبصرہ کیا ہے وہ ان کی دقت نظر اور فقیہانہ شان کا نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں:

أقول: عدم التفاوت وان سلم ففی الاشربة الثلٰثة المحرمة بالاتفاق بین ائمتنا وھی الباذق والسکر والنقیع وفیھا کلام الغرر اما سائرالاشربة المسکرة المحرمة عند محمد مطلقا فالتفاوت فیھا بیّن حیث لایحد بشرب القلیل منھا بخلاف الخمر فلایفید التغلیظ فی الجمیع والعجب من ھٰؤلاء الجلة غفلوا کلھم عن نص صریح فی المذھب مذیل بآکد الفاظ الفتوی بل التغلیظ فی المنصف منصوص علیه فی المتون کالوقایة والنقایة والاصلاح وغررالاحکام والتنویر وغیرھا وبما نقلنا سقط ما فی النھر واستغنی عن بحث البحر وتبین ان الکل غلیظة علی المفتی به ولله الحمد.

یعنی اگرچہ تین شرابیں جن کی حرمت پر ہمارے ائمۂ کرام متفق ہیں ان میں عدم تفاوت تسلیم کرلیا جائے، لیکن باقی نشہ آور شرابیں جو امام محمد کے نزدیک مطلق حرام ہیں ان میں تفاوت ظاہر ہے کیوں کہ ان کے قلیل میں حد جاری نہیں ہوتی بخلاف خمر کے کہ اس کے قلیل و کثیر سب میں حد جاری ہوتی ہے، لہٰذا یہ تمام میں حرمت غلیظہ کا فائدہ نہ دے گا اور ان بزرگوں پر حیرت ہے کہ وہ اس نص سے غافل رہے جو مذہب میں صریح اور آکدِ الفاظِ فتوی سے مؤید ہے بلکہ منصَّف کی نجاست غلیظہ پر تو متون میں نص وارد ہے جیسے وقایہ نقایہ تنویر، اصلاح، غرر، وغیرہا۔ اور ہم نے جو نقل کیا اُس سے وہ ساقط ہو گیا جو نہر میں ہے، اور بحر کی بحث کی ضرورت نہ رہی، اور واضح ہو گیا کہ مفتی بہ قول پر سب نجاست غلیظہ ہیں۔[1]

(۱) فتاوی رضویہ، ج۱۰ص:۵۲ رضا اکیڈمی

مخالفین کا تعاقب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے جہاں اپنی خداداد استعداد اور وسعت نظر سے فقہ کے لاینحل مسائل کا حل نکالا ہے وہیں اپنی تحقیق اور ژرف نگاہی سے موافقین کی لغزشات و تسامحات پر تنبیہ فرمائی ہے اور مخالفین کا تعاقب بھی کیا ہے۔

منی آرڈر کی موجودہ صورت عقد اجارہ کی ہے اور یہ بلاشبہہ جائز ہے، منی آرڈر کرنے والا روپے بھیجنے کے لیے متعیّنہ رقم کے ساتھ مزید اس کی فیس ادا کرتا ہے مثلاً ۵۲۵/ روپے ڈاک خانے میں دیتا ہے، اس میں ۲۵/ روپے ڈاک خانہ کی مقررہ اجرت ہوتی ہے جو اجارہ کی صورت ہے اور ڈاک خانہ اجیر مشترک ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں مولوی رشید احمد گنگوہی نے خطاے فاحش کی اور یہ کہا کہ مرسِل دس روپے بھیجنے کے لیے دس روپے دو آنے ڈاک خانے میں دیتا ہے۔ یہ دس روپے بطور قرض دیتا ہے جس کے مثل دس روپے اس کے آدمی کو دوسری جگہ ملتے ہیں اور یہاں جو اُس نے دو آنے دیے وہ سود ہیں اور کوئی منی آرڈر اس زائد سودی رقم کے بغیر نہیں ہوتا اس لیے منی آرڈر کرنا، ناجائز ہے۔ اس فتوے کی بنیاد مرسلہ رقم کو قرضِ محض اور فیس کو سود ماننے پر ہے۔ اس کے قرض محض ہونے پر ان کے کسی متبع نے دو دلیلیں بھی دی ہیں:

دلیل اول: بھیجنے والے کا روپیہ اگر مرسل الیہ کو نہ ملے تلف ہو جائے تو یہ ضمان طلب کر سکتا ہے اور اس کا ذمہ دار ڈاک خانہ ہو گا اس لیے یہ اجارہ نہیں ہو سکتا۔

دلیل ثانی: منی آرڈر اگر عقد اجارہ ہو تو بعینہ اسی روپے کا پہنچانا ضروری ہو گا جو مرسِل مرسَل الیہ کو روانہ کرتا ہے حالاں کہ یہ امر نہ بھیجنے والا ضروری خیال کرتا ہے نہ ڈاک والے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اجارہ نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اس کے دعوی کی تردید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

شاید انھیں معلوم نہیں کہ ڈاک خانہ ایک اجیر مشترک کی دکان ہے جو بغرض تحصیل اجرت کھولی گئی ہے تو یہ دو آنے (ڈاک فیس) قطعًا وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے ہی کی اجرت ہیں جیسے لفافہ

پر اور پارسل پر چار آنے وغیر ذلک۔ اس کو تو کوئی عاقل ربا خیال ہی نہیں کر سکتا یہ ہرگز نہ اس کا معاوضہ نہ زنہار دینے والوں میں کسی کو اس روپیہ کے معاوضہ میں کمی مقصود۔ وھذا من البدیھیات التی لایتوقف فیھا الاامثال المفتین الذین لابصر لھم فی الدین.

فاقول و بالله التوفیق: منشاے غلط منی آرڈر کو قرض محض بے عقد اجارہ سمجھنا ہے، متبوع نے اجمالاً اس کا دعوی کیا، تابع نے اس پر دو دلیلیں قائم کیں مگر حقیقت امر سے بیگانگی رہی، بات یہ ہے کہ منی آرڈر کرنے میں دو قسم کے دام دیے جاتے ہیں، ایک وہ رقم جو مرسل الیہ کو ملنی منظور ہے، دوسرا محصول مثلاً دس روپے دو آنے اور جس طرح ہر عاقل فقیہ پر واضح کہ یہ پہلے دام اگر بعینہٖ پہنچائے جاتے جیسے پارسل میں تو یہ خاص اجارہ ہوتا یایوں ہوتا کہ مرسل بعینہٖ انھیں کا پہنچانا چاہتا اور ڈاک والے ان داموں کے یہاں رکھ لینے اور وہاں ان کی نظیر دینے کا ضابطہ مقرر نہ کر لیتے۔ بلکہ کبھی بعینہٖ انھیں کو پہنچاتے، کبھی بطور خود انھیں یہاں رکھ کر مرسل الیہ کو وہاں کے خزانے سے دیتے تو بھی محض اجارہ رہتا اور صورت خلاف میں ان اجیروں کا فعل ناجائز ہوتا جس کا الزام مستاجر پر کچھ نہ تھا، ہاں اتنا ہوتا کہ وہ بوجہ تصرفِ امانت غاصب ٹھہر کر مستحق اجر نہ رہتے۔

كما فى الهندية عن التتارخانية لواستاجر ليحمل هذه الدراهم الى فلان فانفقها فى نصف الطريق ثم دفع مثلها الى فلان فلا اجرله لانه ملكها باداء الضمان .

مگر جب کہ یہ امساک عین و دفع مثل ضابطہ معلومہ معہودہ ہے کہ واضعان قانون ڈاک نے اپنی آسانی کے لیے وضع کیا اگرچہ مرسل کو اس سے کچھ غرض نہ تھی اس کا مطلب بعینہٖ روپیہ بھیجنے میں بھی بداہتہً حاصل تھا تاہم بوجہ ضابطہ و تعارف جب کہ عاقدین کو وصول بدل معلوم تو یہاں تحقق معنی قرض ماننا غلط نہیں اگرچہ عاقدین بلفظ قرض تعبیر نہ کریں۔

یوں ہی ہر ذی عقل نبیہ پر یہ بھی روشن ہے کہ یہ دوسرے دام اگر کسی کام کے عوض نہ دیے جاتے تو یہ عقد خالص قرض اور یہ زیادت بے شک ربا ہوتی یا یوں ہوتا کہ جس کام کے عوض دیے جاتے وہ کوئی منفعت مقصودہ صالح ورود عقد اجارہ نہ ہوتا تو بھی محض قرض رہتا مگر حاشا یہاں ہرگز ایسا نہیں بلکہ وہ مثل سائر کارروائی ہائے ڈاک خانہ کے یقیناً اجرت ہیں۔ دینے والے اجرت ہی سمجھ کر دیتے، لینے والے اجرت ہی جان کر لیتے ہیں ہرگز کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ دو آنے سود کے ہیں جو اُلٹا مدیون دائن سے لیتا ہے۔ ڈاک خانے کی اصل وضع ہی اس قسم کے اجارات کے لیے ہے، تو یہاں عقد اجارہ کا تحقق اور ان داموں کا اُجرت ہونا اصلاً محل تردد نہیں، اگر کہیے کا ہے کی اجرت؟ ہاں مرسَل الیہ کے گھر تک جانے اور اسے روپیہ دینے اور وہاں سے واپس آنے اور اس سے

رسید لانے کی۔ کیا یہ منفعت مقصودہ مباحہ نہیں جس پر شرعاً ایرادِ عقد اجارہ کی اجازت ہو؟ اور جب ہے بے شک ہے تو عجب عجب ہزار عجب کہ عاقدین ایک منفعت مقصودہ جائزہ پر قصد اجارہ کریں، عوض منفعت جو کچھ دیں اسے اجرت ہی کہیں، اجرت ہی سمجھیں اور خواہی نخواہی ان کے قصد جائز کو باطل کر کے اس اجرت کو معاوضۂ قرض وربا قرار دیں شرع مطہر میں معاذاللہ اس تحکّم کی کوئی نظیر ہے؟

حاشاللہ بلکہ شرع میں مھما امکن تصحیح کلام وعقود پر نظر رہتی ہے۔کما لایخفی علی من خدم الفقه.

پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مدعی کی دونوں دلیلوں کی بھرپور خبر لی ہے، دلیل اول کے تین جوابات عنایت فرمائے، مدعی نے پہلی دلیل یہ دی تھی کہ منی آرڈر کا روپیہ تلف ہوجائے تو بھیجنے والا ڈاک خانہ سے ضمان طلب کرتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ اجارہ میں داخل نہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اقول اولاً: کیا وجوب ضمان مطلق نافی اجارہ ہے، کتب فقہ کا مطالعہ کیجیے صدہا صورتوں میں اجیر پر ایجاب ضمان کا حکم ہے، اور خاص ید ضمان کی ضرورت ہو تو ذرا اجیر مشترک میں اقوال ائمہ واختلاف فتوائے مالکانِ ازِمّہ پر نظر ہو۔

ثانیاً: اطلاق نفی ضمان ہی مانیے تو غایت یہ ہے کہ طلب ضمان ناجائز ہو اور انگریزوں کا ذمہ بری، اس سے اصل عقد کیوں بدل گیا؟ بہت لوگ عاریت پر تاوان لیتے اور جاہل مستعیر ذمہ دار بنتے ہیں، کیا اس سے نفس عاریت منتفی ہوجائے گی؟ ہاں شاید یہ خیال کیا ہو کہ کلام مسلم حتی الامکان وجہ صحیح پر حمل کرنا چاہیے، جب کہ ہم نے اجارہ میں مطلقاً ضمان بحالت ہلاکت طالب ضمان نہ مانی تو یہ طلب خلاف شرع ہوگی لہٰذا اجارہ نہ ٹھہرانا چاہیے، مگر سبحان اللہ مسلمانوں کی اور طرفہ طرف داری کی کہ اسی خیال سے کہ صورت ہلاک میں جو بشدت نادر ہے، کہیں طلب ضمان نہ کر بیٹھیں جو ایک مختلف فیہ ممنوع ہے، لہٰذا اصل عقد ہی میں ربا لازم ودائم مان کر مسلمانوں کو مرتکب حرام اجماعی ٹھہرا دیجیے، یعنی کشتن باید تا تپ نیاید، فرمن المطر ووقف تحت المیزاب .

ثالثاً: کس نے کہا کہ اجارۂ محضہ ہے معنی قرض یقیناً متحقق اور ردِّ مثل اس کا خاص حکم، تو یہ تضمین بر بنائے اجارہ نہ ہو، بر بنائے قرض سہی، اب اسے اجارہ سے کیا تنافی رہی۔[1]

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدعی کی دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے وجوب ضمان کو منافی اجارہ مانا ہے حالاں کہ ایسا کچھ نہیں، کتب فقہ کی سینکڑوں کتابوں میں اجیر پر ضمان کا مسئلہ ہے، بر سبیل تنزل اگر یہی مان لیا جائے کہ ضمان کی

(۱) رسالہ: المنی والدرر مشمولہ: فتاوی رضویہ، ج ۱۰ ص: ۱۲۰ رضا اکیڈمی

طلب اجارہ کے منافی ہے پھر اس سے لازم نہیں آتا کہ اصل عقد ہی بدل جائے بہت سے لوگ عاریت پر تاوان لیتے ہیں اور جہلا عاریت لینے والے اس کے ذمہ دار بنتے ہیں لیکن اس سے نفس عاریت منتفی نہیں ہوتی ہے تو عقد اجارہ طلب ضمان سے کیوں منتفی ہو، نیز ہم نے یہ تو نہیں کہا کہ منی آرڈر کرنا اجارہ ہی ہے اس میں معنی قرض کا تحقق نہیں ہے ہم نے اس کو اجارۂ محضہ نہیں کہا بلکہ اجارہ ہے اور اس میں معنی قرض کا بھی تحقق ہے اس لیے اس میں کوئی تنافی نہیں۔

منی آرڈر کو حرام قرار دینے والے مدعی نے حرمت پر دوسری دلیل یہ دی کہ، منی آرڈر اجارہ اس لیے نہیں ہے کہ اجارہ ہو تو بعینہ اسی روپے کا پہنچانا لازم ہو۔ لیکن یہ امر نہ بھیجنے والا ضروری خیال کرتا ہے نہ ڈاک والے ضروری خیال کرتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اس دوسری دلیل کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اقول: قطع نظر اس سے کہ یہ قیاس استثنائی کس اعلیٰ درجہ نفاست پر ہے، تالی لزوم نفس الامری اور استثنا رفع خیال لزوم یا رفع عمل۔ کیا اگر عاقدین کسی حکم واقعی عقد کو اپنے ذہن میں لازم نہ سمجھیں، یا اس پر عمل نہ کریں تو اس سے وہ عقد وہ عقد ہی نہ رہے گا؟ عدم حکم مستلزم عدم عقد ہے یا عدم اعتقاد و عمل؟ اصل کلام وہی ہے کہ بے شک لازم ہوتا۔ اگر اجارہ، اجارۂ محضہ ہوتا یہاں تو ڈاک خانہ فلاں جگہ جا کر ادائے زر اور وہاں سے لاکر ایصال رسید پر اجیر اور زر داخل کردہ کا مستقرض و مدیون ہے تو جو چیز وہاں دے گا عین نہیں دین ہے۔ دین کا بعینہ پہنچانا کیوں کر متصور اور اس کا لزوم کہاں کا حکم، بالجملہ ان داموں کے اجرت ہونے سے انکار کرنا اور عوض قرار دے کر ربا ٹھہرانا یوں ہی صحیح تھا کہ اسے قرض محض خالی عن الاجارہ ثابت کرتے اور دونوں دلیلیں بفرض تمامی صرف اس قدر پر دال کہ وہ اجارۂ محضہ نہیں، تو دلیل کو دعویٰ سے اصلاً مس نہیں۔

خلاصہ یہ کہ بعینہ انھیں روپیوں کو پہنچانا اس وقت لازم قرار دیا جاتا جب کہ یہ اجارہ اجارۂ محضہ ہوتا، منی آرڈر والی صورت میں ڈاک خانہ کا آدمی مرسل الیہ کے گھر جا کر روپے ادا کرتا ہے وہاں سے رسید لاتا ہے پھر اس کو واپس مرسِل کے پاس دیتا ہے یہ سب اجیر کی صورت ہے اس لیے وہ اپنی اجرت فیس کی صورت میں لیتا ہے اور وہی ڈاک خانہ مرسل الیہ تک مثلِ رقم پہنچانے کے لیے مرسل سے رقم لیتا ہے اس لیے یہ قرض کی صورت بھی ہے تو اس کا بعینہ پہنچانا لازم نہیں۔ منی آرڈر کو ربا ثابت کرنے کے لیے مدعی کے لیے ضروری تھا کہ ان دونوں دلیلوں سے اس کو قرض محض خالی عن الاجارہ ہونا ثابت کر دے حالاں کہ ایسا نہیں ہو سکا۔ دونوں کا مفاد صرف اتنا ہے کہ یہ اجارۂ محضہ نہیں ہے اور اجارۂ محضہ نہ ہونے سے اس کا ناجائز و حرام ہونا لازم نہیں آتا۔

پھر مزید تحقیق کی روشنی میں لکھتے ہیں کہ ڈاک خانہ چوں کہ اجیر مشترک ہے اور صاحبین، امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت علی مرتضی اور ائمہ ثلاثہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ اجیر مشترک ضامن ہے اگرچہ اس کی طرف سے کوئی تعدی و تقصیر نہ واقع ہوئی ہو، برخلاف اجیر خاص کے کہ وہ امین ہے۔ لہٰذا جب تک تعدی نہ کرے اصلاً ضمان نہیں ہے، متعدد فقہاے حنفیہ نے صاحبین کے قول کو استحسان قرار دیا۔

اس کی قدرے تفصیل اعلیٰ حضرت کی زبانی پیش ہے:

ثم **اقول** وباللہ التوفیق، وبہ الوصول الی ذری التحقیق: حقیقت امر یہ ہے کہ ڈاک خانہ قطعًا اجیر مشترک اور اس میں جس قدر فیسیں ہیں سب اجرت عمل پھر ضوابط ڈاک نے ان پر اعمال دو قسم پر منقسم کیے:

ایک وہ جن میں آفس ذمہ دار و ضمین قرار پاتا ہے۔ جیسے پارسل، رجسٹری، بیمہ و منی آرڈر۔

دوسرے وہ جس میں ذمۂ ضمان نہیں، جیسے خطوط و پاکٹ بیرنگ و باٹکٹ۔

اور یہیں سے واضح ہو گیا کہ یہ اداے ضمان بربنائے قرض نہیں بلکہ ضوابط کی اس تقسیم پر مبنی ہے، ولہذا بیمہ میں صرف ضمان دیتے ہیں، حالاں کہ وہاں قرض کا اصلاً احتمال نہیں بلکہ انصاف کیجیے تو روپیہ لینے والے درکنار عام روپیہ داخل کرنے والوں کا بھی ذہن اصلاً اس طرف نہیں جاتا کہ یہ روپیہ جو ہم دیتے ہیں بوجہ قرار داد امساک عین ودفع مثل ڈاک خانہ کو قرض دے رہے ہیں ڈاک خانہ ہم سے دست گرداں لے رہا ہے بلکہ یقینًا لینے دینے والے سب اس عقد کو مثل سائر عقود ڈاک خانہ عقد اجارہ ہی جانتے ہیں...(ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے آپ کو مقرض اور مستقرض نہیں سمجھتے ہیں) ہاں! بعد تلف ڈاک خانہ اسی ذمہ داری کے سبب اس وقت سے مدیون سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ روپیہ بھیجنے کے لیے داخل کرتے ہی عاقدین اپنے آپ کو دائن و مدیون تصور کرتے ہوں، یہ بدیہیات واضحہ سے ہے جس کا انکار مکابرہ، تو یہ اقرار ضمان ہرگز بربنائے اقراض واستقراض نہیں بلکہ اجیر مشترک پر شرط ضمان ہے۔[1]

---

(۱) فتاوی رضویہ، ج۱۰ص:۱۳۰

حل اشکالات وجواب اعتراضات

منی آرڈر عقد اجارہ کی طرح ہے اس لیے جائز ہے اس میں مرسِل مستاجر کی منزل میں اور ڈاک خانے کا عملہ اجیر مشترک کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن منی آرڈر کے جواز پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے:

منی آرڈر میں عقد اجارہ ہوتا ہے فیس اس میں عمل کی اجرت ہے مگر اس میں تقدیراً یہ شرط ملحوظ رہتی ہے کہ اگر مرسَل الیہ تک مطلوبہ رقم نہیں پہنچ سکی تو ڈاک خانہ اس کا تاوان دے گا۔ یہ شرط کی منزل میں ہوتا ہے جس میں عاقدین میں سے ایک کا سراسر نفع ہے اور ایسی شرط والے عقد سے حدیث شریف میں منع کیا گیا ہے اس لیے منی آرڈر کے جائز ہونے کا قول کرنا درست نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اس اشکال کو کتب فقہ کے کثیر جزئیات سے شافی ووافی طور پر حل کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ عقد کو وہ شرط فاسد کرتی ہے جس پر لوگوں کا تعامل نہ ہو لیکن جو شرط عرف بن چکی ہو وہ عقد کی صحت میں مخل نہیں، اور منی آرڈر میں مرسل الیہ تک رقم نہ پہنچنے کی صورت میں تاوان کی جو شرط ہے وہ عرف عام میں مشہور ہے اس کو زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث "نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الشرط" بھی عدم تعارف شرط کے ساتھ مقید ہے۔ فقہائے کرام نے اجارہ کو بیع پر قیاس کیا ہے یعنی جو شرطیں بیع کو فاسد کریں گی وہ اجارہ کو بھی فاسد کر دیں گی، اور بیع کو جو شرطیں فاسد کرتی ہیں وہ عدم تعارف والی شرطیں ہیں متعارف شروط بیع کو فاسد نہیں کرتیں، اسی طرح عقد اجارہ کو بھی وہی شرطیں فاسد کریں گی جو بیع کو کرتی ہیں، یہ بحث اول کا خلاصہ ہے۔

بحث ثانی میں مختلف فقہا کی عبارتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ جس زمانہ میں واقعہ کا ظہور ہو رہا ہے، جس وقت مسائل پیدا ہوئے ہیں اس زمانہ کے عرف وتعامل کا اعتبار ہوگا اس کو تیس کتب معتبرہ کے تیس مسائل کی مثالیں پیش کر کے واضح فرمایا ہے۔

بحث ثالث میں تین طریقوں سے عرف ناس کے حدود کی تعیین کی ہے اس میں بہت سی دوسری باتوں کا افادہ بھی کیا ہے۔

اس اجمال کی تھوڑی تفصیل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری کی زبان میں ملاحظہ ہو:

ہنوز بلوغ شرط تاحد افساد میں ایک اور شرط باقی ہے کہ عرف ناس اس شرط کے ساتھ جاری نہ ہو، ورنہ بحکم تعارف جائز رہے گی اور صحت جواز عقد میں کچھ خلل نہ ڈالے گی، منی آرڈر کا نہ صرف تمام بلاد وامصار واقطار ہندیہ بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی دائر وسائر ہونا تو محتاج بیان نہیں، مگر فقیر وہ کلمات علما چند ابحاث میں ایراد کرے جو اس مسئلہ شرط کو واضح کرکے بعونہ تعالیٰ ما نحن فیہ کا حکم روشن کردیں۔

بحث اول، شرط سے اصل نہی منصوص دربارۂ بیع وارد کہ:

نهى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم من بيع الشرط،رواه ابوحنيفة قال :حدثنى عمروبن شعيب عن جده عن النبى صلى الله تعالى عليه وسلم ومن طريق الامام رواه الطبرانى فى معجمه الاوسط والحاكم فى علوم الحديث ومن جهته ذكره عبدالحق فى احكامه وسكت عنه قال: ابن القطان (وهو على بن محمد الحموى الفاسى ذاك المتاخرالميت سنة ٦٢٨ ثمان وعشرين وست مائة) فى كتاب الوهم والايهام (ولاارى هذا الاسم الابالهام فانه قدوهم فيه واوهم فى كثير من المقام) بعد ماذكر الحديث المذكور من كتاب الاحكام علته ضعف ابى حنيفة فى الحديث .

ہلالین میں ابن قطان کا تعارف کرانے کے بعد ان کے قول کا جواب دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ رقم طراز ہیں:

اقول: عفاالله عنك ياابن القطان الست ذٰلك المعروف المشهور بالتعنت فى الرجال حتى اخذت تلين ذٰلك الجبل الشامخ هشام بن عروة ولو اجتمعت انت ومئون من امثالك وامثال شيوخك وشيوخ مشايخك لم تبلغوا جميعا قوة ابى حنيفة ولاقوة غلمانه ولاقوة هشام ولااقرانه فى العلم والحديث ولكن علتكم انتم ايها الناس التعنت والتقشف وقلة الدراية لمسالك التعرف وهذا ابومحمد عبدالحق كان اعرف منك بالحق حيث صحّح الحديث بايراده فى الاحكام والسكوت عنه.[1]

پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے یہ ثابت کیا ہے کہ جس طرح شروط، بیع کو فاسد کردیتی ہیں ایسے ہی اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہیں۔

(۱)فتاوی رضویہ، ج ۱۰ص:۷ا رضا اکیڈمی

ہدایہ میں ہے:

الاجارة تفسدها الشروط كما تفسد البيع لانه بمنزلته الاترى انه عقد يقال و يفسخ .

اسی طرح غایۃ البیان میں قدوری کے حوالے سے ہے۔

اس وضاحت کے بعد فرماتے ہیں کہ بیع کے باطل ہونے میں جو شروط کا دخل ہوتا ہے وہ وہ شرطیں ہیں جو متعارف نہیں ہیں اور چوں کہ بیع اوراجارہ مقیس اور مقیس علیہ ہیں جیساکہ ہدایہ وغیرہ کی عبارتوں سے مستفاد ہے، اس لیے ان دونوں کا حکم ایک ہوگا۔ ہدایہ، تنویرالابصار، در مختار کی عبارتوں سے اپنے اس قول کی توثیق بھی کی ہے۔

دوسری بحث میں بھی ایک اشکال کا جواب ہے تقریر اشکال یہ ہے کہ کیا شرائط کے وہ عرف جو عقد کے فساد میں اثرانداز نہیں ہوتے ہیں ان سے وہ عرف مراد ہے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے مشہور ہیں، پھر تیس کتب فقہ سے تیس مسائل کی ایسی مثالیں پیش کیں جو تعامل اور عرف ناس کی بناپر جائز قرار دی گئی ہیں حالاں کہ ان کے عقود میں بھی شرط ہے اوراس میں احد المتعاقدین کا نفع ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اقول: بعض علما کی تقریر میں ایسا واقع ہوا لیجعله من تقرير النبي صلى الله تعالى عليه وسلم مگر حق یہ کہ یہ ہرگز ضرور نہیں ہزار ہا فروع مذہب وصدہا کلمات ائمہ اس کے خلاف پر شاہد ہیں۔[1]

پھر ہدایہ، قدوری، شامی، عالم گیری، قاضی خان اور دیگر کتب معتبرہ سے اس کی شہادت پیش کی ہے۔

تیسری بحث میں اس شبہہ کو رفع کیا ہے کہ عرف وتعامل سے مراد پوری دنیا کے مسلمانوں کا اس پر عمل درآمد کرنا اوراس کا عرف بن جانا ہے ایسی صورت میں شروط والے عقدوں کا جواز کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا، کیوں کہ کسی بھی عرف پر پوری دنیا کے مسلمانوں کا عمل ممکن نہیں۔

اس کا جواب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے پانچ طریقوں سے دیا ہے جن کا لب لباب یہ ہے کہ عرف سے اکثر لوگوں کا عرف مراد ہے نہ کہ پوری دنیا کا عرف، تحریرالاصول، بحرالرائق، ردالمحتار وغیرہ میں ہے:

التعامل هو الاكثر استعمالاً .

(۱) فتاوی رضویہ، ج ۱۰ ص: ۱۹ رضا اکیڈمی

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان عقود میں جن کو متعارف شرط کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے اس تعارف اور عرف سے مراد مخصوص شہروں اور علاقوں کا عرف ہے جیسے جوتا بنوانا، چمڑے کی بیع اس شرط پر کہ اس کا جوتا بنادے، پھٹے پرانے موزوں یا کپڑوں کی بیع اس شرط کے ساتھ کہ اس میں پیوند لگادے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر عرف وتعامل سے مراد پوری دنیا کے مسلمان ہوں تو جن مسائل کو علما نے جائز قرار دیا ہے وہ محال ہوجائیں کیوں کہ کسی کو نہیں معلوم کہ مسلمان کس گھاٹی، کس جزیرے اور کس پہاڑی میں آباد ہیں۔

چوتھا جواب جن عقود کو عرف وتعامل کی بنیاد پر فقہاے امت نے جائز قرار دیا ہے ان میں ایسا ممکن ہی نہیں کہ ان شروط متعارفہ کی خبر اور اس کے جواز کی اطلاع پوری دنیا کے مسلمانوں کو ہو، انھوں نے اکثر ہی کے لحاظ سے جائز قرار دیا ہے۔

پانچواں جواب خود حضرات علماے کرام وفقہاے عظام نے اپنی کتابوں اور عبارتوں میں سینکڑوں جگہ فرمایا ہے۔ یہ فلاں شہر کا تعامل ہے، یہ ہمارے دیار کا عرف ہے۔

پھر حدیث شریف نهى النبی صلی الله تعالی علیه وسلم عن بیع الشرط کی عمدہ توجیہ فرمائی ہے چناں چہ فرماتے ہیں:

ثم اقول وبالله التوفیق: سب سے قطع نظر کرکے علماے کرام کا وہ نفس کلام جو مسئلہ اعتبارات عرف میں ذکر فرمایا بنظر نبیہ مطالعہ کیجیے تو خود ہی شاہد عدل وحجت فصل ہے کہ عرف عام سے ان کی مراد نہ ہرگز مستمر من زمن رسول اللہ ﷺ ہے، نہ عرف محیط اجماعی، نہ عرف اکثر مسلمین جملہ بلاد عالم کہ اول قطعاً مثل نص رسول اللہ ﷺ ہے۔

لکونه تقریر رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم وتقریره کقوله اوجب من فعله صلی الله تعالی علیه وسلم لان الفعل یحتمل ان یکون خصوصیة له صلی الله تعالی علیه وسلم.

تو اگر نص اس کے خلاف پایا جائے تو ضرور صالح تعارض ہوگا اور بحال تاریخ اسے نسخ کردے گا نہ یہ کہ قول اقدس کے مطابق تقریر اقدس کو مطلقاً رد کردیں۔[1]

(۱) فتاوی رضویہ، ج۱۰ ص:۲۷۷ رضا اکیڈمی

مشکلات و مبہمات کی توضیح

منی آرڈر کو رشید احمد گنگوہی نے محض قرض سمجھ کر ناجائز قرار دیا اور کہا کہ فیس کی زیادتی ربا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے اپنے رسالہ **"المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر"** میں اس پر سخت نکیر فرمائی ہے اور متعدّد وجوہ سے منی آرڈر کے جواز پر دلیلیں فراہم کی ہیں اور کئی شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔ ایک اشکال یا شبہہ یہ بھی ہے کہ جس طرح "ہنڈی" ناجائز ہے اسی طرح منی آرڈر بھی ناجائز ہونا چاہیے کیوں کہ دونوں ہی باہر روپے بھیجنے کے طریقے ہیں۔ اشکال کی تقریر اعلیٰ حضرت کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

ان مفتیان زمانہ کے خیالات تو محض اباطیل مہملہ و مہملات باطلہ جن کی حاجت بھی نہ تھی مگر اس تقریر منیر سے بحمد اللہ سبحانہ وتعالیٰ وہ شبہہ بھی حل ہو گیا جسے نظر فقہی سے علاقہ ہے اور بادی النظر میں خادم فقہ کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے یعنی سفاتج پر منی آرڈر کا قیاس، ہمارے علمائے کرام نے سفتجہ یعنی ہنڈوی کو ناجائز رکھا کہ ہر مقرض اس قرض دینے سے سقوط خطر طریق کا استفادہ کرتا ہے اور وہ فضل خالی عن العوض ہے کہ بربنائے قرض اس نے حاصل کیا وکل قرض جر منفعة فھو ربا.

بظاہر منی آرڈر و ہنڈوی دونوں دوسری جگہ روپیہ بھیجنے کے طریق ہیں جس کے باعث نظر دھوکا کھاتی ہے کہ دونوں کا حال ایک ہے۔

اس تقریر اعتراض کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ہنڈی اور منی آرڈر کے درمیان فرق کر کے اس شبہہ کا نہایت ہی نفیس جواب عنایت فرمایا ہے جواب سے پہلے ہنڈی کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

اگر کسی کو ایک ملک سے دوسرے ملک روپے بھیجنے کی ضرورت ہو تو اس شہر میں ہنڈی والے کو روپیہ دے دیتے ہیں اور وہ دوسرے شہر یا ملک میں اپنے نمائندہ کے ذریعہ اپنی متعیّنہ اجرت کے ساتھ اس جگہ روپے بھجوا دیتا ہے جہاں مرسل کی ضرورت ہو چناں چہ ردالمحتار میں ہے:

صورتها ان يدفع الى تاجر مالاقرضا ليدفعه الى صديقه وانما يدفعه قرضا لاامانة ليستفيدبه سقوط خطر الطريق وقيل :هى ان يقرض انسانا ليقضيه المستقرض فى بلد يريده المقرض يستفيد به سقوط خطرالطريق. كفاية.

اس صورت میں "كل قرض جرمنفعة فهو ربا "صادق آرہاہے کیوں کہ اس میں مقرض کاسراسر نفع ہے اس لیے کہ اگر روپے راستے میں ضائع ہوجائیں تو ہنڈی والے کو بدل دینا ہوگا اور مقرض راستے کے خطروں سے بھی مامون ہے اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔ یہ صورت منی آرڈر میں نہیں پائی جاتی بلکہ مستقرض ڈاک خانہ استقراض سے نفع اٹھاتا ہے نہ کہ مقرض منی آرڈر کرنے والا اقراض سے نفع اٹھارہا ہے۔

اب جواب کی تقریر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

اگر ذرا تامل کو کام میں لائیے تو آفتاب روشن کی طرح متجلی ہو کہ ان میں باہم زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہنڈوی محض قرض ہے اور اس میں قرض دینا خاص مرسل کی غرض اور اس کے ذریعہ سے اسے سقوط خطر کی منفعت حاصل، تو كل قرض جرمنفعة فهوربا بلا شبہہ صادق، ہنڈوی کرنے والوں کی کوٹھیاں دادودست دہی کے لیے موضوع ہیں، نہ اجیر بننے کے لیے۔ مرسل اگر مال قرض نہ دیتا امانت رہتا اور بحال ہلاک تاوان نہ پاتا فلہذا قرض دیتا ہے اور اس سے یہ نفع حاصل کرتا ہے۔[1]

ہُنڈی کی تفسیر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

بخلاف ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لیے ہے جو فیس دی جاتی ہے یقیناً اجرت ہے اور اقرار ذمہ داری اور ان اقوال مفتی بہا کی بنا پر حکم شرعی وصحیح و مقبول ہی لزوم ضمان کے لیے کافی ووافی، مرسل کی غرض نفس عقد اجارہ سے حاصل، اور صرف اسی قدر افادہ سقوط خطر کے لیے متکفل، قرض دینے سے اس کی کوئی غرض اصلاً متعلق نہیں، نہ اس کا فائدہ اس کی طرف راجع، فرض کیجیے اگر ڈاک خانہ زر منی آرڈر بعینہٖ بھیجا کرتا تو اس کا کیا حرج تھا کہ اسے تو روپیہ بھیجنے سے کام ہے اور اگر وہ راہ میں جاتا رہتا تو اس کا کیا نقصان تھا کہ بحکم قرارداد یہ ضمان کا مستحق ہوچکا، بلکہ یہ ضابطہ تو بعض اوقات بھیجنے والوں کو الٹا نقصان دیتا، کہ مصر و عرب و شام وغیرہ ممالک کو روپیہ بھیجے تو یہاں سے لندن جاکر ازاں جاکہ وہاں سکۂ سیم نہیں سکۂ زر سے تبدیل کیا جاتا اور اس پر بہت کچھ بٹا لیا جاتا، غرض اس فرض قرض میں مرسلوں کا کوئی نفع نہیں ہاں اُجراَ یعنی اہالی ڈاک نے اپنی آسائش و تحفظ کے لیے

(۱)فتاوی رضویہ، ج ۱۰ص:۱۶۱رضا اکیڈمی

یہ ضابطہ وضع کیا، ذمہ داری بیمہ و منی آرڈر دونوں میں تھی، مگر پارسل کا بند مال مہر میں لگا ہوا قابلیت تبدیل نہ رکھتا تھا، روپے میں یہ صورت میسر تھی اور شک نہیں کہ مال بھیجنے سے کاغذ بھیجنا آسان اور اس میں ان ذمہ داروں کے لیے خطر طریق سے امان، لہذا یہ ٹھہر الیا کہ زر داخل کردہ یہیں رکھ کر وہاں لکھ بھیجیں گے، اگر بفرض غلط اس صورت میں ڈاک خانہ کو مستقرض مانا جائے تو اس میں مستقرض نے استقراض سے نفع اٹھایا، نہ کہ مقرض نے اقراض سے، اور مستقرض انتفاع بالقرض سے ممنوع نہیں تو یہاں یدفعه قرضا یستفید به صادق نہیں بلکہ یاخذ قرضا یستفید به صادق، هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق. [1]

☆-☆-☆

راقم **شہاب الدین** نے اپنے اسباق، امتحانات اور مشق افتا وغیرہ جاری رکھتے ہوئے فتاوی رضویہ جلد دہم سے متعلق قلیل اوقات میں اپنی نظر اور وسعت کے مطابق کچھ کمالات و محاسن پیش کیے ہیں۔ ارباب علم و نظر اس سے زیادہ اور بہت زیادہ پیش کر سکتے ہیں۔ امید کہ قلت علم یا عجلت کے باعث راقم سے جو خطا ہوئی ہو اہل کرم اسے دامن عفو میں جگہ دیں گے اور میرے لیے زیادتِ علم و عمل اور رسوخِ فکر و نظر کی دعا کریں گے۔

وللارض من کاس الکرام نصیب.

(۱) فتاوی رضویہ، ج ۱۰ ص: ۱۷ رضا اکیڈمی

معارف جلد یازدہم

از

مولانا محمد ابراہیم مصباحی
کشمیر

عنوانات

۱- کثیر آیات سے استدلال

۲- کثیر احادیث سے استدلال

۳- تخریج احادیث

۴- فکر انگیز تحقیقات

۵- دلائل کی فراہمی اور وسعت نظر

۶- علمی تحقیقات

۷- ردّ ملاحدہ و آریہ و نصاری

۸- مخالفین کا تعاقب

۹- رد فلسفہ

کثیر آیات سے استدلال

صرف قرآن مقدس کو یاد کرلینا کوئی مشکل امر نہیں، ایک سات، آٹھ سالہ بچہ بھی اسے بآسانی یاد کرلیتا ہے، مگر اس کی آیات مقدسہ کو ازبر کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے استخراج مسائل واستنباط احکام یقیناً ایک اہم اور مشکل کام ہے اس کو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جسے صرف ونحو، ادب وبلاغت، اصول ولغت وغیرہ تمام علوم عربیہ اور علوم دینیہ پر دست گاہ حاصل ہو اور عنایت ربانی کی خاص تجلّی سے اس کا دل ودماغ روشن وتابناک ہو، بلاشبہہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تمام اوصاف کے جامع تھے کہ آپ کو قرآن کریم کی آیات بینات کے استحضار کے ساتھ ساتھ ان سے استدلال واستخراج کا بھی ملکہ حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے فتاویٰ کو بے شمار آیات سے مدلّل ومبرہن کیا۔ ذیل میں اس کے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

﴿۱﴾

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں ایک سوال آیا کہ ایک شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی کام برا ہو یا بھلا خدا کی تقدیر سے ہوتا ہے۔ اور تدبیرات کو کار دنیوی واخروی میں امر مستحسن اور بہتر جانتا ہے۔ جب کہ دوسرا شخص اس کو تدبیرات کے مستحسن جاننے کی بنیاد پر کافر کہتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے اپنی تحقیق انیق سپرد قلم فرمائی۔ اور ثابت فرمایا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بلاشبہہ اللہ عزوجل کی تقدیر سے ہوتا ہے مگر یہ تدبیر کے منافی نہیں بلکہ دنیا دارالاسباب ہے اور اللہ عزوجل نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق ان مسببات کو اسباب سے مربوط فرمایا ہے۔ اور یہ کہ ایمان نہ صرف تقدیر پر بھروسا کرنے کا نام ہے اور نہ ہی صرف تدبیرات کے قول کرنے کا بلکہ ایمان دونوں کا عطر مجموعہ ہے۔ اور اپنے اس موقف کو مندرجہ ذیل آیات بینات سے مزین فرمایا۔

اثبات تقدیر باری عزوجل پر تین دلائل پیش فرمائے:

۱- قال اللہ تعالیٰ: «وَ كُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾»[القمر: ۵۳] ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

۲-قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ [الأنعام: ۵۹]

اور نہ کوئی تر نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں نہ ہو۔

۳-قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ [یٰس: ۱۲]

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔

اس کے بعد آپ یوں تحریر فرماتے ہیں:

"جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے، یوں ہی تدبیر کو محض عبث و مطرود و فضول و مردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے، جس کی رو سے صدہا آیات و احادیث سے اعراض اور انبیا و صحابہ و ائمہ و اولیا سب پر طعن و اعتراض لازم آتا ہے۔ حضرات مرسلین صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہم اجمعین سے زیادہ کس کا توکّل ہے، اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان ہے، پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی راہیں بتاتے۔ اور خود کسب حلال میں سعی کر کے رزق طیب کھاتے۔"

اس کے بعد اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل آیات بینات سے کسب حلال کی فضیلت و اہمیت کو اجاگر فرمایا۔

(۱)-حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلاۃ والسلام زرہیں بناتے تھے، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ﴾ [الأنبیآ: ۸۰]

اور ہم نے اسے تمھارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمھیں آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے۔

(۲)-و قال تعالیٰ: ﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [السبا: ۱۰،۱۱]

اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ اور تم سب نیکی کرو بے شک میں تمھارے کام دیکھ رہا ہوں۔

(۳)- حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے دس برس حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں اجرت پر چرائیں:

چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَۚ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْكَؕ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۞ قَالَ ذٰلِكَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَؕ اَیَّمَا الْاَجَلَیْنِ قَضَیْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَیَّؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ۞ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ» الآیة [القصص: ۲۷، ۲۸، ۲۹]

کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمھیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو۔ پھر اگر پورے دس برس کر لو تو تمھاری طرف سے ہے اور تمھیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ قریب ہے ان شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ موسی نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان اقرار ہو چکا میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں۔ اور ہمارے اس کہے پر اللہ کا ذمہ ہے پھر جب موسیٰ نے اپنی میعاد پوری کر دی اور اپنی بیوی کو لے کر چلا۔

(۴)-«وَ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِۛ»[البقرۃ: ۱۹۵]

اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو۔

(۵)-«وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْؕ»[الغافر: ٦٠]

تمھارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: "وہ قادر تھا کہ بے دعا کے مراد بخشے، پھر اس تدبیر کی طرف کیوں ہدایت فرمائی؟ اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ حدیث میں سیدعالم ﷺ نے فرمایا "من لم یدع الله غضب علیه" کہ جو اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرمائے گا۔" [1]

(٦)-قال اللہ تعالیٰ: «اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ»[النساء: ۵۹]

حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

(۷)-و قال اللہ تعالیٰ: «وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِۚ»[الانفال: ۳۹]

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ کا ہو جائے۔

(1)-فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۱، ص: ۱۷۲-۱۷۵، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

(۸)-وقال تعالیٰ: «وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰہَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝» [البقرۃ: ۲۵۱]

اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہوجائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے۔

(۹)-وقال تعالیٰ: «وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰہِ كَثِيْرًا» [الحج: ٤٠]

اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے۔(کنزالایمان)

(۱۰)-وقال تعالیٰ: «اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ۝» [الانفال: ۷۳]

ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔(کنزالایمان)

(۱۱)-وقال تعالیٰ: «وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝» [البقرۃ: ۱۷۹]

اور خون کا بدلہ لینے میں تمھاری زندگی ہے اے عقل مندو کہ تم کہیں بچو۔

اس آیت کریمہ کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، یعنی خون کے بدلے خون لوگے تو مفسدوں کے ہاتھ رکیں گے۔ اور بے گناہوں کی جانیں بچیں گی۔ اور اسی لیے حد جاری کرتے وقت حکم ہوا کہ مسلمان جمع ہوکر دیکھیں تاکہ موجب عبرت ہو۔

(۱۲)-وقال تعالیٰ: «وَ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۝» [الإسراء: ۱۹]

اور جو آخرت چاہے اور اس کی سی کوشش کرے، اور ہو ایمان والا، تو انہیں کی کوشش ٹھکانے لگی۔(کنزالایمان)

اس کے بعد یوں رقم طراز ہیں: خود حضرت عزت جلّ مجدہ نے قرآن عظیم میں تلاش وتدبیر اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۳)- قال تعالیٰ: «وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ» [البقرۃ: ۱۹۷، ۱۹۸]

اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیز گاری ہے، اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

(۱۴)- و قال تعالیٰ: « يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ » [المائدة: ۳۵] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ (۱)

﴿۲﴾

قیامت کے دن جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا، اور کوئی کسی کا یار و مددگار نہیں ہوگا اور دن اس قدر طویل ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے شدت کی گرمی ہوگی سورج میں دس برس کامل کی گرمی جمع کر دی جائے گی اور سروں سے کچھ ہی فاصلے پر ہوگا پیاس کی شدت انتہا کو پہنچ چکی ہوگی لوگ پسینہ سے شرابور ہوں گے اور اس قدر پسینہ بہے گا کہ پورا میدان بھر جائے گا یہاں تک کہ گلے گلے سے بھی اونچا ہو جائے گا لوگ اس میں غوطے کھائیں گے تو ایسے بے کسی کے عالم میں لوگ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں شفاعت کی درخواست کریں گے مگر آدم و نوح، خلیل و ذبیح اور کلیم و مسیح علیہم الصلاۃ والسلام کی جانب سے ”نفسی نفسی اذهبوا إلیٰ غیری“ کا جواب سنیں گے پھر رسول کائنات ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو آپ ارشاد فرمائیں گے ”أنا لها أنا لها“ اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے نبی کریم ﷺ کی شفاعت کے برحق ہونے پر استدلال فرمایا۔

(۱)- قال اللہ تعالیٰ: «عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝» [الإسراء: ۷۹]

(قریب ہے کہ تمھیں تمھارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمھاری حمد کریں)

صحیح بخاری شریف میں ہے: حضور شفیع المذنبین ﷺ سے عرض کی گئی، مقام محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا: ”هو الشفاعة“ وہ شفاعت ہے۔

(۲)- «وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝» [الضحیٰ: ۵]

اور قریب تر ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

(۱)- فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۱، ص: ۱۷۵-۱۸۲، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

دیلمی مسند الفردوس میں امیر المؤمنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی جب یہ آیت اتری حضور شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا:

"إذن لا أرضى و واحد من أمتي في النار" یعنی جب اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا۔

طبرانی اوسط اور بزار مسند میں اس جناب مولی المسلمین سے راوی کہ حضور شفیع المذنبین ﷺ فرماتے ہیں:

"أشفع لأمّتي حتى يناديني ربّي أرضيت يا محمد فأقول أي ربّ رضيت" میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب پکارے گا اے محمد تو راضی ہوا میں عرض کروں گا اے میرے رب میں راضی ہوا۔

(۳)-قال اللہ تعالیٰ: «وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ»[محمد: ١٩]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کو حکم دیتا ہے کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہ مجھ سے بخشواؤ۔ اور شفاعت کا ہے کا نام ہے۔

(۴)-قال اللہ تعالیٰ: «وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝» [النسآء: ٦٤]

اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے پاس حاضر ہوں پھر خدا سے استغفار کریں اور رسول ان کی بخشش مانگے تو بے شک اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے اگر گناہ ہو جائے اس نبی کی سرکار میں حاضر ہو اور اس سے درخواست شفاعت کرو، محبوب تمھاری شفاعت فرمائے گا تو ہم یقیناً تمھارے گناہ بخش دیں گے۔

(۵)-قال اللہ تعالیٰ: «وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ»[المنٰفقون: ٥]

جب ان منافقوں سے کہا جائے آؤ رسول اللہ تمھاری مغفرت مانگیں تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔[1]

(1)-فتاویٰ رضویہ، ١١/١٣٥، رضا اکیڈمی، ممبئی ٣.

کثیر احادیث سے استدلال

ہر فقیہ کے لیے علم حدیث میں مہارت ایک لازمی چیز ہے، جب تک علم حدیث میں کمال نہ حاصل ہو تب تک کوئی فقیہ نہیں ہوسکتا اس کے برخلاف ہر محدث کے لیے فقیہ ہونا ضروری نہیں بلکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی زبردست محدث ہو مگر فقیہ نہ ہو۔ فقیہ عالم بالحدیث بھی ہوتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس سے کہاں اور کس طرح استفادہ ہوسکتا ہے، نیز یہ بھی علم رکھتا ہے کہ قوت وضعف اور حسن وصحت کے لحاظ سے حدیث کا مرتبہ ومقام کیا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے فقہاے کرام کی عظمت شان ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”من یرد الله به خیرا یفقهه في الدین“ خدا جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے اپنے دین کا فقیہ بنادیتا ہے۔

علم حدیث میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہارت ورسوخ کے ثبوت میں بے شمار شواہد پیش کیے جاسکتے ہیں مگر مجھے یہاں صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کسی مسئلہ پر قلم اٹھایا تو اپنے موقف کی تائید میں بے شمار احادیث پیش فرمائیں۔ اس کی ایک جھلک مسئلۂ شفاعت ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ بروز محشر رسول اللہ ﷺ بارگاہ رب العزت میں ہم گنہ گاروں کی شفاعت فرماکر جنت کا پروانہ عطا فرمائیں گے۔ اس پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال فرمایا:

(۱-۲)- حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی کہ حضور شفیع المذنبین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”خیّرت بین الشفاعة و بین أن یدخل شطر أمّتي الجنة فاخترت الشفاعة، لأنّها أعمّ و أکفی. ترونها للمومنین المتقین؟ لا ولکنها للمذنبین الخطائین.“

اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمھاری آدھی امت جنت میں جائے میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے، کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے؟ نہیں بلکہ ان گنہ گاروں کے لیے ہے جو گناہوں میں آلودہ سر اور سخت کار ہیں۔

(۳)-ابن عدی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''شفاعتي للهالكين من أمّتي.'' میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لیے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔

(۴-۸)-حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبد اللہ حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی حضور نبی کریم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي.'' میری شفاعت میری امت میں ان کے لیے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔

(۹)-حضرت ابو بکر احمد بن علی بغدادی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''شفاعتي لأهل الذنوب من أمّتي.'' میری شفاعت میرے گنہ گار امتیوں کے لیے ہے۔ ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی ''وإن زنى وإن سرق.'' اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو، فرمایا: ''وإن زنى وإن سرق على رغم أنف أبي الدرداء.'' اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو، بر خلاف خواہش ابو درداء کے۔

(۱۰-۱۱)-طبرانی، بیہقی حضرت بریدہ سے اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''إنّي لأشفع يوم القيمة لأكثر ممّا على وجه الأرض من شجر وحجر ومدر.'' یعنی روے زمین پر جتنے پیڑ پتھر ڈھیلے ہیں میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت فرماؤں گا۔

(۱۲)-بخاری و مسلم و حاکم و بیہقی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''شفاعتي لمن شهد أن لا إله إلّا الله مخلصا يصدّق لسانه قلبُه.'' میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو۔

(۱۳)-حضرت معاذ بن جبل و حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''إنّها أوسع لهم هي لمن مات ولا يشرك بالله شيئا.'' شفاعت میں امت کے لیے وسعت زیادہ ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

(۱۴)-طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اٰتي جهنّم فأضرب بابها فيفتح لی فأدخلها فأحمد الله محامد ماحمده أحد قبلی مثله و لا يحمده أحد بعدی مثله ثمّ أخرج منها من قال لا إله إلّا الله .مخلصاً." میں جہنم کا دروازہ کھلواکر تشریف لے جاؤں گا وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا ایسی کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیں۔ نہ میرے بعد کوئی کرے۔ پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال لوں گا جس نے خالص دل سے "لا الہ الّا اللہ" کہا۔

(۱۵)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"يوضع للأنبياء منابر من ذهب فيجلسون عليها و يبقى منبری ولم أجلس لا أزال أقيم خشية أن أدخل الجنة و يبقى أمّتی بعدی فأقول يارب أمّتی أمّتی فيقول الله يا محمد وماتر يد أن أصنع بأمتك؟ فأقول يارب عجّل حسابهم فما أزال حتی أعطی صكا كا برجال قد بُعث بهم إلیٰ النّار وحتی أن مالكا خازن النّار يقول يا محمّد ما تركت لغضب ربّك في أمّتك من بقية".

انبیا کے لیے سونے کے منبر بچھائے جائیں گے وہ ان پر بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی رہے گا کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا بلکہ اپنے رب کے حضور سر و قد کھڑا رہوں گا اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد رہ جائے۔ پھر عرض کروں گا اے میرے رب میری امت میری امت، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد! تیری کیا مرضی ہے میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں؟ عرض کروں گا اے رب میرے ان کا حساب جلد فرمادے۔ پس میں شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے ان کی رہائی کی چٹھیاں ملیں گی جنھیں دوزخ بھیج چکے تھے یہاں تک کہ مالک داروغۂ دوزخ عرض کرے گا اے محمد آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا۔

(۱۶-۲۱)۔ حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوذر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت سائب بن یزید اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وأعطيت مالم يعطهنّ أحد قبلی إلی قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وأعطيت الشفاعة."

مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی کو نہ عطا ہوا۔ یہاں تک کہ فرمایا: اور مجھے شفاعت عطا کی گئی۔

(۲۲-۲۳)۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابوسعید، حضرت ابوموسی، حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”إن لكلّ نبي دعوة قددعا به في أمّته واستجيب له (وهذا اللفظ لأنس ولفظ أبي سعيد) ليس من نبي إلّا وقد أعطى دعوة فتعجّلها (ولفظ ابن عباس) لم يبق نبيّ إلّا أعطى له (ورجعنا إلى لفظ انس وألفاظ الباقين كمثله معنى) قال وإني اختبأت دعوتى شفاعة لأمّتى يوم القيمة (زاد أبو موسى) جعلتها لمن مات من أمّتى لا يشرك بالله شيئا.“

یعنی انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوتی ہیں مگر ایک دعا انہیں خاص جناب باری تبارک وتعالیٰ سے ملتی ہے کہ جو چاہو مانگ لو۔ بے شک دیا جائے گا تمام انبیا آدم سے عیسیٰ تک علیہم الصلاۃ والسلام سب اپنی اپنی وہ دعا دنیا میں کر چکے۔ اور میں نے آخرت کے لیے اٹھا رکھی۔ وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے۔ قیامت کے دن میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔

(۲۴)- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے میں نے دو بار تو دنیا میں عرض کرلی ”اللّٰهم اغفر لأمّتى، اللّٰهم اغفر لأمتى، الٰہی میری امت کی مغفرت فرما الٰہی میری امت کی مغفرت فرما، وأخّرت الثالثة ليوم يرغب إليّ فيه الخلق حتى ابراهيم، اور تیسری عرض اس دن کے لیے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الٰہی میری طرف نیاز مند ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلاۃ والسلام۔“

(۲۵)- بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسری اپنے رب سے عرض کی:

”تو نے انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے، رب عزمجدہ نے فرمایا: ”أعطيتك خيرا من ذلك (إلى قوله) خبأت شفاعتك ولم أخبأها لنبي غيرك“ میں نے تجھے جو عطا فرمایا وہ ان سب سے بہتر ہے۔ میں نے تیرے لیے شفاعت چھپا رکھی ہے اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی۔

(۲۶)- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”وإذا كان يوم القيمة كنت إمام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم، غير فخر.“

قیامت کے دن میں انبیا کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا، اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرمایا۔

(۲۷-۴۰)-ابن منیع حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے راوی کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"شفاعتي يوم القيمة حق فمن لم يؤمن بها لم يكن من أهلها." میری شفاعت روز قیامت حق ہے، جو اس پر ایمان نہ لائے گا اس کے قابل نہ ہوگا۔ [1]

یہ مضمونِ شفاعت پر چالیس حدیثیں وہ ہیں کہ گوشِ عوام تک کم پہنچی ہوں گی۔ ان کے علاوہ کثیر احادیث مشہورہ بھی ہیں جو قصداً درج نہ کی گئیں اور ان کا ایک نفیس اختصار فتوے میں موجود ہے۔

⊙⊙⊙

(1)-فتاویٰ رضویہ، ۱۱/۱۳۶-۱۴۰، رضا اکیڈمی، ممبئی.

تخریج احادیث

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی مسئلہ پر احادیث کریمہ سے استدلال فرماتے ہیں تو ان احادیث کی تخریج بھی فرماتے ہیں۔ ذیل میں اثبات شفاعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چند احادیث کریمہ اور امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخریجات کے چند نظائر پیش کیے جاتے ہیں جن سے آپ کے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

پہلی حدیث: "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: وأعطيت مالم يعطهنّ أحد قبلی..إلی قوله ^ وأعطيت الشفاعة".

اس حدیث کی تخریج کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ چھ صحابۂ کرام سے مروی ہے، ان صحابۂ کرام اور ان سے روایت کرنے والے محدثین کی تفصیل اس طرح ہے۔

صحابی (۱) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رواۃ محدثین: (۱) امام بخاری (۲) امام مسلم (۳) امام نسائی

صحابی (۲) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

رواۃ محدثین: (۱) امام احمد بسند حسن (۲) امام بخاری تاریخ میں (۳) امام بزار (۴) امام طبرانی (۵) امام بیہقی (۶) امام ابو نعیم

صحابی (۳) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رواۃ محدثین: (۱) امام احمد بسند حسن (۲) امام بزار بسند جید (۳) امام دارمی (۴) امام ابن ابی شیبہ (۵) امام ابو یعلیٰ (۶) امام ابو نعیم (۷) امام بیہقی

صحابی (۴) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راوی محدث: (۱) امام طبرانی معجم اوسط میں

صحابی (۵) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

راوی محدث: (۱) امام طبرانی معجم کبیر میں

صحابی (۶) حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رواۃ محدثین: (۱) امام احمد بسند حسن (۲) امام ابن ابی شیبہ (۳) امام طبرانی

دوسری حدیث: "قال النبي ^: «شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي» ".

میری شفاعت میری امت میں ان کے لیے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔

اس حدیث کی تخریج آپ یوں فرماتے ہیں:

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے بافادۂ تصحیح حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

- ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان و حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔
- طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔
- اور خطیب بغدادی نے حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق و حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی۔

تیسری حدیث: "قال النبي ^: «خيّرت بين الشفاعة و بين أن يدخل شطر أمّتي الجنة فاخترت الشفاعة لأنّها أعمّ وأكفى ترونها للمومنين المتقين؟ لا ولكنّها للمذنبين الخطّائين» ".

اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمھاری آدھی امت جنت میں جائے میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تام اور زیادہ کام آنے والی ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے؟ نہیں بلکہ ان گنہ گاروں کے لیے ہے جو گناہوں میں آلودہ سر اور سخت کار ہیں۔

اس حدیث کی تخریج اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں فرمائی:

یہ حدیث امام احمد نے بسند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالے سے روایت کی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

چوتھی حدیث: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: « إني لأشفع يوم القيمة لأكثر مما على وجه الأرض من شجر وحجر ومدر » .

یعنی روے زمین پر جتنے پیڑ پتھر ڈھیلے ہیں میں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت روز قیامت فرماؤں گا"۔

اس حدیث رسول کی تخریج اس طرح فرماتے ہیں:

یہ حدیث طبرانی وبیہقی نے حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

پانچویں حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"يوضع للأنبياء منابر من ذهب فيجلسون عليها و يبقى منبرى ولم أجلس لا أزال أقيم خشية أن أدخل الجنة و يبقى أمتي بعدي فأقول يا رب أمتي أمتي فيقول الله يا محمّد وماتريد أن أصنع بأمتك؟ فأقول يارب عجّل حسابهم فما أزال حتى أعطى صكاكا برجال قد بُعث بهم إلى النار وحتى أنّ مالكا خازن النار يقول يا محمّد ماتركت لغضب ربك في أمتك من بقية" .

اس حدیث کے متعلق امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حاکم نے بافادۂ تصحیح اور طبرانی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالے سے روایت کی۔

چھٹی حدیث: حضور شفیع المذنبین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" إن لكل نبي دعوةً قد دعابه في أمته و استجيب له (وهذا اللفظ لانس ولفظ أبي سعيد) ليس من نبي إلا وقد أعطي دعوة فتعجّلها(ولفظ ابن عباس) لم يبق نبي إلا أعطي له (ورجعنا إلى لفظ أنس و ألفاظ الباقين كمثله معنى) قال و إني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي يوم القيمة(زاد ابو موسى) جعلتها لمن مات من أمّتي لايشرك بالله شيئاً" .

یعنی انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوتی ہیں، مگر ایک دعا انھیں خاص جناب باری تبارک وتعالیٰ سے ملتی ہے کہ جو چاہو مانگ لو بے شک دیا جائے گا۔ تمام انبیاے کرام آدم سے عیسیٰ تک علیہم السلام سب اپنی اپنی وہ دعا دنیا میں کر چکے۔ اور میں نے آخرت کے لیے اٹھا رکھی۔ وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے۔ قیامت کے دن میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے اٹھا رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔

اس حدیث کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

یہ حدیث امام احمد و بخاری و مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اور حضرت ابن عباس، وابوسعید، وابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی حدیثوں میں بھی یہ مضمون ہے۔

ساتویں حدیث: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب اسریٰ اپنے رب عزوجل سے عرض کی کہ تو نے انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو یہ فضائل بخشے رب جل مجدہٗ نے فرمایا:

”أعطيتك خيرا من ذلك (إلىٰ قوله) خبأت شفاعتك ولم أخبأها لنبي غيرك“.

میں نے تجھے ان سب سے بہتر عطا فرمایا میں نے تیرے شفاعت چھپا رکھی ہے اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی۔

اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

آٹھویں حدیث: حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”وإذا كان يوم القيٰمة كنت إمام النبيين وخطيبهم وصاحب شفاعتهم غير فخر“.

قیامت کے دن انبیا کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرمایا۔

اس حدیث کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ اور امام ترمذی نے بافادۂ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ و حاکم نے بحکم تصحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔[1]

❖ یوں ہی آپ نے مسئلہ تدبیر پر کثیر احادیث سے استدلال فرمایا اور ساتھ ہی ان تمام احادیث کی تخریج بھی فرمائی، چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)- ”عن أمير المؤمنين علي كرم الله تعالىٰ وجهه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم في جنازة فأخذ شيئاً فجعل ينكت به الأرض فقال ما منكم من أحد

(1)- فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۳۶-۱۴۰، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

إلّا وقد كتب مقعده من النّار ومقعده من الجنة قالوا يارسول الله أفلا نتكل على كتابنا وندع العمل وزاد في رواية فمن كان من أهل السّعادة فسيصير إلى أهل السعادة ومن كان من أهل الشقاء فسيصير إلى عمل أهل الشقاوة. قال اعملوا فكلّ مُيَسَّر لما خلق له أما من كان من أهل السعادة فييسّرُ لعمل اهل السعادة، وأما من كان من أهل الشقاء فيُيَسَّرُ لعمل أهل الشقاوة ثم قرأ: «فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَ اتَّقٰى ۙ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ» الآية[الليل: ٥، ٦]".

اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"أخرجه الأئمة أحمد والبخاري ومسلم وغيرهم عن علي كرّم الله تعالىٰ وجهه".

(۲)-" لا يغني حذر من قدر والدعاء ينفع مما نزل ومما لم ينزل إنّ البلاء ينزل فيتلقّاه الدعاء فيعتلجان إلى يوم القيٰمة".

تقدیر کے آگے احتیاط کی کچھ نہیں چلتی اور دعا اس بلا سے جو اتر آئی اور جو ابھی نہیں اتری دونوں سے نفع دیتی ہے، اور بے شک بلا اترتی ہے اور دعا اس سے جا ملتی ہے دونوں قیامت تک کشتی لڑتی رہتی ہیں۔

اس حدیث کی تخریج آپ نے اس طرح فرمائی: رواه الحاكم والبزار والطبراني في الأوسط عن أم المومنين الصديقة رضي الله تعالىٰ عنها، قال الحاكم صحيح الاسناد كذا قال.

(۳)-"تداووا عباد الله فإن الله لَمْ يَضَعْ داءً إلا وضع له دواءً غير داءٍ واحدٍ الهرم".

خدا کے بندو! دوا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہ رکھی کہ جس کی دوا نہ بنائی ہو مگر ایک مرض یعنی بڑھاپا۔

اس کے تحت فرماتے ہیں: أخرجه أحمد و أبوداؤد و الترمذي والنسائي وابن ماجه وابن حبان والحاكم عن أسامة بن شريك رضي الله تعالىٰ عنه بسند صحيح.

(۴)-" طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة".

آدمی پر فرض کے بعد فرض یہ ہے کہ کسب حلال کی تلاش کرے۔

أخرجه الطبراني في الكبير، والبيهقي في شعب الإيمان ، والديلمي في مسند الفردوس عن ابن مسعود رضي الله تعالیٰ عنه.

(۵)-" ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يده و إنّ نبي الله داؤد كان يأكل من عمل يده ".

کبھی کسی شخص نے کوئی کھانا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہ کھایا اور بے شک نبی اللہ داؤد علیہ الصلاۃ والسلام اپنی دست کاری کی اجرت سے کھاتے۔

أخرجاه (أى الشيخان) عن مقدام بن معديكرب رضي الله تعالیٰ عنه.

(۵)-کسی نے عرض کیا: یارسول الله! أي الكسب أفضل. سب سے بہتر کسب کون سا ہے؟ فرمایا:

عَمَلُ الرَّجلِ بِيَدِه وكلُّ بيعٍ مبرور - *اپنے ہاتھ کی مزدوری اور ہر مقبول تجارت کہ مفاسد شرعیہ سے خالی ہو۔*

اس کی تخریج میں فرماتے ہیں:

۱-أخرجه الطبراني في الأوسط والكبير بسند الثقات عن عبدالله بن عمر

۲-وهو في الكبير، واحمد والبزار عن أبي بردة بن خيار

۳-وأيضا هذان عن رافع بن خديج

۴-والبيهقي عن سعيد بن عمير مرسلاً، والحاكم عنه عن أمير المومنين عمر الفاروق رضي الله تعالیٰ عنهم اجمعين.

(۷)-طُوبی لِمَن طاب كسبه-الحديث-پاک کمائی والے کے لیے جنت ہے۔

تخریج: أخرجه البخاري في التاريخ، والطبراني في الكبير، والبيهقي في السنن، والبغوي، والباوردى، وأبناء قانع وشاهين ومنده، كلهم عن ركب المصري رضي الله تعالیٰ عنه في حديث طويل.

قال ابن عبدالبر: حديث حسن. **قلت:** أي لغيره

(۸)-الدنيا حُلوة خضرة، من اكتسب منها مالاً في حِلّه، و أنفقه في حقه، أثابه الله عليه، وأورده جنّته-الحديث-

دنیا دیکھنے میں ہری، چکھنے میں میٹھی ہے۔ یعنی بظاہر بہت خوش نما و خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہے۔ جو اُسے حلال وجہ سے کمائے اور حق جگہ پر اٹھائے، اللہ تعالیٰ اُسے ثواب دے اور اپنی جنت میں لے جائے۔

تخریج: أخرجه البيهقي في الشعب عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما.

قلت: والمتن عند الترمذي عن خولة بنت قيس امرأة سيدنا حمزة بن عبدالمطلب رضي الله تعالىٰ عنهم بلفظ "إنّ هذا المال خضرة حلوة، فمن أصابه بحقّه بورك له فيه-الحديث-قال الترمذي: حسن صحيح.

قلت: وأصله عن خولة عند البخاري مختصرا.

(۹)-ان من الذنوب ذنوبا لايكفّرها الصلاة ولا الصيام ولا الحجّ ولا العمرة. يكفّرها الهموم في طلب المعيشة. *کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہو، نہ روزے، نہ حج، نہ عمرہ—ان کا کفارہ وہ پریشانیاں ہوتی ہیں جو آدمی کو تلاشِ معاش حال میں پہنچتی ہیں۔*

تخریج: رواه ابن عساكر، وأبو نعيم في الحلية عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه[1]

اس عنوان کے تحت کثیر احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ میں مذکورۂ بالا پر اکتفا کرتا ہوں۔

☆...☆...☆

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۱۷۷-۱۷۹، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

فکر انگیز تحقیقات

اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ رسول اللہ ﷺ کی نیابت وجانشینی کا ہے کہ آپ نے بوقت وصال مبارک یا اس سے قبل اپنے بعد کسی کو اپنا نائب وخلیفہ مقرر فرمایا یا نہیں؟ اگر آپ نے اپنا کوئی خلیفہ مقرر فرمایا تو کس کو؟ اس میں شیعوں کا موقف یہ ہے کہ آپ نے حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور اہل سنت وجماعت کا نظریہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صراحۃً اپنا نائب وخلیفہ کسی کو مقرر نہیں فرمایا بلکہ یہ معاملہ خود صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے سپرد فرمایا۔ اور صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے باتفاق رائے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا جانشین اور اپنا والی و حاکم تسلیم کیا۔ تاہم صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے بھی محض اپنی رائے سے یہ انتخاب نہ فرمایا، بلکہ نبی کریم ﷺ نے کچھ ایسے ارشادات فرمائے تھے جن سے اس امر خلافت کی طرف اشارہ فراہم ہوتا تھا تو صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے ان ہی ارشادات نبویہ کی روشنی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کی جانشینی کے لیے منتخب کیا۔ بلکہ خود سیدنا مولی علی کرم اللہ وجہہ سے اِس طرح کی روایات مروی ہیں جن سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت وخلافت کی تائید وتوثیق ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں بے شمار مسائل کی تحقیق وتنقیح فرمائی وہیں اس مسئلہ خلافت پر بھی سیر حاصل گفتگو فرمائی بلکہ اس موضوع پر مکمل ایک رسالہ بنام ”غاية التحقيق في إمامة العلي والصديق“ تحریر فرمایا اس میں آپ نے بے شمار عقلی ونقلی دلائل سے اہل سنت وجماعت کے موقف کو ثابت فرمایا چناں چہ آپ نے اوّلاً نیابت کی دو قسمیں کیں: جزئی مقید اور کلی مطلق پھر نیابت جزئی کے چند شواہد ذکر کرنے کے بعد نیابت کلی کے تحت ایسی فکر انگیز تحقیق فرمائی جس سے آپ کے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ اور آپ کی نظر وفکر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

چناں چہ لکھتے ہیں:

"جانشینی و نیابت دو قسم ہے **اول** جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لیے دوسرے کو اپنا نائب کرے جیسے بادشاہ کا لڑائی میں کسی کو سردار بنا کر بھیجنا یا کسی ضلع کی حکومت دینا یا تحصیل خراج پر مامور کرنا یا کہیں جاتے ہوئے انتظام شہر سپرد کر جانا اس قسم کا استخلاف صریح حضور پر نور سید یوم النشور ﷺ سے بارہا واقع ہوا جیسے بعض غزوات میں امیر المومنین صدیق اکبر بعض میں حضرت اسامہ بن زید، غزوۂ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سپہ سالار بنا کر بھیجا، تحصیل زکات پر امیر المومنین فاروق أعظم و حضرت خالد بن ولید وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مقرر فرمایا... **دوم** کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہو سکتی یعنی امام کا اپنے بعد کسی کے لیے امامت کبری کی وصیت فرمانا اس کا نص صریح علی الاعلان بتصریح نام حضور اعلی ﷺ نے کسی کے واسطے نہ فرمایا ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ضرور پیش کرتے اور قریش و انصار میں دربارۂ خلافت مباحثے و مشاورے نہ ہوتے۔"

اس کے بعد سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا علی مرتضی و دیگر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مندرجہ ذیل روایات پیش فرمائیں جن سے آفتاب نیم روز کی طرح اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے علی الاعلان کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر نہیں فرمایا بلکہ امر خلافت و نیابت خود صحابہ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے سپرد کیا اور صحابہ کرام نے بالاتفاق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کا جانشین اور اپنا والی بنایا۔

(۱)-امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے باسانید صحیحہ یہ ثابت کہ جب ان سے عرض کی گئی-استخلف علینا-ہم پر کسی کو خلیفہ کر دیجیے فرمایا: لا ولكن أترككم كما تركهم رسول الله ﷺ. میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا بلکہ یوں ہی چھوڑ دوں گا جیسے رسول اللہ ﷺ چھوڑ گئے تھے۔أخرجه الإمام أحمد بسند حسن والبزار بسند قوي والدار قطني وغيرهم.

(۲)-بزار کی روایت میں بسند صحیح ہے۔ ما استخلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاستخلف عليكم، رسول اللہ ﷺ نے کسی کو خلیفہ نہ کیا کہ میں کروں۔

(۳)-دارقطنی کی روایت میں ارشاد فرمایا: دخلنا على رسول الله ﷺ فقلنا يارسول الله استخلف علينا قال لا، إن يعلم الله فيكم خيرا يولّ عليكم خيركم قال علي رضي الله تعالىٰ عنه فعلم الله فينا خيرا فولّى علينا أبا بكر. ہم نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین ﷺ میں حاضر ہو کر

عرض کی یا رسول اللہ ہم پر کسی کو خلیفہ فرمادیجیے۔ ارشاد ہوا نہ۔ اگر اللہ تعالیٰ تم میں بھلائی جانے گا تو جو تم میں سب سے بہتر ہے اسے تم پر والی فرمادے گا حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا رب العزت جل وعلا نے ہم میں بھلائی جانی پس ابوبکر کو ہمارا والی فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔(1)

(۴)- امام اسحٰق بن راہویہ و دارقطنی وابن عساکر وغیرہم بطرق عدیدہ و اسانید کثیرہ راوی۔ دو شخصوں نے امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ان کے زمانۂ خلافت میں دربارۂ خلافت استفسار کیا۔

"أعهدٌ عَهِدَه إليك النبي ﷺ أم رأي رأيته قال: بل رأي رأيته أمَا أن يكون عندي عهد من النبي ﷺ عهده إليَّ في ذلك فلا والله لئن كنت أول من صدّقه فلا أكون أول من افترى عليه ولو كان عندي منه عهد في ذلك ماتركت أخابني تيم بن مرّة وعمر بن الخطاب يثوبان على منبره ولقاتلتهما بيدي ولو لم أجد إلّا بردتي هذه ولكن رسول الله ﷺ لم يقتل قتلا ولم يمت فجأة مكث في مرضه أياما وليالي ياتيه المؤذن يؤذنه بالصلاة فيأمر أبابكر فيصلي بالناس وهو يرى مكاني ثم يأتيه المؤذن فيؤذن بالصلاة فيأمر أبابكر فيصلي بالناس وهو يرى مكاني،ولقد ارادت امرأة من نسائه أن تصرفه عن أبكر فأبیٰ وغضب وقال انتن صواحب يوسف مروا أبابكر فليصل بالناس فلما قبض رسول الله ﷺ نظرنا في أمورنا فاخترنا لدنيانا من رَضِيَه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لديننا و كانت الصلاة عُظْمَ الإسلام وقوام الدين فبايعنا أبا بكر رضي الله تعالىٰ عنه وكان لذلك أهلا لم يختلف عليه منا إثنان فأديت إلى أبي بكر حقه وعرفت له طاعته وغزوت معه في جنوده وكنت آخذ إذا أعطاني و أغزو إذا أغزاني و أضرب بين يديه الحدود بسوطي".

کیا یہ کوئی عہد و قرار داد حضور ﷺ کی طرف سے ہے یا آپ کی رائے ہے فرمایا بلکہ یہ ہماری رائے ہے، رہا یہ کہ اس باب میں میرے لیے حضور پر نور ﷺ نے کوئی عہد و قرار داد فرمادیا ہو سو خدا کی قسم ایسا نہیں، اگر سب سے پہلے میں نے حضور کی تصدیق کی تو میں سب سے پہلے حضور پر افترا کرنے والا نہ ہوں گا اور اگر اس باب میں حضور والا ﷺ کی طرف سے میرے پاس کوئی عہد ہوتا تو میں ابوبکر و عمر کو منبر اطہر حضور اقدس ﷺ پر جست نہ کرنے دیتا اور بے شک اپنے ہاتھ سے ان سے قتال کرتا اگرچہ اپنی اس چادر کے سوا کوئی ساتھی نہ پاتا۔ بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ معاذ اللہ

(1)- فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۴۱،۱۴۲، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

کچھ قتل نہ ہوئے، نہ یکایک انتقال فرمایا، بلکہ کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے، موذن آتا، نماز کی اطلاع دیتا، حضور ابوبکر کو امامت کا حکم فرماتے حالاں کہ میں حضور کے پیش نظر موجود ہوتا، پھر موذن آتا، اطلاع دیتا، حضور ابوبکر ہی کو حکم امامت فرماتے حالاں کہ میں کہیں غائب نہ تھا۔ اور خدا کی قسم ازواج مطہرات سے ایک بی بی نے اس معاملہ کو ابوبکر سے پھیرنا چاہا تھا حضور اقدس ﷺ نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا تم وہی یوسف والیاں ہو، ابوبکر کو حکم دو کہ امامت کرے۔ پس جب کہ حضور پر نور ﷺ نے انتقال فرمایا ہم نے اپنے کاموں میں نظر کی تو اپنی دنیا یعنی خلافت کے لیے اسے پسند کر لیا جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین یعنی نماز کے لیے پسند فرمایا تھا کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی، لہذا ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور وہ اس کے لائق تھے ہم میں کسی نے اس بارے میں اختلاف نہ کیا، پس میں نے ابوبکر کو ان کا حق دیا اور ان کی اطاعت لازم جانی اور ان کے ساتھ ہو کر ان کے لشکروں میں جہاد کیا جب وہ مجھے بیت المال سے کچھ دیتے میں لے لیتا اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے میں جاتا اور ان کے سامنے تازیانہ سے حد لگاتا۔[1]

اس کے بعد لکھتے ہیں:

پھر بعینہ یہی مضمون امیر المومنین فاروق اعظم و امیر المومنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ہاں البتہ اشاراتِ جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے، مثلاً ایک بار ارشاد ہوا:

”میں نے خواب دیکھا کہ ایک کوئیں پر ہوں اس پر ایک ڈول ہے میں اس سے پانی بھرتا رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر ابوبکر نے ڈول لیا دو ایک بار کھینچا، پھر وہ ڈول ایک پل ہو گیا جسے چرسا کہتے ہیں اسے عمر نے لیا تو میں نے کسی سردار زبردست کو اس کام میں ان کے مثل نہ دیکھا یہاں تک کہ تمام لوگوں کو سیراب کر دیا کہ پانی پی پی کر اپنی فرودگاہ کو واپس ہوئے، رواہ الشیخان عن أبي هريرة وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهم“۔

اس طرح کی بہت ساری احادیث مختلف صحابہ کرام سے پیش فرمائیں جن میں اس بات کی جانب اشارہ ہوتا ہے کہ آپ کے نائب و خلیفہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اس کے بعد مزید فرماتے ہیں:

---

(1)-فتاوی رضویه، ۱۱/ ۱۴۲، ۱۴۳، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

"ایک بار آخر حیات اقدس میں نص صریح بھی فرمادینا چاہا تھا پھر خدا اور مسلمانوں پر چھوڑ کر حاجت نہ سمجھی، امام احمد و امام بخاری و امام مسلم ام المومنین صدیقہ محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم سے راوی کہ وہ ارشاد فرماتی ہیں:

قال لي رسول الله ﷺ في مرضه الذي مات فيه ادعى لي أباك و أخاك حتى أكتب كتابافإنّي أخاف أن يتمنّى متمنّ و يقول قائل أنا أولى و يابى الله والمؤمنون إلا أبا بكر.

حضور اقدس سید عالم ﷺ جس مرض میں انتقال فرمانے کو ہیں اس میں مجھ سے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلالے کہ میں ایک نوشتہ تحریر فرمادوں کہ مجھے خوف ہے کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہہ اٹھے کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ نہ مانے گا اور مسلمان نہ مانیں گے مگر ابوبکر کو۔"

امام احمد کے لفظ یہ ہیں کہ فرمایا:

" ادعی لی عبدالرحمن بن ابی بکر أكتب لأبی بكر كتابا لا يختلف عليه أحد ثم قال دعيه معاذ الله أن يختلف المومنون في أبي بكر.

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلالو کہ میں ابوبکر کے لیے نوشتہ لکھ دوں کہ ان پر کوئی اختلاف نہ کرے پھر فرمایا رہنے دو خدا کی پناہ کہ مسلمان اختلاف کریں ابوبکر کے بارے میں"۔[1]

❖ دوسرا مسئلہ فضیلت سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے، اس مسئلہ میں تفضیلیوں کا موقف یہ ہے کہ حضرت سیدنا مولی علی مرتضی کرم اللہ وجہہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل تھے جب کہ اہل سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ انبیاے کرام کے بعد سب سے افضل و اعلیٰ حضرت ابوبکر صدیق پھر حضرت عمر بن خطاب پھر حضرت عثمان بن عفان پھر حضرت علی بن ابی طالب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلہ پر بھی سیر حاصل گفتگو فرمائی اور اس کی تحقیق و تنقیح میں آپ نے دو جلدوں پر مشتمل ایک کتاب بنام "مطلع القمرين في إبانة سبقة العمرين" تصنیف فرمائی نیز اس مسئلہ کو بھی رسالہ مبارکہ "غاية التحقيق في إمامة العلي

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۴۶، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

و الصدیق" میں شامل فرمایا آپ نے بے شمار دلائل و شواہد سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کو اجاگر فرمایا اور اہل سنت کے موقف کی تائید میں خود مخالفین کے اقوال نقل فرمائے بلکہ خود سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایسے ارشادات مبارکہ پیش فرمائے جن سے آفتاب نیم روز کی مانند یہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے کہ بعد انبیاے کرام علیہم السلام سب سے افضل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

چناں چہ آپ لکھتے ہیں:

صواعق امام ابن حجر مکی میں ہے:

" قال الذهبي وقد تواتر ذلك عنه في خلافته وكرسي مملكته و بين الجم الغفير من شيعته ثم بسط الأسانيد الصحيحة في ذلك قال: و يقال رواه عنه نيف وثمانون نفسا وعدد منهم جماعة ثم قال فقبح الله الرافضة ما أجهلهم انتهى".

ذہبی نے کہا: تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات اپنے دور خلافت و حکومت میں اور کثیر مصاحبین کے درمیان فرمائی بعد ازاں اس بارے میں صحیح سندوں کو تفصیل سے ذکر کیا۔ یہ بھی کہا کہ محدثین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی روایت کرنے والے اسی (۸۰) سے زیادہ حضرات ہیں ان میں سے ایک جماعت کا ذکر بھی کیا اور فرمایا خدا روافض کو ذلیل کرے کس قدر جاہل ہیں۔

اس کے بعد پھر اسی صواعق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" ما أحسن ما سلكه بعض الشيعة المنصفين كعبد الرزاق فإنه قال أفضِّل الشيخين بتفضيل عليّ إيّاهما على نفسه وإلّا لما فضّلتهما كفى بي وزراً أن أحبّه ثم أخالفه".

بعض منصف شیعہ مثلاً عبد الرزاق محدث نے کیا ہی عمدہ طریقہ اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں، میں شیخین، ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، کو اس لیے افضل مانتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں اپنے آپ سے افضل قرار دیا، ورنہ میں انھیں افضل نہ مانتا، میرے لیے یہی گناہ کیا کم ہے کہ میں ان کی محبت کرتے ہوئے ان کی مخالفت کروں۔

اس کے بعد آپ حضرت سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اب چند احادیث مرتضوی سنیے:

حدیث اول: صحیح بخاری شریف میں سیدنا وابن سیدنا امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ حضرت مولی کرم اللہ تعالیٰ وجوہہما سے مروی:

"قلت لأبي أيّ الناس خير بعد النبي ﷺ قال: أبو بكر قال قلت ثم من قال عمر".

میں نے اپنے والد ماجد کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے عرض کی: رسول اللہ ﷺ کے بعد سب آدمیوں میں بہتر کون ہیں؟ فرمایا ابوبکر، میں نے عرض کی پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حدیث دوم: امام بخاری اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی کہ فرماتے ہیں:

"خير الناس بعد رسول الله ﷺ أبو بكر و خير الناس بعد أبی بكر عمر".

بہترین مردم بعد سید عالم ﷺ ابوبکر ہیں اور بہترین مردم بعد ابوبکر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیث سوم: امام ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل بلخی کتاب السنۃ میں راوی:

"أخبرنا أبو بكر بن مردو يه ثنا سليمٰن بن أحمد ثنا حسن بن المنصور الرّمانی ثنا داؤد بن معاذ ثنا أبوسلمة العتكی عبدالله بن عبدالرحمٰن عن سعيد بن أبی عروبة عن منصور بن المعتمر عن ابراهيم عن علقمة قال بلغ عليا أنّ أقواماً يفضّلونه على أبی بكر وعمر فصعد المنبر فحمد الله و أثنى عليه ثم قال: يأيها الناس إنه بلغنى أنّ أقواما يفضلوني على أبی بكر و عمرو لوكنت تقدمت فيه لعاقبت فيه فمن سمعته بعد هذا اليوم يقول هذا فهو مفتر عليه حدالمفتري ثم قال إنّ خير هذه الامة بعد نبيها أبو بكر ثم عمر ثم الله أعلم بالخير بعد قال وفي المجلس الحسن بن على فقال والله لو سَمَّى الثالث لَسَمَّى عثمان".

یعنی حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضرات صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتاتے ہیں، یہ سن کر ممبر پر جلوہ فرما ہوئے، حمد و ثنائے الٰہی بجالائے پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر و عمر سے افضل بتاتے ہیں اس بارے میں اگر میں نے پہلے سے حکم سنادیا ہوتا تو بے شک سزا دیتا، آج سے جسے ایسا کہتا سنوں گا وہ مفتری ہے، اس پہ مفتری کی حد یعنی اسی (۸۰) کوڑے لازم ہیں، پھر فرمایا: نبی ﷺ کے بعد افضلِ امت ابوبکر ہیں پھر عمر پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد سب سے بہتر کون ہے علقمہ فرماتے ہیں مجلس میں سیدنا امام حَسَن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے انھوں نے فرمایا خدا کی قسم اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حدیث چہارم: امام دارقطنی "سنن" میں اور ابوعمر بن عبدالبر "استیعاب" میں حکم بن جَحْل سے راوی۔ حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:

"لا أجد أحدا فضّلني على أبي بكر و عمر إلا جلدته حد المفتري".

میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر و عمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔

حدیث پنجم: سنن دارقطنی میں حضرت ابو جُحَیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کے مقرب بارگاہ تھے جناب امیر انہیں "وَهَبُ الخير" فرمایا کرتے تھے، مروی:

"انه كان يرى أنّ عليا أفضل الأمة فسمع أقواما يخالفونه فحزن حزنا شديداً فقال له علي بعد أن أخذ يده وأدخله بيته ما أحزنك يا أبا جُحَيفة فذكر له الخبر فقال ألا أخبرك بخير الأمة خيرها أبو بكر ثم عمر قال أبو جُحَيفة فأعطيت الله عهداً أن لا أكتم هذا الحديث بعد أن شافهني به علي ما بقيت".

یعنی ان کے خیال میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ، تمام امت سے افضل تھے انھوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا، سخت رنج ہوا۔ حضرت مولیٰ ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانۂ ولایت میں لے گئے، غم کی وجہ پوچھی، گزارش کی، فرمایا کہ میں تمھیں نہ بتاؤں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے؟ ابوبکر ہیں پھر عمر حضرت ابو جُحَیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا۔ بعد اس کے کہ خود حضرت مولیٰ نے بالمشافہہ مجھ سے ایسا فرمایا۔

حدیث ششم: امام احمد مسند ذی الیدین میں حضرت ابوحازم سے راوی:

"قال جاء رجل إلى على بن الحسين رضي الله تعالىٰ عنهما فقال ماكان منزلة أبي بكر وعمر من النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: منزلتهما الساعة وهما ضجيعاه".

یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ابوبکر و عمر کا مرتبہ کیا تھا؟ فرمایا جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کر رہے ہیں۔

حدیث ہفتم: دارقطنی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ:

"أجمع بنو فاطمة رضي الله تعالىٰ عنهم على أن يقولوا في الشيخين أحسن مايكون من القول".

اولاد امجاد حضرت بتول زہرا صلی اللہ علی أبیها الکریم وعلیها وعلیهم وبارك وسلم کا اجماع واتفاق ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو۔

حدیث ہشتم: امام ابن عساکر وغیرہ سالم ابن ابی الجعد سے راوی:

" قلت لمحمد بن الحنفيّة هل كان أبو بكر اوّل القوم إسلاماً قال لا، قلت فبِم عَلا أبو بكر وسبق حتى لايذكر أحد غير أبي بكر قال لأنه كان أفضلهم إسلاما حين أسلم حتى لحق بربه".

یعنی میں نے امام محمد بن حنفیہ سے عرض کی: کیا ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا نہ، میں نے کہا پھر کیا بات ہے کہ ابوبکر سب سے بالا رہے اور پیشی لے گئے یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے؟ فرمایا یہ اس لیے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔[1]

❖ تیسرا مسئلہ تقلید کی فرضیت کا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ نے تقلید کو فرض وہ بھی فرض قطعی لکھا۔ تو آپ کی بارگاہ میں ایک عربی محمد طیب نامی نے خط لکھا کہ ہم نے آپ کی تصنیفات میں دیکھا ہے کہ آپ نے تقلید کو فرض قطعی لکھا ہے۔ اس پر ہمیں بہت تعجب ہوا کہ ہم تو ابھی تک اسے محض مستحب اور امرِ مستحسن گمان کر رہے تھے بلکہ مستحب ہونے کا بھی صحیح علم نہ تھا لہٰذا گزارش ہے کہ آپ فرضیت کے دلائل مرحمت فرمائیں اور معین فرمائیں کہ تقلید کی کون سی قسم فرض قطعی ہے۔ نیز مجھے بتائیے کہ مجتہدین میں سے کسی کو کیوں کر اختیار کرے؟ آیا تقلید سے یا اجتہاد سے؟

اس مکتوب کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جو قلم اٹھایا تو ایسا تحقیقی جواب لکھا کہ جس کا جواب نہیں ملتا اور جسے دیکھ کر اور پڑھ کر بڑے بڑے غیر مقلدین خاموش ہو گئے۔

چناں چہ لکھتے ہیں: (عربی سے ترجمہ)

برادرم! اگر آپ اس معاملے میں قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے تو مجھ جیسے مقلد کی طرف رجوع کی حاجت نہ رہتی جیسا کہ آپ اپنے خیال میں قرآن فہمی کے باعث حضرات ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بے نیاز ہو گئے ہیں، آپ نے دیکھا کہ آپ کا رب کیا فرما رہا ہے اور اسی کا قول سچا ہے۔ «وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۴۱-۱۵۰، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

کَآفَّۃً» الآیۃ[التوبۃ: ۱۲۲] (کہ مسلمان سب کے سب تو باہر جانے سے رہے تو کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ سے ایک ٹکڑا نکلتا کہ دین میں فقہ سیکھے اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائے اس امید پر کہ وہ خلافِ حکم کرنے سے بچیں)۔

تو اللہ تعالیٰ نے فقہ سیکھنا فرض فرمایا اور عام مومنین کو اس سے معاف فرمایا اور مہمل اور آزاد کسی کو نہیں رکھا ہے تو ضرور اہل ہدایت کو تقلید ہی کا ارشاد ہوا ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لیے اپنی مخلوق پر کچھ فرض ہیں کہ چھوڑنے کے نہیں، کچھ حرام ہیں کہ حرمت توڑنے کے نہیں، کچھ حدیں ہیں کہ جو ان سے آگے بڑھے ظالم ہو اور ہلاکت میں پڑے، اور ان سب یا اکثر کے لیے شرطیں اور تفصیلیں ہیں جنھیں گنتی ہی کے لوگ جانتے ہیں اور ان کی سمجھ نہیں مگر عالموں کو تو اہل ذکر سے مسئلہ پوچھو اگر تمھیں علم نہ ہو۔ بلکہ آپ اپنی عقل ہی کی طرف رجوع لاتے تو اپنے اس آئندہ کل کو گزشتہ کل کی طرح پاتے اور میں آپ کی عقل کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں اس سے کہ اَنْ ہُوئی جوڑے یا ڈھٹائی کرے یا چمکتے چاند ماہِ تمام سے اندھی بنے۔ اپنی عقل ہی سے پوچھیے کیا اللہ تعالیٰ کے لیے بندوں پر کچھ ایسے احکام ہیں یا نہیں کہ ابتداءً ان کا علم بغیر تصریح شارع یا اجتہادِ مجتہد کے حاصل نہیں ہوتا؟ اگر وہ انکار کرے تو واجب الانکار شناعت لائی اور اگر مانے تو سلامت رہی اور طاعت لائی۔ اب اس سے پوچھیے کیا تیرے خیال میں تمام آدمی حلال و حرام و ناجائز و واجب دین کے جتنے احکام ان پر ہیں، سب کے عالم ہیں، نصوص شریعت کے معانی کا سب کو احاطہ ہے، منصوص سے مسکوت کا حکم پیدا کرنے پر سب کو قدرت ہے؟ پس اگر وہ تعمیم کرے تو یقیناً اندھی ہے اور اس سے باز رہے تو ضرور مہتدی ہے۔ اب اس سے ان کا حکم پوچھیے جنھیں نہ علم ہے نہ بصیرت نہ اجتہاد کی قدرت۔ کیا وہ شتر بے مہار بنا کر چھوڑ دیے گئے ہیں؟ اگر ہاں کہے تو قطعاً گمراہ ہوئے اور اگر آنکھ کھولے بے مہاری سے انکار کرے تو اب اس سے پوچھیے کہ ان کے لیے احکام الٰہی جاننے کی کیا سبیل ہے؟ آیا یہ کہ خود دیکھیں حالاں کہ وہ نگاہ نہیں رکھتے، اجتہاد کریں، حالاں کہ وہ قدرت نہیں رکھتے، یا یہ کہ وہ ہدایت و ارشاد والے علما کی طرف رجوع لائیں، امور دین میں ان پر اعتماد کریں جو وہ فرمائیں مطیع ہو کر اس پر کار بند رہیں۔ اگر جواب میں پہلی بات کہی تو یقیناً بہتان اٹھاتی ہے اور نامراد رہی اور اگر اس سے انکار کر کے دوسری طرف پلٹی تو راہ صواب پر آئی اور جس گم شدہ کا مکان نہ جانتی تھی اس سے ملاقات پائی۔

پھر عجب بات ہے کہ آپ کا ایسے امر سے سوال جسے آپ جیسا دریافت نہ کرتا کہ مکلف کو تقلید فرض ہونے کا علم اجتہاد سے ہے یا تقلید سے، آپ نے قصر کیا اور قصر نہ تھا اور حصر سمجھے جہاں حصر نہ تھا– کیا آپ کو خبر نہیں کہ بدیہی بات اپنے جاننے میں ان دونوں سے یک سر بے نیاز ہے۔ کیا ہر مسلمان بالبداہت ایسے یقین سے جس میں کسی گمان و تخمین کی آمیزش نہیں اپنے دین کا یہ حکم نہیں جانتا کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لیے اس پر کچھ فرض ہیں کچھ حرام، کچھ

حدیں ہیں کچھ احکام، اور ان میں جو جاہل ہے وہ اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ جاہل ہے۔ اور یہ کہ جب تک اسے بتایا نہ جائے خود جان لینے سے عاجز ہے اور خوب جانتا ہے کہ بے عمل کیے چھٹکارا نہیں اور بے علم کے عمل کا یارا نہیں اور بے سیکھے علم نہ آئے گا تو بداہتہً اس کے ذہن میں خود آجائے گا کہ اس پر ایسے سے پوچھنا لازم ہے جو مسئلہ بتا کر ہدایت فرمائے اور یہ ہیں ہمارے مولی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہوئے اور ان کا ارشاد ہر قول سے زیادہ سچ ہے: "ألا سألوا" [الحدیث] یعنی کیوں نہ پوچھا جب خود نہ جانتے تھے کہ عجز کا علاج تو سوال ہی ہے۔ اور بے شک وہ زمانۂ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک برابر فرضیت نماز و دیگر فرائض کی طرح علانیہ وظاہر و متواتر ہے بلکہ انسان کی جِبلّی بات ہے خواہ وہ مومن ہے خواہ کافر، لہٰذا ہر گروہ کے عوام کو دیکھو گے کہ اپنے یہاں کے اہل علم و دانش کے پاس آتے اور جنھیں اپنا طبیب سمجھتے ان سے مرض جہل کی دوا پوچھتے ہیں اس لیے کہ وہ یقیناً اپنے دل سے جان رہے ہیں کہ ہم اسی طور پر اپنے فرض سے سبک دوش ہوں گے۔ اب ان سے پوچھیے یہ تقلید سے تھا یا اجتہاد سے، عن قریب تمھیں وہ خبریں لا کر دے گا، جسے تم سے توشہ نہ بندھوادیا تھا، یا آپ خود ہی اپنے اس کا حال بولیے، جو آپ نے مجھے لکھا کہ میں آپ کی طرف آرزو لاتا ہوں کہ مجھے تعلیم فرمائیے اور میں اللہ عزوجل کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ آپ کا سوال کسی باطل کوش سرکش کا سوال ہو بلکہ حق طلب فائدہ خواہ کا سوال ہے تو اب آپ میرے پاس اجتہاد سے آئے یا تقلید سے کہ یہ معاملہ دین کا ہے اور دین میں لہو مفسدوں کا کام ہے تو کسی نہ کسی حکم کے اعتقاد سے چارہ نہیں اور اعتقاد حاصل نہ ہوگا مگر منشاے درست سے اور وہ اجتہاد و تقلید میں منحصر ہو چکا پھر جب کہ آپ نے اس تیس برس کی خدمت طلبہ میں دلیل استحباب تقلید کی طرف ہدایت نہ پائی چہ جائے وجوب چہ جائے فرضیت قطعیہ یقینیہ تو اب آپ پر یکساں ہے خواہ آپ کو تقلید کا کوئی حکم معلوم ہو کہ وہ شرعاً حرام ہے مکروہ یا مباح ہے یا آپ کو شک ہو یا حکم میں شک ہو اور اس میں بھی شک ہو کہ آپ کو شک ہے بہر حال اس سے مفر نہیں کہ آپ تقلید چھوڑنا اور قرآن مجید سے احکام نکالنا ہر ایسے عامی جاہل احمق کے لیے جائز جانیں جسے نہ لاغر و فربہ میں تمیز ہو، نہ دہنے بائیں میں، نہ اندھیری پہچانے نہ روشنی، نہ سایہ نہ دھوپ، کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان لوگوں پر تقلید خود واجب ہونے میں کوئی خلش ڈالتا ہوا شک آپ کو پیش آتا نہ کہ استحباب نہ کہ تقلید سے بچنے کا ایجاب نہ کہ وجوب تقلید کی کسی خاص ضد پر جھوٹا یقین، اور تمھارے رب کی قسم یہ تمھیں راست نہ آئے گا مگر دو راہوں میں ایک سے جو سخت بری راہوں سے ہیں اور اپنے چلنے والے کو نہایت بد مہلکے میں ڈالنے والی ہیں یا تو گمان اس کا کہ تمام لوگ ہر مسئلے میں، جس کی انھیں حاجت ہو، اہل اجتہاد سے ہیں، انھیں احکام نکالنے پر دَست رس ہے یا یہ کہ تقلید و اجتہاد کے سوا ان تمام احکام کو پہچاننے کا کوئی اور طریقہ گڑھیے کہ یہ جہال بے علم بے سیکھے احکام جان لیں۔ اور میں آپ کو پروردگار مشرقین کی پناہ میں دیتا ہوں کہ آپ ان دونوں ظلموں میں سے کسی کے قائل ہوں۔

اس پر مزید تحقیق انیق سپرد قلم فرمانے کے بعد اخیر میں لکھتے ہیں:

پس اگر آپ دیکھیں کہ یہ جواب جو آپ کی خواہش پر آیا اور اس نے خود پہل نہ کی یہی سیدھا راستہ ہے جب تو آپ کی طبع سلیم و دوستی قدیم سے اسی کی امید ہے ورنہ میں اپنے اور آپ کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ آپ تحقیق کے ساتھ مکابرہ کریں یا دوست سے قطع دوستی۔ اور اگر نہ مانیے تو میں ایسا نہ کروں گا اور کیا عجب کہ آپ کو کوئی ایسا مل جائے جو آپ ہی جیسا برتاؤ کرے، نہ مکابرے سے جھکے نہ قطع محبت سے ڈرے اور اللہ ہادی ہے اور دونوں جہاں میں اسی کے لیے حمد ہے۔[1]

نوٹ: اصل سوال و جواب عربی میں ہے۔ یہاں صرف ترجمہ نقل کیا گیا۔

☆---☆---☆

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/۳۱۸-۳۲۱، ملتقطاً، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

دلائل کی فراہمی اور وسعت نظر

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب کسی مسئلہ پر قلم اٹھایا تو اس پر زبردست دلائل قائم فرمائے، سب سے پہلے قرآنی آیات پھر احادیث نبویہ پھر اقوال فقہا و محدثین سے دلائل فراہم کرتے ہیں پھر اپنی تحقیق انیق سپرد قلم فرماتے ہیں۔ آپ کی تصنیفات و فتاوی میں اس کے کثیر شواہد موجود ہیں۔ ذیل میں صرف فتاوی رضویہ شریف جلد یازدہم سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے آپ کے تبحر علمی اور وسعت نظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

پہلا مسئلہ : کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبا و اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب کے سب مومن تھے۔ ان میں کوئی بھی معاذ اللہ کافر و مشرک نہ تھا۔

اس پر آپ نے مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے استدلال فرمایا۔

دلیل اول: ارشاد باری تعالیٰ ہے: «وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ» [البقرۃ: ۲۲۱] بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل احادیث پیش فرمائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱)- ”بعثت من خير قرون بني آدم قرنا فقرنا حتى كنت في القرن الذي كنت فيه“.

میں ہر قرن و طبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔ رواہ البخاری۔

(۲)- حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی حدیث صحیح میں ہے:

”لم يزل على وجه الدهر سبعة مسلمون فصاعداً فلو لا ذلك هلكت الأرض ومن عليها“.

روے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو زمین واہل زمین سب ہلاک ہوجاتے۔ رواه عبدالرزاق و ابن المنذر بسند صحيح على شرط الشيخين.

(۳)۔ حضرت عالم القرآن حبر الامۃ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث صحیح میں ہے:

"ما خلت الأرض من بعد نوح من سبعة يدفع الله بهم عن أهل الأرض".

نوح علیہ السلام کے بعد زمین کبھی سات بندگان خدا سے خالی نہ ہوئی جن کے سبب اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

خلاصۂ طرز استدلال: مذکورہ آیت کریمہ و احادیث نبویہ میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہوا کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں روے زمین پر کم از کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں۔ اور خود بخاری شریف کی حدیث صحیح سے واضح اور روشن کہ آپ کے اصول کرام ہر زمانے میں اس زمانہ کے تمام لوگوں سے بہتر تھے۔ اور مذکورہ آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ کوئی کافر خواہ کتنا ہی بڑا ہو کسی مسلمان غلام سے بھی بہتر نہیں ہوسکتا تو یقیناً حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے آبا وامہات اسی بہتر جماعت سے ہوں گے۔ اگر یہ معنی نہ لیے جائیں تو معاذ اللہ فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد خداوندی کے مخالف ہوگا اور یہ محال ہے لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے آبا واجداد سب کے سب مومن تھے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

أقول: والمعنى ان الكافر لا يستأهل شرعا أن يطلق عليه أنّه من خيار القرن لا سيما وهناك مسلمون صالحون وان لم يرد الخيرية إلّا بحسب النسب.

اس کا حاصل یہ ہوا کہ حسب ونسب کے اعتبار سے کوئی کافر کتنا ہی بہتر ہو مگر اس کو از روے شرع بہتر نہیں کہا جاسکتا یہ ایک عمومی حکم ہے اور اگر اس وقت کچھ نیک اور صالح مسلمان بندگان خدا بھی موجود ہوں تب تو بدرجہ اولیٰ وہ کافر اس لائق نہ ہوگا بلکہ ہر لحاظ سے بہتر وبرتر وہ مسلمان ہی ہوں گے۔

اتنا لکھنے کے بعد یوں رقم طراز ہیں:

یہ دلیل امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہٗ نے افادہ فرمائی فالله يجز يه الجزاء الجميل.

دلیل دوم: قال الله عزوجل: «اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ» [التوبة: ۲۸] کافر تو ناپاک ہی ہیں۔

اس آیت کریمہ کے بعد مندرجہ ذیل احادیث نبویہ پیش فرمائیں۔

(۱)- حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

" لم يزل الله ينقلني من الأصلاب الطيبة الطاهرة مصفى مهذباً لا تنشعب شعبتان إلا كنت في خيرهما".

ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ۔ جب دو شاخیں پیدا ہوئیں میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔

(۲)-ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

" لم أزل أنقل من أصلاب الطاهرين إلى أرحام الطاهرات".

میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔

(۳)-"لم يزل الله ينقلني من الأصلاب الكريمة والأرحام الطاهرة حتى أخرجني من بين أبويّ".

ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔[1]

خلاصۂ استدلال: دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث نبویہ میں ارشاد ہوا کہ آپ کے آبا و امہات سب کے سب طاہر تھے اور آیت کریمہ میں صاف صاف ارشاد ہوا کہ کافر و مشرک نجس ہیں۔ تو مذکورہ آیت کریمہ اور احادیث نبویہ کو باہم ملانے سے نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ کے آباوامہات سب کے سب مسلمان تھے ورنہ قرآن پاک یا حدیث رسول کی مخالفت لازم آئے گی۔ یعنی اگر بربنائے ارشاد رسول ﷺ انھیں طاہر قرار دیتے ہوئے معاذ اللہ ان کے ایمان کو ثابت نہ مانیں تو قرآن کی مخالفت ہوگی کہ فرمایا مشرک طاہر نہیں بلکہ نجس و ناپاک ہیں اور اگر غیر طاہر مانتے ہیں تو حدیث کی مخالفت لازم آئے گی کہ فرمایا آپ کے آباوامہات سب طاہر تھے۔ بہر حال ایک صورت میں حدیث کی مخالفت لازم اور ایک صورت میں قرآن کریم کی مخالفت جب کہ یہ دونوں محال و ممنوع لہذا ثابت ہوا کہ آپ کے آباوامہات سب کے سب مومن تھے۔

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۵٤-۱۵۵، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

اس کے بعد اس دلیل کو امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب منسوب کیا اور بہت سے علماے اجلہ کی تائیدات نقل فرمائیں جن سے آپ کی وسعت نظر اور باریک بینی خوب روشن ہے۔

چناں چہ لکھتے ہیں:

"یہ دلیل امام اجل فخر المتکلّمین علامۃ الوریٰ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے افادہ فرمائی اور امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محقق سنوسی و علامہ تلمسانی شارح شفا و امام ابن حجر مکی و علامہ محمد زرقانی شارح مواہب وغیرہم اکابر نے اس کی تائید و تصویب کی"۔[1]

دلیل سوم: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

«وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝»[الشعراء: ۱۷ تا ۱۹]

بھروسا کر زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں۔

اس آیت کے تحت امام رازی کا قول نقل فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آقاے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک نور ان کے آبا و اجداد و امہات کریمہ کی جانب یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا جو سب کے سب ساجد تھے لہذا آیت میں اس پر روشن دلیل ہے کہ آپ کے جمیع آبا و امہات مسلمان تھے اس لیے کہ بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہونا مسلمان کا خاصہ ہے کفار و مشرکین تو بتوں کو پوجا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفسیر کی تقریر و تائید مختلف علما و مشائخ کے اقوال سے نقل کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

"امام ابن حجر و علامہ زرقانی وغیرہم کُبرا نے اس کی تقریر و تائید و تاکید و تشیید فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے موید روایت ابو نعیم کے یہاں آئی"۔

"وقد صرحوا أنّ القرآن محتج به على جميع وجوهه و لاينفى تاويل تاويلاً و يشهد له عمل العلماء في الاحتجاج بالآيات على أحدالتاويلات قديما وحديثاً".[2]

دلیل چہارم: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۵۵، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.
(2)-فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۵٦، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

«وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝» [الضحیٰ: ۵]

البتہ عن قریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ اس کے بعد چند احادیث نبویہ پیش فرمائیں۔

(۱)-حدیث قدسی ہے: "سنرضيك في أمتك و لا نسوءك".

قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت میں راضی کردیں گے اور تیرا دل برا نہ کریں گے۔ رواه مسلم في صحيحه.

(۲)-حدیث صحیح میں حضور ﷺ نے ابوطالب کی نسبت فرمایا:

"وجدته في غمرات من النار فأخرجته إلى ضحضاح".

میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کردیا، رواه البخاري و مسلم عن العباس بن عبد المطلب رضي الله تعالىٰ عنهما.

(۳)-دوسری روایت صحیح میں فرمایا:

"ولولا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار".

اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوتا۔ رو یاه أیضا عنه رضي الله تعالىٰ عنه.

(۴)-ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

"أهون أهل النار عذابا أبو طالب".

کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب پر ہے۔ رو یاه عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما.

خلاصۂ استدلال: أقول: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب آپ کے چچا ابوطالب پر ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وجہ تخفیف عذاب کیا ہے؟

تو اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ تخفیف اس بنیاد پر ہے کہ ابوطالب نے آپ کا ساتھ دیا اور کفار قریش کے مقابلہ میں آپ کے ساتھ سینہ سپر رہے نیز بچپن اور جوانی میں آپ کی پرورش و خدمت کی لہذا اس قدر آپ کی غم خواری و پاس داری کے عوض میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب میں تخفیف فرمادی۔

دوم یہ کہ حضور ﷺ کو ان سے محبت طبعی تھی اور حضور کو ان کی رعایت منظور تھی چناں چہ خود حدیث شریف میں ہے۔ ”عمّ الرجل صِنْوُ أبيه“ آدمی کا چچا اس کے باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

شق اول باطل ہے کیوں کہ ارشاد ربانی ہے: «وَ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۝۲۳» [الفرقان:۲۳] اس میں صاف ارشاد ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں۔ لہذا جب ابوطالب ایمان نہ لائے تو زندگی بھر جتنے بھی اعمال صالحہ انجام دیے تھے سب اکارت اور برباد ہو گئے۔ تو جب شق اول باطل ہو گئی تو معلوم ہوا کہ وجہ تخفیف عذاب آپ کی قرابت و محبت تھی نہ کہ ان کے اعمال اور یہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ورنہ ان کے اعمال کی حقیقت تو یہ تھی کہ وہ جہنم کے نچلے طبقہ میں تھے اور آقا نے فرمایا میں نے اسے کھینچ کر اوپر کھڑا کر دیا تو اگر اعمال کی وجہ سے تخفیف ہوتی تو پہلے سے ہی طبقہ اسفل میں نہ جاتے لہذا تخفیف صرف حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی وجہ سے تھی اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ آپ پر ابوطالب کا مبتلاے عذاب ہونا ہرگز اتنا شاق نہیں ہو سکتا جو معاذ اللہ والدین کریمین کا مبتلاے عذاب ہونا ہوتا تو لا محالہ اگر معاذ اللہ آپ کے ابوین کریمین اہل جنت سے نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اُس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے۔

اور اگر فرض کریں کہ یہ تخفیف ابوطالب پر حق پرورش کے عوض میں ہوئی تو ابوین کریمین زیادہ تخفیف کے مستحق ہیں کیوں کہ جزئیت اور خدمت حمل و وضع حمل کا مقابلہ کون سی پرورش کر سکتی ہے۔ اور والدین کا حق تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شکر گزاری کے ساتھ ان کے شکریہ کا حکم فرمایا۔ «اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ» [لقمٰن:۱۴]

نیز ابوین کریمین نے نہ زمانہ نبوت پایا نہ ان کو دعوت اسلام دی گئی جب کہ ابوطالب سے اسلام لانے کو کہا گیا لیکن اسلام نہ لایا بلکہ جہاں بے شمار خدمتیں کیں وہیں وقت رحلت وہ صدمہ بھی پہنچایا جس کی تلافی ناممکن ہے۔[1]

دلیل پنجم: قال المولی عزّ وعلا:

«لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝» [الحشر:۲۰]

برابر نہیں جنت والے اور دوزخ والے اور جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۵۷، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

اس آیت کریمہ کے بعد لکھتے ہیں:

”حدیث میں ہے، حضور پر نور سید المرسلین ﷺ نے اولاد امجاد حضرت عبد المطلب سے ایک پاک طیبہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آتے دیکھا جب پاس آئیں تو فرمایا ”ما أخرجك من بيتك“ اپنے گھر سے باہر کہاں گئی تھیں؟ عرض کی ” أتيت أهل هذا الميت فترحمت إليهم وعزيتهم بميتهم“ یہ جو ایک میت ہوگئی میں ان کے یہاں گئی کہ تعزیت ودعاے رحمت کرآؤں، فرمایا ”لعلك بلغت معهم الكدى“ شاید تو ان کے ساتھ قبرستان تک گئی، عرض کی ”معاذ الله أن أكون بلغتها وقد سمعتك تذكر في ذلك ما تذكر“ خدا کی پناہ کہ میں وہاں تک جاتی حالاں کہ حضور سے سن چکی جو کچھ اس باب میں ارشاد ہوا تھا۔ سید عالم ﷺ نے فرمایا: ”لو بلغتها ما رأيت الجنة حتى يراها جدّ أبيك“ اگر تو ان کے ساتھ وہاں تک جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک عبد المطلب نہ دیکھیں۔

اس کے بعد اس حدیث کی تخریج اور مختلف کتب سے مختلف الفاظ نقل فرمائے چناں چہ لکھتے ہیں:

”رواه أبوداؤد والنسائي واللفظ له عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما أما أبوداؤد فتأدب وكنى وقال: فذكر تشديداً في ذلك وأما أبوعبدالرحمٰن فأدّى وروى لتبليغ العلم و أداء الحديث على وجهه،لكل وجهة هو موليها“.

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد چند عقائد اہل سنت یوں پیش فرماتے ہیں۔

(۱)- عورتوں کا قبرستان جانا زیادہ سے زیادہ معصیت ہے۔ اور ہرگز کوئی معصیت خواہ کتنی ہی بڑی ہو مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کر سکتی۔ اہل سنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجب شرعی ہے اگرچہ معاذ اللہ بعد مواخذہ ہو۔ (۲)- اور کافر کا جنت میں جانا محال شرعی کہ ابد الآباد تک کبھی ممکن ہی نہیں۔ (۳)- نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب اور بے ضرورت تاویل ناجائز ہے۔ (۴)- بنی نوع انسان میں عصمت انبیاے کرام علیہم الصلاۃ و السلام کا خاصہ ہے ان کے علاوہ کوئی کتنا ہی بڑا ہو اس سے وقوع گناہ ممکن ہے۔

اب مقدمۂ رابعہ کے پیش نظر مقابر تک جانا فرض کریں تو مقدمہ ثالثہ کی روشنی میں جزا کا ترتب واجب وضروری ہوگا اور اس تقدیر پر کہ حضرت عبد المطلب کو معاذ اللہ غیر مسلم کہیں بتقاضاے مقدمتین اولین ونیز بحکم آیت کریمہ محال وباطل تو واجب ہوا کہ حضرت عبد المطلب مسلمان اور اہل جنت سے ہوں اگرچہ مثل صدیق وفاروق وعثمان وعلی وزہرا وصدیقہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سابقین اولین میں نہ ہوں۔

اب بلا تکلف وبے حاجت تاویل وتصرف معنیٰ حدیث، عقائد اہل سنت کے مطابق ہیں یعنی اگر یہ امر تم سے واقع ہوتا تو سابقین اولین کے ساتھ جنت میں جانا نہ ملتا بلکہ اس وقت جاتیں جب کہ عبد المطلب داخل بہشت ہوں گے۔[1]

دلیل ششم: قال ربنا الأعز الأعلی عز وعلا:

«وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ»[المنافقین: ۸]

عزت اللہ اور رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو علم نہیں۔

وقال تعالیٰ:

« يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ »[الحجرات: ۱۳]

اے لوگو! ہم نے بنایا تمھیں ایک نر ومادہ سے اور کیا تمھیں قومیں اور قبیلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ کے نزدیک تمھارا زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔

ان آیات کریمہ میں رب العزت جل وعلا نے عزت وکرم کو مسلمانوں میں منحصر فرمادیا اور کافر کو کتنا ہی قوم دار ہو لئیم وذلیل ٹھہرادیا اور کسی لئیم وذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز وکریم کے لیے باعث مدح نہیں لہذا کافر باپ دادوں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہوا صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من انتسب إلی تسعة اٰباء کفار یر یدبهم عزا وکرامة کان عاشرهم في النار".

کہ جو شخص عزت وکرامت چاہنے کو اپنی نو پشت کافر کا ذکر کرے کہ میں فلاں بن فلاں بن فلاں کا بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں یہ شخص ہو۔

اور احادیث کریمہ کثیرہ مشہورہ سے ثابت کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز ومدح میں بارہا اپنے آبائے کرام وامہات کرائم کا ذکر فرمایا، روز حنین جب حسب ارادۂ الٰہیہ تھوڑی دیر کے لیے کفار نے غلبہ پایا تو آپ فرماتے تھے۔ أنا النبي لاکذب☆انا ابن عبدالمطلب. میں نبی ہوں، کچھ جھوٹ نہیں۔ میں ہوں بیٹا عبد المطلب کا۔

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۱۵۸، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

تو ایک طرف آپ یہ فرمارہے ہیں کہ جو کفار کی جانب نسبت کرے وہ جہنمی ہے اور دوسری جانب خود ہی اپنی نسبت میں عبدالمطلب کا ذکر فرمارہے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے آباواجداد سب مومن تھے۔

پھر اسی غزوہ میں آپ نے اپنے خاندان میں عاتکہ نامی عورتوں کا تذکرہ یوں فرمایا: ”أنا ابن العواتك من سليم“ میں بنی سلیم سے ان چند خاتونوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔ رواه سعيد بن منصور في سننه والطبراني في الكبير عن سيابة بن عاصم رضي الله تعالىٰ عنه.

ایک حدیث ہے کہ بعض غزوات میں فرمایا ”أنا النبي لاكذب☆أنا ابن عبدالمطلب، أنا ابن العواتك“ میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، میں ہوں ان بیبیوں کا بیٹا جن کا نام عاتکہ تھا۔ رواه ابن عساكر عن قتادة.

اس کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”علامہ مناوی صاحب تیسیر و امام مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و جوہری صاحب صحاح و صنعانی وغیرہم نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدات میں نو(۹) بیبیوں کا نام عاتکہ تھا، ابن بری نے کہا وہ بارہ(۱۲) بیبیاں عاتکہ نام کی تھیں، تین سُلَمیات یعنی قبیلہ بنی سلیم سے، اور دو قرشیات، دو عدوانیات اور ایک ایک کنانیہ، اسدیہ، ہذلیہ، قضاعیہ، اَزدیہ، ذكره في تاج العروس، ابو عبداللہ عدوسی نے کہا وہ بیبیاں چودہ(۱۴) تھیں تین قرشیات، چار سُلَمیات، دو عدوانیات، اور ایک ایک ہذلیہ، قحطانیہ، قضاعیہ، ثقفیہ، اسدیہ بنی اسد خزیمہ سے۔ أورده الإمام الجلال السيوطي في الجامع الكبير. اور ظاہر ہے کہ قلیل نافی کثیر نہیں۔ حدیث آئندہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقام مدح و بیانِ فضائل کریمہ میں اکیس پشت تک اپنا نسب نامہ ارشاد کرکے فرمایا میں سب سے نسب میں افضل باپ میں افضل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تو نصوص مذکورہ کے حکم سے ضرور ہے کہ آپ کے آباوامہات مسلمین و مسلمات ہوں“۔[1]

دلیل ہفتم: قال الله سبحانه و تعالىٰ: «اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ» [المنافقين: ٨]

اے نوح یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں، یہ تو ناراستی کے کام والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے موقف پر یوں استدلال فرماتے ہیں:

(1)-فتاوی رضويه، ١١/١٥٩-١٦٠ رضا اکیڈمی، ممبئی ٣.

"آیت کریمہ نے مسلم و کافر کا نسب قطع فرمادیا و لہذا ایک کا ترکہ دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ اور حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "نحن بنو النضر بن كنانة لا ننتفي من أبينا" ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔ رواه أبو داؤد الطيالسي و ابن سعد و الإمام أحمد و ابن ماجه و الحارث و الباوردي و سمو يه و ابن قانع و الطبراني في الكبير و أبو نعيم و الضياء المقدسي في المختارة عن الأشعث بن قيس الكندي رضي الله تعالىٰ عنه. کفار سے نسب بحکم احکم الحاکمین منقطع ہے پھر معاذ اللہ جدا نہ کرنے کا کیا محل ہوتا"۔

دلیل ہشتم و نہم: قال العلي الأعلى تبارك و تعالىٰ:

«اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ۝» [البيّنة: ٧]

بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے وہ سارے جہان سے بدتر ہیں، بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ سارے جہان سے بہتر ہیں۔

یہ آیت کریمہ پیش فرمانے کے بعد مندرجہ ذیل احادیث مع تخریج نقل فرماتے ہیں:

(١)-رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "غفر الله عزوجل لزيد بن عمرو و رحمه فإنّه مات على دين إبراهيم". اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا، کہ وہ دین ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام پر تھے۔ رواه البزار و الطبراني عن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضي الله تعالىٰ عنهما.

(٢)-ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نسبت فرمایا کہ "رأيته في الجنة يسحب ذيولا" میں نے اسے جنت میں ناز کے ساتھ دامن کشاں دیکھا۔ رواه ابن سعد و الفاكهي عن عامر بن ربيعه رضي الله تعالىٰ عنهما.

(٣)-بیہقی و ابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "(وهذه رواية البيهقي) أنا محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب بن هاشم بن عبدمناف بن قصيّ بن كلاب بن مُرّة بن كعب بن لُؤَيّ بن غالب بن فهر بن مالك بن النضر بن كنانة بن مدركة بن إلياس بن نزار بن معد بن عدنان ما افترق الناس فرقتين إلّا جعلني الله في خيرهما فأخرجت من بين أبوي فلم يصبني شيء من عهد الجاهلية و خرجت من

نکاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدم حتّی انتهيت إلی أبي وأمّي فأنا خيركم نفسا وخيركم أبا وفي لفظ " فأنا خيركم نسباً وخيركم أباً".

" میں ہوں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم یوں ہی اکیس (۲۱) پشتوں تک نسب نامہ مبارکہ بیان کرکے فرمایا کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا کیا کہ زمانۂ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے والدین تک تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آبا سے بہتر"۔

ان آیات کریمہ اور ارشاداتِ نبویہ کے امتزاج سے بطور نتیجہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے موقف پر کس دقت نظر سے استدلال فرمایا ہے، آپ کے استدلال کا حاصل یہ ہے:

کہ اس حدیث مبارک میں اولاً نفی عام فرمائی کہ زمانۂ جاہلیت کی کسی بات نے آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نسبِ مبارک میں کوئی راہ نہ پائی کہ ارشاد مبارک ہے۔"فلم يصبني شيء من عهد الجاهليّة" یہ خود ایک دلیل کافی ووافی ہے۔ یہاں یہ اعتراض ہوسکتا تھا کہ " شيء من عهد الجاهلية" میں "شيء" سے مراد زنا ہے تو اس کا ازالہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو طرح فرمایا:

اول: یہ کہ امر جاہلیت کو زنا پر محمول کرنا یہ تخصیص بلا مخصص ہے اور تخصیص بلا مخصص جائز نہیں۔

دوم: یہ کہ زنا کی نفی تو معاً بعد صراحةً موجود ہے۔ چناں چہ ارشاد فرماتے ہیں۔"خرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح" کہ میں خالص نکاح سے پیدا ہوا نہ کہ زنا سے۔ لہذا امر جاہلیت کو زنا پر محمول کرنا لغو ہوا۔

ثانیاً ارشاد فرماتے ہیں:"أنا خيركم نسباً و أنا خيركم أبا" کہ میرے باپ تم سب کے آبا سے بہتر، تو ان سب میں حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یقیناً وقطعاً داخل ہیں۔ تو اس سے لازم آیا کہ آپ کے والد ماجد حضرت زید سے افضل ہوں۔ اور یہ افضلیت بغیر اسلام کے متصور ہو ہی نہیں سکتی کہ اس پر مذکورہ آیت کریمہ دال ہے۔

دلیل دہم: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

«اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ»[الإنعام: ۱۲٤]

خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔

طرز استدلال: آیت کریمہ شاہد ہے کہ اللہ عزوجل سب سے معزز اور محترم جگہ اپنی رسالت کے لیے انتخاب فرماتا ہے، لہذا کبھی کم قوموں رذیلوں میں رسالت نہ رکھی۔ پھر سب سے زیادہ رذیل اور قابل اہانت چیز کفر و شرک ہے توکفر و شرک کیوں کر اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس میں نورِ رسالت رکھا جائے۔ کیوں کہ کفار تو محل غضب و لعنت ہیں۔ جب کہ نور رسالت کے لیے محل رضا و رحمت درکار ہے۔

اس کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو احادیث مبارکہ نقل فرمائیں جن سے اس بات کا کھلا ہوا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ دنیا میں بھی کوئی ایسا صاحب اور ساتھی نہ کیا جس کا انجام جہنم ہو۔

(۱)- حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک بار خوف و خشیت کا غلبہ تھا گریہ وزاری فرما رہی تھیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی یا ام المؤمنین کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ رب العزت جل وعلا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جوڑا بنایا، یہ سن کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ”فَرّجتَ عني فرّج الله عنك“ کہ تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالیٰ تمھارا غم دور کرے۔

(۲)- حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”إنّ الله أبیٰ لی أن أتزوّج أو أزوّج إلا من أهل الجنة“ بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے نہ مانا کہ میں نکاح میں لانے یا نکاح میں دینے کا معاملہ کروں مگر اہل جنت سے “-رواہ ابن عساکر عن هند ابن أبی هالة رضي الله تعالیٰ عنهما.

اس کے بعد ان آیات و احادیث کا نچوڑ بیان فرماتے ہیں:

”جب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پسند نہ فرمایا کہ آپ کے ساتھ اہل نار میں سے کوئی رہے تو خود حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک معاذ اللہ محل کفر میں رکھنے یا حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم پاک عیاذاً باللہ خون کفار سے بنانے کو پسند فرمانا کیوں کر متوقع ہو۔“[1]

والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان پر یہ دس دلائل پیش فرمائے جن میں پہلے چار دلائل اقوال علمائے ذوی الاحترام سے مستفاد ہیں۔ اور بعد کے کچھ دلائل خود سیدنا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افادہ فرمائے اس کے بعد بطور تنبیہ فرماتے ہیں۔

” حدیث إن أبي و أباك — میں باپ سے ابوطالب مراد لینا طریق واضح ہے۔ قال تعالیٰ:
«قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ»[البقرة:۱۳۳] علما نے اسی پر ”لأبيه أٰزر“

(1)-فتاوی رضویه، ۱۱/ ۱۶۱، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

کو محمل فرمایا، اہل تواریخ واہل کتاب کا اجماع ہے کہ آزر باپ نہ تھا سیدنا خلیل علیہ الصلاۃ والسلام الجلیل کا چچا تھا، استغفار سے نہی معاذ اللہ عدم توحید پر دال نہیں، صدر اسلام میں سید عالم ﷺ مدیون کے جنازے پر نماز نہ پڑھتے جس کا حاصل اس کے لیے استغفار ہی ہے۔"

اس کے بعد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے شمار احادیث مبارکہ کی روشنی میں اس امر کو مزید واضح اور روشن فرمایا کہ آقائے دو جہاں ﷺ کے والدین کریمین مومن تھے۔ آپ کی اس تحقیق انیق کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ کے علم و فن، وسعت مطالعہ، استحضار، قوت استنباط واستخراج اور خداداد صلاحیتوں کا اندازہ لگانا مشکل ہوجاتا ہے، آپ نے اس مسئلہ پر بھی سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید دلائل کی حاجت نہیں رہتی ذیل میں پوری بحث کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

أقول: حدیث شریف ہے کہ بروز حشر حضور شافع یوم النشور ﷺ بار بار اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے اور اپنے فضل وکرم سے اہل ایمان کو جنت میں داخل فرمائیں گے، اخیر میں صرف وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی نیکی نہ ہوگی، پھر حضور ﷺ سجدہ میں گریں گے تو بارگاہ خداوندی سے حکم ہوگا، "یامحمد ارفع رأسك وقل تسمع وسل تعطه واشفع تشفع" اے حبیب! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمھاری شفاعت قبول ہوگی، سید الشافعین ﷺ عرض کریں گے: "یا ربّ ائذن لي فیمن قال لا إله إلّا الله" اے میرے رب مجھے ان کی بھی پروانگی دے دے جنھوں نے صرف "لا إله إلّا الله" کہا ہے۔ رب العزت جلا وعلا ارشاد فرمائے گا: "لیس ذلك لك ولكن وعزتي وجَلالي وكبريائي وعظمتي لأخرجن منها من قال لا إله إلّا الله" یہ تمھارے لیے نہیں مگر مجھے اپنی عزت وجلال وکبریائی وعظمت کی قسم میں ضرور ان سب کو نار سے نکال لوں گا جنھوں نے " لا إله إلّا الله" کہا ہے۔ (رواه الشیخان عن انس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه).

حضرات ابوین کریمین کا انتقال عہد اسلام سے پہلے تھا تو اس وقت وہ صرف اہل توحید اور اہل " لا إله إلّا الله" تھے تو نہی صرف از قبیل لیس ذلك لك ہے، بعدہ رب العزت عزّ جلالہ نے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں ان پر اتمام نعمت کے لیے اصحاب کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور ﷺ پر ایمان لاکر شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے۔ اور یہ حکمت الہیہ تھی کہ زندہ بھی فرمایا تو حجۃ الوداع کے موقع پر جب کہ قرآن کریم پورا نازل ہوچکا تھا۔

ارشاد ربانی ہے: «اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ»[المائدة: ۳]

آج میں نے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تام فرمادی۔

ایسا اس لیے کیا تاکہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو۔

یہاں پر ایک اعتراض یہ پیدا ہوا کہ آپ کے والدین کریمین کے زندہ کرنے اور آپ پر ایمان لانے کے تعلق سے جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ ضعیف ہے۔ اور حدیث ضعیف قابل استناد نہیں۔

اس کا جواب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عنایت فرمایا کہ حدیث ضعیف اگرچہ باب احکام میں قابل استدلال نہیں مگر باب فضائل ومناقب میں حدیث ضعیف بھی معتبر اور قابل استدلال ہوتی ہے۔ اس کی مزید تحقیق آپ نے رسالہ مبارکہ "الهاد الكاف في حكم الضعاف" میں فرمائی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو اگرچہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے ضعیف کہا ہے مگر دوسرے بہت سے حضرات مثلاً امام ابن حجر مکی وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور اس پر مزید تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بلکہ امام ابن حجر مکی نے فرمایا کہ متعدّد حفاظ نے اس کی تصحیح کی ہے، افضل القِری لقراء اُم القُری میں فرماتے ہیں:

"إنّ آباء النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غير الأنبياء و أمّهاته إلی آدم وحوّاء ليس فيهم كافر، لأنّ الكافر لايقال في حقّه إنّه مختار ولا كريم وطاهر بل نجس وقد صرّحت الأحاديث بأنّهم مختارون وأنّ الاٰباء كرام والأمهات طاهرات، وأيضاً قال تعالیٰ: و«وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ»[الشعراء: ۲۱۹]. علی أحد التفاسير فيه أنّ المراد تنقل نوره من ساجد إلی ساجد وحينئذ فهذا صريح في أنّ أبوي النبي ^ آمنة وعبدالله من أهل الجنة لأنّهما أقرب المختارين له صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، وهذا هو الحق بل في حديث صحّحه غير واحد من الحفاظ ولم يلتفتوا لمن طعن فيه إنّ الله تعالیٰ أحياهما فآمنا به. الخ مختصرا وفيه طول".

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب کریم میں جتنے انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہیں وہ تو انبیا ہی ہیں ان کے سوا حضور کے جس قدر آبا و امہات آدم و حوا علیہما الصلاۃ والسلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جاتا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبا و امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح ہے کہ وہ سب پسندیدۂ بارگاہ الٰہی ہیں، آبا سب کرام ہیں مائیں سب پاکیزہ ہیں اور

آیت کریمہ ‹‹وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ›› [الشعراء: ۲۱۹] کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ و حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما اہل جنت سے ہیں کہ وہ تو ان بندوں میں جنھیں اللہ عزوجل نے حضور اکرم ﷺ کے لیے چنا تھا سب سے قریب تر ہیں، یہی قول حق ہے بلکہ ایک حدیث میں جسے متعدّد حافظانِ حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کو حضور اقدس ﷺ کے لیے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے۔"

اس کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے حافظ ابن دحیہ کی طرف سے کیے گئے ایک اعتراض پھر جواب اعتراض پر تنبیہ فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کے ایمان کے لیے زندہ کرنے پر حافظ ابن دحیہ نے اعتراض کیا ہے کہ آیات قرآنیہ اس بات پر شاہد ہیں کہ بعدِ موت کوئی کافر مومن نہیں بن سکتا نہ اس کا ایمان نفع بخش ہو سکتا ہے تو اس کا جواب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ نے دیا کہ آپ کے والدین کریمین کو جو زندہ کیا گیا ہے یہ اِحداث ایمان کے لیے نہیں تھا یعنی ایسا نہیں کہ معاذ اللہ پہلے وہ مومن نہیں تھے اب بعد میں زندہ کیے جانے پر وہ مشرف باسلام ہوئے ہیں، بلکہ آپ کے والدین کا انتقال توحید پر ہوا، اب ان کو زندہ کیا گیا تاکہ وہ دین محمدی ﷺ کی تفاصیل پر بھی ایمان لے آئیں اور آپ کی صحبت پاکر شرف صحابیت سے بھی سرفراز ہوں۔ لہٰذا جب یہ تفصیل ہوئی تو اب اس تکلف کی ضرورت نہیں کہ کہا جائے کہ آپ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما ان آیات کے عموم میں داخل نہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بعدِ موت کفار کے لیے ایمان نفع بخش نہیں جیسا کہ اکثر حضرات نے یہ جواب دیا ہے۔

اب فیصلہ کے طور پر فرماتے ہیں، کہ اپنا مسلک اس باب میں یہ ہے۔

ومن مذهبي حب الديار لأهلها　　وللناس فيما يعشقون مذاهب

دلائل مذکورہ بالا سے ابوین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کا ایمان روز روشن کی طرح واضح اور صاف ہو جاتا ہے، اخیر میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں ہمارا مسلک و مذہب یہ ہے اب جس کو یہ پسند ہو "فبہا" ورنہ کم از کم توقف کرے کیوں کہ اگر اس سے بھی تجاوز کر گیا تو کہیں ‹‹اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ›› [الاحزاب: ۵۳] کے تحت نہ آجائے اس توقف پر یوں استدلال کرتے ہیں:

امام ابن حجر مکی شرح میں فرماتے ہیں: "ما أحسن قول المتوقفين في هذه المسئلة الحذر الحذر من ذكرهما بنقص فإنّ ذلك قد يؤذيه ﷺ لخبر الطبراني لا تؤذوا الأحياء بسب الأموات"

یعنی کیا خوب فرمایا ان بعض علما نے جنھیں اس مسئلہ میں توقف تھا کہ دیکھ بچ والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم ﷺ کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو۔ یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں ہمارے تمام افعال واقوال پر مطلع اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: «وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝» [التوبة: ٦١] جو لوگ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے، عاقل کو چاہیے کہ ایسی جگہ احتیاط کرے۔

تخریج احادیث وطریقِ استنباط واستخراج: اس قدر دلائل وبراہین سے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید وضاحت کے لیے ایک نئے اور نرالے انداز میں بحث فرمائی چناں چہ آپ نے اوّلاً بے شمار احادیث نبویہ سے یہ ثابت کیا کہ شَے کے نام کا اثر شَے کی ذات پر پڑتا ہے، پھر اس پر بحث فرمائی کہ آپ کے ابوین کریمین اور یوں ہی آپ کو دودھ پلانے والی امہات کریمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اسما کے معانی کیا کیا ہیں اور ان کے اسما کس قدر مبارک ومسعود ہیں، ساتھ ہی آپ نے تمام احادیث نبویہ کی تخریج بھی کی ہے جس سے آپ کی وسعت مطالعہ پھر قوت حافظہ کا ثبوت ملتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> "**أقول:** ظاہر عنوانِ باطن ہے اور اسم آئینۂ مسمی " الأسماء تنزل من السماء" سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: "إذا بعثتم إليّ رجلا فابعثوه حسن الوجه حسن الاسم" جب میری بارگاہ میں کوئی قاصد بھیجو تو اچھی صورت اچھے نام کا بھیجو"۔ رواه البزار في مسنده والطبراني في الأوسط عن أبي هريرة رضی الله تعالیٰ عنه بسند حسن على الأصح".

پھر احادیث مع تخریج کا ایک سلسلہ یوں شروع فرماتے ہیں:

حدیث اول: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اعتبروا الأرض بأسمائها" زمین کو اس کے نام پر قیاس کرو۔ رواه ابن عدي عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه وهو حسن لشواهده".

حدیث دوم: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "كان رسول الله ﷺ يتفاءل ولا يتطير وكان يحب الإسم الحسن" کہ رسول اللہ ﷺ نیک فال لیتے اور بدشگونی نہ مانتے اور اچھے نام کو دوست رکھتے"۔ رواه الإمام أحمد والطبراني والبغوي في شرح السنة".

حدیث سوم: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "إنّ النبي ^كان يغيّر الاسم القبيح" رسول کائنات ﷺ برے نام کو بدل دیتے" رواه الترمذي".

حدیث چہارم: وعنها كان النبي ﷺ إذا سمع الاسم القبيح حوّله إلیٰ ماهو أحسن منه" رسول اللہ ﷺ جس کسی کا برا نام سنتے تو اس سے بہتر بدل دیتے، رواه الطبراني بسند صحيح وهو عند ابن سعد عن عروة مرسلاً".

حدیث پنجم: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "إنّ النبي ^كان لا يتطير من شيء فإذا بعث عاملا سأل عن اسمه فإذا أعجبه اسمه فرح به و رُئي بشر ذلك في وجهه، وإن كره اسمه رئي كراهة ذلك في وجهه وإذا دخل قرية سأل عن اسمها، فإن أعجبه اسمها فرح به و رئي بشر ذلك في وجهه وإن كره اسمها رئي كراهة ذلك في وجهه" مصطفیٰ ﷺ کسی چیز سے بدشگونی نہ لیتے جب کسی عہدہ پر کسی کو مقرر فرماتے اس کا نام پوچھتے اگر پسند آتا خوش ہوتے اور اس کی خوشی چہرۂ انور میں نظر آتی، اور اگر ناپسند آتا ناگواری کا اثر چہرۂ انور سے ظاہر ہوتا، اور جب کسی شہر میں تشریف لے جاتے اس کا نام دریافت فرماتے اگر خوش آتا مسرور ہوجاتے اور اس کا سرور روے پر نور میں دکھائی دیتا اور اگر ناخوش آتا ناخوشی کا اثر روے اطہر میں نظر آتا، رواه ابو داؤد.

اس تمہید کے بعد فرماتے ہیں:

اب ذرا چشم حق بیں سے حبیب ﷺ کے ساتھ مراعات الٰہیہ کے الطاف خفیہ دیکھیے، کہ حضور اقدس ﷺ کے **والد ماجد** رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک **عبد اللہ** ہے اور یہ مبارک و مسعود نام امت کے تمام اسما سے **افضل** ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: " أحبّ اسمائكم إلى الله عبدالله وعبدالرحمٰن" تمھارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالیٰ کو عبداللہ و عبدالرحمٰن ہیں،" رواه مسلم و أبو داؤد والترمذي وابن ماجه عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما" اور **والدہ ماجدہ** رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم مبارک **آمنہ** کہ یہ امن وامان سے **مشتق** ہے اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے، جد امجد حضرت عبدالمطلب **شيبة الحمد** کہ اس پاک ستودہ مصدر سے اطیب و اطہر **مشتق** محمد واحمد و حامد و محمود ﷺ کے پیدا ہونے کا اشارہ تھا، اور جدہ ماجدہ **فاطمہ** بنت عمرو بن **عائذ** اس پاک نام کی خوبي اظہر من الشمس ہے، کہ حدیث شریف میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ تسمیہ یوں آئی، کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "إنّما سماها فاطمة لأنّ الله تعالىٰ فطمها ومحبّيْها من النار" کہ اللہ عزوجل نے اس کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ اسے اور اس سے عقیدت رکھنے والوں کو نار دوزخ سے آزاد فرمایا، اسی طرح آپ کے جد مادری **"وہب"** جس کے معنی عطا و بخشش، اور جدۂ مادری یعنی نانی صاحبہ **"برّہ"** یعنی نیکوکار "كما ذكره ابن هشام في سيرته".

اس کے بعد رشتۂ رضاعت میں بھی سب اسما کے مبارک ومسعود ہونے پر بھی روشنی ڈالی کہ سب سے پہلی دودھ پلانے والی حضرت **ثُوَیبَہ** ان کا مبارک نام ثواب سے ہم اشتقاق پھر حضرت **حلیمہ سعدیہ** بنت عبداللہ بن **حارث**، رسول اللہ ﷺ نے اشج عبدالقیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "إنّ فيك لخصلتين يحبهما الله ورسوله، الحلم والأناة" تجھ میں دو خصلتیں ہیں جو خدا اور رسول کو پیاری ہیں درنگ اور بردباری، ان کا قبیلہ **بنی سعد** جو سراپا سعادت ہے، پھر ان کے شوہر حضرت **حارث** سعدی، حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: أصدقها حارث و همام. سب ناموں میں سب سے زیادہ سچے نام حارث اور ہمام ہیں۔" رواه البخاري في الأدب المفرد و أبوداؤد والنسائي عن أبي الجشمي رضي الله تعالىٰ عنه، آپ کے رضاعی بھائی جو شریک پستان تھے ان کا نام **عبداللہ سعدی**، ایک مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ کو گود میں اٹھائے لے جارہی تھیں کہ تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھاتی صورت دیکھی، جوش محبت سے اپنی پستانیں دہن اقدس میں رکھیں تینوں کے دودھ اتر آیا تینوں پاکیزہ بی بیوں کا نام **عاتکہ** تھا، عاتکہ کے معنی زن شریفہ رئیسہ کریمہ سراپا عطر آلود تینوں قبیلۂ **بنی سلیم** سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اِسلام سے ہم اشتقاق ہے۔" ذكره ابن عبدالبر في الاستيعاب".

امام ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: لم ترضعه مرضعة إلا أسلمت . سید عالم ﷺ کو جتنی بی بیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ ذكره في كتابه سراج المريدين. سبحان اللہ یہ ہیں باعظمت رسول ﷺ کہ دودھ میں بھی چوں کہ یک گونہ جزئیت ہے اس لیے اس مبارک رشتہ میں بھی کوئی مشرک و کافر نہ تھا بلکہ اسما بھی سب کے مبارک و مسعود ہیں تو جب اس قدر اللہ کو اپنے حبیب مکرم سے پیار ہے کہ رشتۂ رضاعت بھی پاک وصاف تو معاذ اللہ آباو اجداد کی طہارت و پاکیزگی اور ان کے ایمان پر کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

ان ابحاث کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو فن حدیث میں کس درجہ کمال حاصل تھا کہ ہر ہر راوی کے حالات اور پھر مختلف کتابوں سے احادیث کی تخریج فرماکر ہر ہر مسئلہ ہر طرح منقح اور واضح فرمادیا، مسئلہ دائرہ پر احادیث مذکورہ بالا پیش فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

" اے چشم انصاف کیا ہر تعلق ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بطور جزاف تھا کلا واللہ بلکہ عنایت ازلی نے جان جان کر یہ نام رکھے دیکھ دیکھ کر یہ نام چنے پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو برے نام والوں سے بچائے وہ اسے برے کام والوں میں رکھے گا اور برا کام بھی کون سا معاذ اللہ شرک و کفر حاشا ثم حاشا، اللہ

اللہ دائیاں مسلمان کھلائیاں مسلمان مگر خاص جن پاک مبارک پیٹوں میں **محمد** ﷺ نے پاؤں پھیلائے جن طیب مطیب خونوں سے ان نورانی جسموں میں ٹکڑے آئے وہ معاذ اللہ چنین و چناں حاشا اللہ کیوں کر گوارا ہو"۔[1]

اپنے موقف کی تائید میں ائمہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ابوین کریمین اور آپ کے اجداد و امہات کے اسلام پر تائیدات ذکر فرمائیں، اور ان حضرات کی طہارت و پاکیزگی کو اتنا واضح اور روشن فرمایا کہ کسی قسم کے شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی، پھر اس کے بعد ان علما و مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسمائے کرام شمار فرمائے جن کا موقف اس بارے میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق ہے اس سے ایک طرف آپ کے موقف کی تائید و توثیق ہوتی ہے اور دوسری جانب آپ کی دقت نظر اور وسعت مطالعہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ع ما بندۂ عشقیم و دگر ہیچ ندانیم، **فائدہ ظاہرہ** در بارۂ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہی طریقہ انیقہ اعنی نجات نجات نجات کہ ہم نے بتوفیقہ تعالیٰ اختیار کیا تنوع مسالک پر مختار اجلۂ ائمہ کبار و اعاظم علمائے نامدار ہے۔"

اس کے بعد ان اعاظم علمائے کرام و مشائخ عظام کو یوں شمار فرمایا:

(۱)-امام ابو حفص عمر بن احمد بن شاہین جن کی علوم دینیہ میں تین سو تیس تصانیف ہیں از اں جملہ تفسیر ایک ہزار جز میں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جز میں۔

(۲)-شیخ المحدثین احمد بن علی خطیب علی البغدادی۔

(۳)-حافظ الشان محدث ماہر امام ابو القاسم علی بن حسن بن عساکر۔

(۴)-امام اجل ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سہیلی صاحب الروض۔

(۵)-حافظ الحدیث امام محب الدین طبری کہ علما فرماتے ہیں بعد امام نووی کے ان کا مثل علمِ حدیث میں کوئی نہ ہوا۔

(۶)-امام علامہ ناصر الدین ابن المنیر صاحب شرف المصطفیٰ ﷺ۔

(۷)-امام حافظ الحدیث ابو الفتح محمد بن سیّد الناس صاحب عیون الاثر۔

(۸)-علامہ صلاح الدین صفدی۔

(۹)-حافظ الشان شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی۔

(۱۰)-شیخ الاسلام حافظ الشان امام شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی۔

---

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۱۵۶-۱۶۵، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

(۱۱)-امام حافظ الحدیث ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبیلی ابن العربی مالکی۔
(۱۲)-امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی بصری صاحب الحاوی الکبیر۔
(۱۳)-امام ابوعبداللہ محمد بن خلف اُبّی مالکی شارح صحیح مسلم۔
(۱۴)-امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی صاحب تذکرہ۔
(۱۵)-امام المتکلّمین فخر المدققین فخرالدین محمد بن عمر الرازی۔
(۱۶)-امام علامہ شرف الدین مناوی۔
(۱۷)-خاتم الحفاظ مجدد القرن التاسع امام جلال الملۃ والدین عبدالرحمٰن ابن ابی بکر سیوطی۔
(۱۸)-امام حافظ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی صاحب افضل القری وغیرہ۔
(۱۹)-شیخ نورالدین علی بن الجزار مصری صاحب رسالۂ تحقیق آمال الرّاجِین في أنّ والدي المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بفضل اللہ تعالیٰ في الدار ین من النَاجِین.
(۲۰)-علامہ ابوعبداللہ محمد بن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح شفا شریف۔
(۲۱)-علامہ محقق سنوسی۔
(۲۲)-امام اجل عارف باللہ سیّدی عبدالوہاب شعرانی صاحب الیواقیت والجواہر۔
(۲۳)-علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فاسی صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات۔
(۲۴)-خاتمۃ المحققین علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شارح المواہب۔
(۲۵)-امام اجل فقیہ اکمل محمد کردری بزازی صاحب المناقب۔
(۲۶)-زین الفقہ علامہ محقق زین الدین بن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر۔
(۲۷)-سیّد شریف علامہ احمد حموی صاحب غمز العیون والبصائر۔
(۲۸)-علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب الخمیس في اَنفَس نفیس ﷺ۔
(۲۹)-علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری صاحب نسیم الریاض۔
(۳۰)-علامہ طاہر فتنی صاحب مجمع بحار الانوار۔
(۳۱)-شیخ شیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی۔
(۳۲)-علامہ... صاحب کنزالفوائد۔

(۳۳)-مولانا بحر العلوم ملک العلما عبد العلی صاحب فواتح الرحموت۔

(۳۴)-علامہ سیّد احمد مصری طحطاوی محشی در مختار۔

(۳۵)-علامہ سیّد ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی صاحب ردّ المحتار۔

یہ وہ ۳۵؍ علمائے کرام ومشائخ عظام ہیں جن کے اقوال میں مسئلہ دائرہ کی صراحت ملتی ہے اور ان کے اقوال وقتِ تحریر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے پیش نظر تھے ورنہ تو بے شمار وہ اکابر مشائخ ہیں جنھوں نے آباو اَجدادِ رسول ﷺ کے ایمان پر نص فرمائی۔ چناں چہ خود تحریر فرماتے ہیں:

”پھر یہ بھی ان اکابر کا ذکر ہے جن کی تصریحات خاص اس مسئلہ میں موجو، دور نہ بنظر کلیت نگاہ کیجیے تو امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی و امام اجل امام الحرمین و امام ابن السمعانی، امام کیا ہراسی و امام اجل قاضی ابو بکر باقلانی حتی کہ خود امام مجتہد سیّدنا امام شافعی کی نصوص قاہرہ موجود ہیں جن سے تمام آبا و امہات اقدس کا ناجی ہونا کالشمس والامس روشن وثابت ہے بلکہ بالاجماع تمام ائمۂ اشاعرہ اور ماتریدیہ سے مشائخ بخارا سب کا یہی مقتضائے مذہب ہے، ”کما لا یخفی علی من له اجالة نظر في علمي الأصولَين.

امام سیوطی سبل النجاۃ میں فرماتے ہیں: ”مال إلى أنّ الله تعالیٰ أحياهما حتى اٰمنا به طائفة من الأئمة و حفاظ الحديث“ ”کتاب الخمیس میں کتاب مستطاب“ ”الدرج المنيفة في الاٰباء الشريفة“ سے نقل کرتے ہیں۔ ”ذهب جمع كثير من الأئمة الأعلام إلى أنّ أبوي النبي ﷺ ناجيان محكوم لهما بالنجاة في الآخرة وهم أعلم الناس بأقوال من خالفهم و قال بغير ذلك و لا يقصرون عنهم في الدرجة ومن أحفظ الناس للأحاديث والاٰثار وأنقد الناس بالأدلّة الّتي استدلّ بها أولئك فإنّهم جامعون لأنواع العلوم ومتضلعون من الفنون خصوصاً الأربعة الّتي استمدّ منها هذه المسألة فلا نظنّ بهم أنهم لم يقفوا على الأحاديث الّتي استدلّ بها أولئك معاذ الله بل وقفوا عليها وخاضوا غمرتها وأجابوا عنها بالأجوبة المرضيّة الّتي لايردّها منصف و أقاموا لما ذهبوا إليه أدلّة قاطعة كالجبال الرواسي“. اهـ. مختصراً.

خلاصہ یہ کہ جمع کثیر اکابر ائمہ واجلۂ حفاظ حدیث جامعان انواع علوم وناقدانِ روایات ومفہوم کا مذہب یہی ہے کہ ابوین کریمین ناجی ہیں ان اعاظم ائمہ کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ وہ ان

احادیث سے غافل تھے جن سے اس مسئلہ میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے معاذ اللہ ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور ان پر واقف ہوئے اور تہ تک پہنچے اور ان کے وہ پسندیدہ جواب دیے جنھیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور نجات والدین شریفین پر دلائل قاطعہ قائم کیں جیسے مضبوط جمے ہوئے پہاڑ کہ کسی کے ہلائے نہیں ہل سکتے۔

بلکہ علامہ زرقانی شرح مواہب میں ائمۂ قائلین نجات کے اقوال وکلمات ذکر کرکے فرماتے ہیں: ''هذا ما وقفنا عليه من نصوص علمائنا ولم نر لغيرهم ما يخالفه إلّا ما يشم من نفس ابن دِحية وقد تكفل بردّه القرطبي'' یہ ہمارے علما کے وہ نصوص ہیں جن پر میں واقف ہوا اور ان کے غیر سے کہیں اس کا خلاف نظر نہ آیا سوا ایک بوے خلاف کے جو ابن دِحیہ کے کلام سے پائی گئی اور امام قرطبی نے بروجہ کافی اس کا رد کر دیا تاہم بات وہی ہے جو امام جلیل سیوطی نے فرمائی۔

ثم إنّي لم أدع أنّ المسئلة إجماعية بل هي مسألة ذات خلاف حكمها كحكم سائر المسائل المختلف فيها غير أنّي اخترت أقوال القائلين بالنجاة لأنّه الأنسب لهذا المقام .اهـ.[1]

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/۱۶۹، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

علمی تحقیقات

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنے موقف پر قرآن و حدیث اور اقوال فقہا سے اس قدر دلائل پیش فرماتے ہیں کہ دیکھنے والے کو خوب اطمینان حاصل ہو جاتا ہے ذیل میں اس کی چند مثالیں مزید پیش کی جاتی ہیں۔

(۱)

صحابیِ رسول حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے ہیں ان کی شان میں گستاخی نہ کرے گا مگر رافضی۔ جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں اس کا پڑھنا سننا مسلمان سنیوں پر حرام ہے۔“

اس کے بعد حضرت سیدنا عمرو بن العاص کے فضائل و مناقب میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل دلائل پیش فرمائے۔

(۱)-اہل سنت کے متون عقائد میں ہے: ”الصحابة كلّهم عدول لا نذكرهم إلّا بخير“ صحابہ سب کے سب اہل خیر و عدالت ہیں ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے۔

(۲)-نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ” أسلم الناس و اٰمن عمرو بن العاص“ بہت سے لوگ وہ ہیں کہ اسلام لائے مگر عمرو بن العاص ان میں ہیں جو ایمان لائے۔ رواه الترمذي عن عقبة ابن عامر رضي الله تعالىٰ عنه.

(۳)-رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”عمرو بن العاص من صالحي قريش“ عمرو بن العاص صالحین قریش سے ہیں۔ رواه الإمام احمد في مسنده عن سيدنا طلحة بن عبيد الله أحد العشرة المبشرة رضي الله تعالىٰ عنهم أجمعين.

(۴)-رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ”نعم أهل البيت عبدالله وأبو عبدالله و أم عبدالله“ بہت اچھے گھر والے ہیں عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبداللہ کا باپ اور اس کی ماں۔ رواه البغوي و أبو يعلى عن طلحة رضي الله تعالىٰ عنه وأخرجه ابن سعد في الطبقات بسند صحيح عن ابن أبي مليكة وزاد يعني عبدالله بن عمرو بن العاص.

(۵)-رسول اللہ ﷺ نے انھیں عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوۂ ذات السلاسل میں اُس فوج کا سردار کیا جس میں صدیق اکبر اور فاروق اعظم بھی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۶)-ایک بار اہل مدینہ کو کچھ ایسا خوف پیدا ہوا کہ متفرق ہو گئے سالم مولی ابی حذیفہ اور عمرو بن العاص دونوں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہما تلوار لے کر مسجد میں حاضر رہے، حضور ﷺ نے خطبہ فرمایا اور اس میں ارشاد فرمایا: ”ألا يكون فزعكم إلى الله ورسوله ألا فعلتم كما فعل هذان الرجلان المؤمنان“ کیوں نہ ہوا کہ تم خوف میں اللہ و رسول کی طرف التجا لاتے تو تم نے ایسا کیوں نہ کیا جیسا ان دونوں ایمان والے مردوں نے کیا۔

(۷)-قرآن کریم میں اللہ عزوجل فرماتا ہے: «لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۠» [الحديد: ۱۰]

تم میں برابر نہیں جنھوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ و قتال کیا وہ درجے میں ان سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ و قتال کیا اور دونوں فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور جانتا ہے جو کچھ کرو گے۔

اللہ عزوجل نے صحابۂ حضور اقدس ﷺ کو دو قسم فرمایا ایک مومنین قبل مکہ اور دوسرے مومنین بعد فتح مکہ، فریق اول کو فریق دوم پر فضیلت بخشی اور دونوں فریق کو فرمایا کہ اللہ نے ان سے بھلائی کا وعدہ کیا۔ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومنین قبل فتح مکہ میں ہیں، ”الإصابة في تمييز الصحابة“ میں ہے: ”عمرو بن العاص بن وائل بن هاشم بن سُعَيد بالتصغير بن سهم ابن عمرو بن هصيص بن كعب بن لوى القرشي أمير مصر مكنى أبا عبدالله وأبا محمد أسلم قبل الفتح في صفر سنة ۸ ثمان وقيل بين الحديبية وخيبر“.[1]

﴿۲﴾

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا گیا کہ لفظ سید کی وضاحت فرمائیے نیز فضیلت سید بیان فرمائیں تو اس کے جواب میں آپ نے فضیلت علم کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا: ” اداے حق کے لیے اتنا اور گزارش کر دوں کہ

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۴۰، ۴۱، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

فضل اگرچہ تقوی کے لیے ہے- کما نطقت به الآية الكريمة- مگر فضل تقوی بے علم نہیں اس پر مندرجہ ذیل دلائل افادہ فرمائے۔

(۱)-حدیث شریف میں ہے:"المتعبد بغير فقه كالحمار في الطاحون" بے علم کے عابد بننے والا ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا، کہ محنت کرے اور اسے حاصل کچھ نہیں، رواه أبو نعيم في الحلية عن واثلة بن الاسقع رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.

(۲)-در مختار میں ہے:"في فتاوى المصنف لاتقبل شهادة الجاهل على العالم لفسقه بترك مايجب تعلمه شرعاً فحينئذٍ لاتقبل شهادته على مثله ولا على غيره، وللحاكم تعزيره على ترك ذلك".

(۳)-قال الله تعالىٰ: «هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ» [الزمر: ۹]

تم فرماؤ کیا برابر ہیں علم والے اور بے علم۔

(۴)-در مختار میں ہے:" للشاب العالم أن يتقدم على الشيخ الجاهل ولو قرشيا.

قال الله تعالىٰ: «وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ» [المجادلة: ۱۱]

اس کے بعد سید کے ذاتی فضل کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(۱)-امام ابن حجر "صواعق محرقہ" میں فرماتے ہیں:"ينبغي الإغضاء عن انتقادهم ومن ثم ينبغي أنّ الفاسق من أهل البيت لبدعة أو غيرها إنّما تبغض أفعاله لا ذاته لأنّها بضعة منه ﷺ وإن كان بينه وبينها وسائط". سیدوں کی تنقید سے چشم پوشی کرنا چاہیے کیوں کہ اہل بیت کے فاسقوں کا فعل ناپسندیدہ ہے ان کی ذات ناپسندیدہ نہیں۔ کیوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جسم کا ٹکڑا ہیں اگرچہ ان میں اور رسول ﷺ میں کتنے ہی واسطے ہوں۔

(۲)-أخرج أبوسعيد في شرف النبوة أنّه ﷺ قال يا فاطمة إنّ الله تعالىٰ يغضب لغضبكِ و يرضى لرضاك فمن آذىٰ أحدا من ولدها فقد تعرض لهذا الخطر العظيم لأنّه أغضبها ومن أحبّهم فقد تعرض لرضاها و إذا صرّح العلماء بأنّه ينبغي إكرام سكان بلده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإن تحقق منهم ابتداع أو نحوه لحرمة جواره الشريف فما بالك بذريته الذين هم بضعة منه.

ابو سعید نے کتاب شرف النبوہ میں یہ روایت نقل کی کہ اے فاطمہ تیری ناراضی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور تیری رضا سے خدا راضی ہوتا ہے تو جوان کی اولاد میں سے کسی کو اذیت دے تو اس نے بڑی خطرناک بات مول لی کیوں کہ ان کی اذیت حضرت فاطمہ کو ضرور دکھ پہنچائے گی اور جس نے ان سے محبت کی تو جناب زہرا کی رضا مندی کا حق دار ہوا، علما تصریح فرماتے ہیں کہ مدینہ کے باشندوں کی تعظیم کرو اگرچہ ان سے بدعت وغیرہ کا صدور ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے پڑوس کی پاس داری ضروری ہے تو تمھارا رسول اللہ ﷺ کی اولاد کے بارے میں کیا خیال ہے۔

(۳)-فتاوی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

”نعم الكفر إن فرض وقوعه لأحد من أهل البيت والعياذ بالله تعالىٰ هو الذي يقطع النسبة بين من وقع منه وبين شرفه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وإنّما قلنا إن فرض لأنني أكاد أن أجزم أنّ حقيقة الكفر لاتقع ممن علم اتصال النسبة الصحيح بتلك البضعة الكريمة حاشاهم الله عن ذلك وقد أحال بعضهم وقوع نحو الزنا واللواطة ممن علم شرفه فما ظنك بالكفر“.

ہاں اگر اہل بیت میں سے کسی سے کفر کا وقوع فرض کیا جائے (اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے) تو یہی وہ چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ کے شرف سے اس شخص کی نسبت کو قطع کر دے گی میں نے وقوع کفر کے فرض کرنے کی بات کی کیوں کہ اس معاملہ میں میرا گمان قریب بہ یقین ہے کہ جس کا نسب حضور ﷺ سے متّصل ہوگا اس سے کفر سرزد نہ ہوگا۔ خدا انھیں محفوظ رکھے بعض علما نے تو ان سے زنا و لواطت جیسے افعال کا صدور بھی محال جانا ہے تو کفر کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے۔[1]

﴿۳﴾

اسی طرح آپ کی بارگاہ میں درود تاج کے تعلق سے ایک سوال آیا کہ وہابی کہتا ہے کہ درود تاج پڑھنا حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں ”دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والألم“. کا استعمال نازیبا بلکہ شرعاً ممنوع ہے، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ بے شک دافع ہر بلا ہیں ان کی شان عظیم تو ارفع واعلیٰ ہے ان کے غلام بھی دفع بلا کرتے ہیں“ اپنے اس موقف پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل دلائل پیش فرمائے۔

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۲۷، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

(۱)-ابن عدی و ابن عساکر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "إنما سميت أحيد لأنّي أحيد عن أمتي نار جهنّم" میرا نام احید ہوا کہ میں اپنی امت سے آتش دوزخ کو دفع کرتا ہوں۔

(۲)-بیہقی دلائل النبوہ اور ابوسعید شرف المصطفیٰ میں راوی کہ خفاف ابن نضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر بارگاہ ہوکر عرض کی "حتي وردت إلى المدينة جاهدا لا راك فتفرج الكربات" میں کوشش کرتا ہوا مدینہ حاضر ہوا کہ زیارت اقدس سے مشرف ہوں تو حضور میری سب مشکلیں کھول دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی عرض پسند کی اور تعریف فرمائی۔

(۳)-منح المدح امام ابن سید الناس میں ہے حرب ابن ریطہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

لقـــــد بعــث الله النبي محمدا☆ بحق و برهان الهدى يكشف الكربا

خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق اور قطعی دلیل ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ حضور دفع بلا فرماتے ہیں۔

(۴)-عمرو بن شیبہ بطریق عامر شعبی راوی، اسود بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:

أنت الرسول الّذي يرجىٰ فواضله☆عندالقحوط إذا ما أخطأ المطر

یارسول اللہ حضور وہ رسول ہیں جن کے فضل کی امید کی جاتی ہے قحط کے وقت جب مینہ (بارش) خطا کرے۔

(۵)-ابن شاذان عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازے پر فرمایا: "ياحمزة يا كاشف الكربات يا حمزة يا ذاب عن وجه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم" اے حمزہ! اے دافع البلا، اے حمزہ! اے چہرۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دشمنوں کو دفع کرنے والے۔

(۶)-کتب سابقہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر شریف میں ہے کہ ان کے دو نائب ہوں گے ایک سن رسیدہ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے جوان یعنی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ "أما الفتى فخواض غمرات و دفاع معضلات" وہ جو جوان ہیں وہ سختیوں میں گھس پڑنے والے اور بڑے دافع البلا بڑے مشکل کشا ہوں گے۔

(۷)-رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من كنت وليّه فعلي وليه قال المناوي في شرحه يدفع عنه مايكره" یعنی میں جس کا مددگار ہوں علی مرتضی اس کے مددگار ہیں کہ ہر مکروہ کو اس سے دفع کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کی کافی تفصیل ہماری کتاب "الأمن و العلىٰ لناعتي المصطفىٰ بدافع البلا" میں ہے۔[1]

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۸۱، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

(۴)

محفل میلاد میں جلوہ نمائی: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں یہ شعر لکھ کر بھیجا گیا:

با ادب داخل ہو اے دل محفل میلاد میں
خود بدولت خود ہیں شامل محفل میلاد میں

اس پر استفتا کیا گیا کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محفل مولود میں جلوہ افروز ہونا اس شعر سے ثابت ہوتا ہے وہابی کہتا ہے کہ نہیں ہو سکتا جلوہ افروز ہونے کی دلیل کیا ہے۔

اس کے جواب میں امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہابی کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل دلائل پیش فرمائے۔

(۱)-امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تنویر میں فرماتے ہیں:

”قد أخبرني الثقات من أهل الصلاح أنّهم شاهدوه صلى الله تعالیٰ عليه وسلم مرارا عند قراءة المولود الشريف وعند ختم القرآن و بعض الأحاديث“.

مجھے ثقہ صالحین نے خبر دی کہ انھوں نے بارہا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجلس میلاد شریف و جلسہ قرآن عظیم وبعض احادیث میں مشاہدہ کیا۔

(۲)-نیز امام ممدوح تنویر پھر امام محدث جلیل زرقانی شرح المواہب الشریفہ میں فرماتے ہیں:

” إنّه وسائر الأنبياء صلى الله عليه وسلم أذن لهم في الخروج من قبورهم للتصرف في الملكوت العلوي والسفلي“.

بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاے کرام علیہم السلام کو اجازت ہے کہ آسمان و زمین کی سلطنت الٰہی میں تصرف فرمانے کے لیے اپنے مزارات طیبہ سے باہر تشریف لے جائیں۔

امام زرقانی فرماتے ہیں: ”و يأتي للمصنف نحوه في غير موضع من هذا الكتاب“.

(۳)-امام ابن حجر مکی فتاوی کبری باب الجنائز میں فرماتے ہیں:

” روح نبينا صلى الله عليه وسلم ربما تظهر في سبعين الف صورة“.

ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس بارہا ستر ہزار صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

(۴)- حضور عین نور ﷺ کی شان اقدس تو بلند و بالا ہے امام اجل عبداللہ بن مبارک اور ابوبکر ابن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے وقفاً اور امام احمد مسند اور حاکم صحیح مستدرک اور ابو نعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور ﷺ سے رفعاً راوی "هذا حديث أبي بكر إذا مات المؤمن يخلى سربه يسرح حيث شاء". جب مسلمان مرجاتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے، جہاں چاہے جاتا ہے۔

(۵)- حضور ﷺ کا مجالس طیبہ میں تشریف لانا بایں معنی نہیں کہ نہ تھے اور تشریف لائے کہ وہ تو ہر وقت مسلمانوں کے گھروں میں تشریف فرما ہیں، علامہ ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں۔"لأن روح النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حاضرة في بيوت أهل الإسلام". [1]

(۵): اسلام کے بارہ خلفا کے اسما کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"اصل یہ ہے کہ امور غیب میں اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جتنی بات بیان فرمائیں اتنی یقیناً حق ہے اور جس قدر ذکر نہ فرمائیں اس کی طرف یقین کی راہ نہیں کہ غیب بے خدا و رسول کے بتائے معلوم نہیں ہوسکتا لہٰذا اس حدیث کے معنی میں زمانہ تابعین سے اشتباہ رہا۔"

اپنے اس مدعا کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل دلائل سے مزین فرمایا۔

(۱)- مہلب نے فرمایا: "لم الق أحدا ايقطع في هذا الحديث بمعنى". میں نے کوئی ایسا نہ پایا کہ اس حدیث کی کوئی مراد قطعی بتاتا۔

(۲)- امام قاضی عیاض مالکی نے شرح صحیح مسلم میں بہت احتمالات بتا کر فرمایا:

"وقد يحتمل وجوها اخر والله أعلم بمراد نبيّه ﷺ". یعنی اس کے سوا حدیث میں اور احتمال بھی نکل سکتے ہیں اور اللہ اپنے نبی کی مراد خوب جانے۔ جل وعلا ﷺ۔

(۳)- امام ابن جوزی کشف المشکل میں لکھتے ہیں: "قد أطلت البحث عن معنى هذا الحديث و تطلّبت مظانّه وسألت عنه فلم أقع على المقصود به". میں نے مدتوں اس حدیث کے معنی کی تفتیش کی اور جہاں جہاں گمان تھا وہ کتابیں دیکھیں، اپنے زمانہ کے ائمہ سے سوال کیے مگر مراد متعیّن نہ ہوئی۔

(۴)- جس غیب کی اللہ و رسول تفصیل نہ فرمائیں اس کی تفصیل قطعاً کیوں کر معلوم ہوسکتی ہے، ہاں لوگ لگتے لگاتے ہیں جن میں سے کسی پر یقین نہیں البتہ یہ معیار صحیح ہے کہ حدیث میں جو نشان ان بارہ خلفا کے ارشاد

(1)- فتاوى رضويه، ۱۱/ ۸۲، ۸۳، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

ہوئے جس معنی میں وہ نہ پائے جائیں باطل ہیں، اور جس میں پائے جائیں وہ احتمالی طور پر مسلّم ہوگا نہ کہ یقینی —
احادیثِ باب میں ان کے نشان یہ ہیں:

(۱)-کلهم من قريش رواه الشيخان. سب قرشی ہوں گے۔

(۲)-وہ سب بادشاہ و والیان ملک ہوں گے صحیح مسلم میں ہے: "لایزال أمر الناس ماضیا ما ولِیَهم اثنا عشر رجلا کلهم من قریش".

مسند امام احمد و بزار و صحیح مستدرک میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن ہے: "أنه سئل کم یملك هذه الأئمة من خلیفة فقال سألنا عنها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال اثنا عشر کعدة نقباء بنی إسرائیل".

(۳)-ان کے زمانے میں اسلام قوی ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے: "لایزال الإسلام عزیزاً إلی اثنی عشر خلیفة کلهم من قریش".

(۴)-ان کا زمانہ زمانۂ صلاح ہوگا۔ بزار وطبرانی، ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: "لایزال أمر أمتي صالحا".

(۵)-ان پر اجتماع امت ہوگا یعنی اہل حل وعقد انھیں والیِ ملک وخلیفۂ صدق مانیں گے۔

سنن ابی داؤد میں ہے: "لایزال هذا الدین قائما، حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة، کلهم تجتمع علیه الأمة".

(۶-۷)-وہ سب ہدایت ودینِ حق پر عمل کریں گے، اُن میں سے دو اہل بیتِ رسالت سے ہوں گے—
استاذِ امام بخاری ومسلم مُسَدّد کی مسند کبیر میں ابوالجلد سے ہے:

"إنه لاتهلك هذه الأمة حتی یکون منها اثنا عشر خلیفة، کلهم یعمل بالهدی و دین الحق، منهم رجلان من أهل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم".

گننے لگانے والوں میں جس نے سب طرق حدیث نہ دیکھے، ایک آدھ طریق دیکھ کر کوئی احتمال نکال دیا۔ جیسے ابوالحسین بن مناوی نے یہ معنی لیے کہ ایک وقت میں بارہ خلیفہ ہوں گے—یعنی اس قدر اختلاف۔ یہ فقط اُس لفظ مجمل بخاری پر بن سکتا تھا—اور الفاظ دیکھیے تو کہاں اِس درجہ افتراق، اور کہاں اجتماع—اور ایسی حالت میں اسلام کے قوی وغالب وقائم، اور امرِامت کے صالح ہونے کے کیا معنی؟

اسی قبیل سے علی قاری کا یہ زعم باتباع ابن حجر شافعی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آخر وُلاتِ بنی اُمیہ تک بارہ ہوئے، اور اُن میں یزید پلید-علیہ ما علیہ-کو بھی گنا دیا—حالاں کہ اُس خبیث کے زمانے کو قوتِ دین وصلاح سے کیا تعلق ؟—یہ احادیث دیکھ کر اس قول کی گنجائش نہ ہوتی—مگر صرف ۱۲؍سلطنتیں نگاہ میں تھیں۔

اور حق یہ کہ اُس خبیث پر اجماعِ اہل حل ّو عقد کب ہوا؟ ریحانۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُس کے دست ناپاک پر بیعت نہ کرنے ہی کے باعث شہید ہوئے۔

اہل مدینہ نے اُس پر خروج کیا۔ عبداللہ بن حنظلہ غَسیل الملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”واللہ ماخرجنا علی یزید حتی خفنا أن نُرمیٰ بالحجارۃ من السماء، أن رجلا ینکح أمہات الأولاد، والبنات والأخوات، ویشرب الخمر، ویدع الصلاۃ“. خدا کی قسم ہم نے یزید پر خروج نہ کیا جب تک یہ خوف نہ ہوا کہ آسمان سے پتھر آئیں۔ ایسا شخص کہ بہن بیٹی کی آبروریزی کرے، اور شراب پیے، اور تارک الصلاۃ ہو۔

غرض جمیع طرقِ حدیث سے یہ قول باطل ہے۔ حدیث میں کہیں نہیں کہ وہ سب بلافصل، یکے بعد دیگرے ہوں گے۔

ان میں سے آٹھ گزر گئے: (۱) صدیق اکبر (۲) فاروق اعظم (۳) عثمان غنی (۴) علی مرتضیٰ (۵) حسن مجتبیٰ (۶) امیر معاویہ (۷) عبداللہ بن زبیر (۸) عمر بن عبدالعزیز—اور ایک یقیناً آنے والے ہیں، حضرت امام مہدی-رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین—باقی تین کی تعیین اللہ و رسول کے علم میں ہے۔

عجب عجب ہزار عجب کہ ان میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صحابی ابن صحابی ہیں، امام عادل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھتیجے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے ہیں، احد العشرۃ المبشرۃ کے صاحب زادے ہیں شمار نہ کیے جائیں اور وہ خبیث ناپاک معدود ہو جسے امیر المومنین کہنے پر، امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو بیس (۲۰) تازیانے لگائے۔ نسأل العفو والعافیۃ.

عبداللہ بن زبیر بھی درکنار خود امامِ مجتبیٰ کو نہ گنا کہ اُن کی خلافت کا زمانہ قلیل تھا اور ولید کو گنا، جس نے قرآن عظیم کو دیوار میں لٹکا کر تیروں سے چھیدا۔ ایسے بے سروپا بے معنی اقوال کی سند نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک متاخر عالم کی خطاے راے ہے— عِصمت، انبیا و ملائکہ علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ نسأل العفو والعافیۃ.[1]

(1)-فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۵۷ تا ۵۹، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

ردّ ملاحدہ وآریہ ونصاریٰ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ نے جہاں مسائل پر بے شمار دلائل پیش فرمائے وہیں مخالفین کی طرف سے کسی فقہی مسئلہ یا عبارت پر کیے گئے اعتراض واشکال کے جواب بھی سپرد قلم فرمائے۔ ذیل میں اس کے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

﴿۱﴾

مخالفین کی جانب سے چھاپے گئے کسی رسالے میں عقائد اہل اسلام پر ایک اعتراض کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

’’ہم جو ایمانی حالت نہایت کمزور رکھتے ہیں ہمارے لیے قرآن پاک میں جو حکم ہے وہ ان آیات سے واضح ہوتا ہے: «يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ»[البقرۃ: ۳] بغیر دیکھے ایمان لے آؤ۔« يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ »[المائدۃ: ۹٤] کون ہے جو بے دیکھے ڈرتا ہے۔« الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۝۴۹ »[الأنبیآء: ٤٩] یہ نصیحت نامہ ان لوگوں کے واسطے ہے جو بے دیکھے خدا کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور قیامت سے ڈرتے ہیں۔« اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ »[یٰس: ۱۱] تم اُنہیں کو ڈراؤ جو سمجھانے پر چلے اور بغیر دیکھے رحمن سے ڈرے،« مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِۙ۝۳۳ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ » [قٓ: ۳۳،۳٤] جو شخص بے دیکھے خدا سے ڈرتا رہا اور دل گرویدہ لے کر حاضر ہوا ہم ایسے لوگوں سے فرمائیں گے سلامتی کے ساتھ اس بہشت میں داخل ہوجاؤ۔« مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ » [الحدید: ۲۵] جو لوگ بغیر دیکھے خدا اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔« اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ۝۱۲ » [الملك: ۱۲] جو لوگ خدا سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے واسطے بڑا اجر ہے۔

اس طرح کی کثیر آیات ہیں، آج کل فلسفہ، سائنس اور کیمسٹری نے وہ کچھ زور باندھا ہے کہ معمولی سے معمولی سمجھ والا بھی بغیر دیکھے ایمان لانے کو تیار نہیں۔ موجودہ دور میں بغیر دیکھے کسی چیز

کو تسلیم کرنا بہت مشکل بات ہے۔ بلکہ آج سے صدیوں پہلے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ قرآن شریف میں موجود ہے۔

«وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ» [البقرۃ: ۲٦٠]

خلاصۂ کلام یہ کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں کوئی کسی چیز کی تصدیق اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ اس کا صحیح طرح مشاہدہ نہ کرلے۔ اس استدلال فاسد کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

(۱)- علم کے اسباب تین ہیں: عقل، حواس، خبر صادق۔ حواس پانچ ہیں جن میں دیکھنا صرف ایک سے متعلق ہے تو علم کے سات ذریعے ہوئے، جو اندھا کہے کہ بے دیکھے نہ مانیں گے وہ سات میں سے چھ ذریعۂ علم کو باطل کرچکا اور اگر ظاہر کا بھی اندھا ہے تو وہ ساتواں بھی گیا۔

(۲)- یہ تو گدھے سے بھی بدتر ہوا، وہ بھی جانتا ہے کہ دیکھنے کے سوا اور بھی ذرائع علم ہیں دور سے شیر کی آواز سنے گا یا بو سونگھے گا تو جان توڑ کر سرپٹ بھاگے گا مگر یہ گدھے سے بھی احمق تر وہیں کھڑا رہے گا کہ شیر کو دیکھا تو ہے ہی نہیں بے دیکھے ماننا کیا معنی؟

(۳)- سائنس والے ہوا کے معتقد ہیں یا نہیں؟ ہیں، تو بے دیکھے کیوں کر؟

(۴) سائنس والے صدہا باتوں میں خود مختلف ہیں، دیکھی ہوئی بات میں اختلاف کیا؟ کیا سب اندھے ہیں یا ان میں سے ایک انکھیارا؟ ضرور بے دیکھی باتوں میں اٹکلیں دوڑاتے اور ہر ایک اپنی مانتا ہے۔

(۵)- یہ معترض اور ہر (شخص) اپنی ماں کو یقیناً اپنی ماں جانتا ہے ان میں سے کس نے اپنے آپ کو اس کے پیٹ سے پیدا ہوتے دیکھا ہے؟

(٦)- ماں تو ماں اُن میں سے جو کوئی باپ رکھتا ہے اُسے کبھی شبہہ نہیں ہوتا کہ اس نے اپنے آپ کو اس کی پیٹھ سے اُترتے اور ماں کے پیٹ میں داخل ہوتے نہ دیکھا پھر کیوں کر اس کے باپ ہونے پر اعتقاد رکھتا ہے؟

(۷)- ایسے پاگل پن کا اعتراض کرنے والوں کو نہ صرف قانونِ الٰہی بلکہ قانون گورنمنٹ پر بھی کھُلا انکار ہوگا کہ ہم نے واضعانِ قانون کو یہ قانون بناتے نہ دیکھا، ہم کیوں کر مان لیں؟

(۸)- ان میں لاکھوں ہوں گے جنھوں نے لندن آنکھوں سے نہ دیکھا پھر کیسا اندھا پن ہے کہ بے دیکھے اس کا یقین رکھتے ہیں۔

(۹)- قانون بالائے طاق وہ قیصر ہند کی سلطنت سے بھی انکار کریں گے کہ ہم نے نہ قیصرِ ہند کو دیکھا نہ ہمارے سامنے تاج پوشی ہوئی ہم کیوں تسلیم کریں؟

اتنے دلائل پیش فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:

رب عزّوجلّ نے غیب پر بے دلیل ایمان لانے پر مجبور نہیں فرمایا بلکہ براہین قاطعہ و دلائل ساطعہ قائم فرمائے انبیا بھیجے انہیں معجزات دیے، آفاق و انفس میں اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں ان کے ماننے کی طرف بلایا ہے۔ کافر سے اس کی کیا شکایت کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے سے پہلے ایمان سے خالی بتایا مگر یہ کہے کہ اس واقعہ سے اس کا استدلال تحقیقاً ہے یا الزاماً، اگر تحقیقاً ہے تو خود اپنے سارے جھوٹ کو جہنم میں ڈال دیا، جہنم سے مراد دوزخ نہیں، اس پر تو ایمان ہی نہیں رکھتا، اس دن ایمان لائے گا۔ «يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝» [الطور: ۱۳، ۱۴، ۱۵] جس دن دھکے دے کر جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے، یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے، کیا یہ جادو ہے یا تمھیں سوجھتا نہیں، بلکہ میری مراد یہ ہے کہ اس نے اپنی تمام جھوٹی خباثتوں کو بھڑکتی آگ میں ڈال کر بھسم کر دیا، بے دیکھے کیوں کر اعتقاد لایا کہ ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ واقعہ ہوا؟

اور اگر الزاماً ہے تو خود اس گفتگو میں تصریح ہے کہ بے شک مجھے ایمان ہے اس کی کیفیت کی قلب کو تلاش ہے کہ اس کے وقوع کا کیا طریقہ ہوگا دیکھنے سے اس کا اطمینان چاہتا ہوں —اندھا سوال ہی کو دیکھے یہ عرض نہ کی کہ « رب أتحي الموتى» اے میرے رب! کیا تو مُردے جِلائے گا کہ معاذ اللہ جلانے میں شک سمجھا جائے بلکہ یہ عرض کی کہ« رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى » [البقرة: ۲٦۰] اے میرے رب! جس طرح تو مردے جِلائے گا وہ صورت مجھے آنکھوں سے دکھا دے۔ «وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝» [الأنعام: ۳۳] و لا حول و لا قوة الا باللہ العلي العظيم، و اللہ تعالیٰ أعلم. (1)

﴿۲﴾

عصمت رسول ﷺ کے تعلق سے سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں ایک استفتا آیا جس میں راما سنگھم کی طرف سے کیے گئے اعتراض کا جواب طلب کیا گیا۔ اعتراض کا خلاصہ یہ ہے:

اس نے قرآن کی تین آیات کا حوالہ پیش کیا اور رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ گنہ گار ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی۔

چناں چہ وہ لکھتا ہے:

(1)- فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۸۸ تا ۹۱، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

"ان آیات میں سے پہلی دو میں رسول اللہ کو یوں خطاب کیا گیا ہے "تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ" اور تیسری آیت کا مطلب یہ ہے "فی الواقع ہم نے تیرے واسطے بلا شبہہ کامیابی حاصل کی ہے کہ خدا تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف کرتا ہے۔"

یہ آیات پیش کرنے کے بعد راما سنگھم نے اپنے قول کی تائید میں سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس اور زمخشری کی تفسیر پیش کی۔ چناں چہ لکھتا ہے:

" ابن عباس بڑے بھاری مفسرین میں سے ہیں اور اپنی تفسیر میں اس طرح سے کہتے ہیں: "واستغفر لذنبك لتقصير و شكر ما أنعم الله عليك وعلى أصحابك". اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تیرے گناہ جو کہ وحی آنے سے پہلے ہوئے ہیں اور اس کے بعد میں یعنی مرتے وقت تک معاف کر دے۔ زمخشری ایک بڑے بھاری مفسر اپنی تفسیر الکشاف میں یوں لکھتے ہیں: "لكي يغفر الله لك ما تقدم من ذنبك قبل الوحي وماتأخر ومايكون بعد الوحي إلى الموت" اس کے معنی یہ ہیں کہ تو معافی مانگ اپنے گناہوں کی وہ یہ کہ تو نے خدا کی اس مہربانی کے شکر گزار ہونے میں غفلت کی جو کہ خدا نے تیرے اور تیرے پیرووں پر کی۔"

اس سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے شمار دلائل سے اہل سنت کے عقیدہ کو اجاگر کیا اور آیت کریمہ «وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ»[الغافر: ۵۵] کی ایسی نفیس تفسیر فرمائی جس کے پڑھنے کے بعد ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ آپ یوں رقم طراز ہیں۔

اس سوال میں آریہ نے افترا و جہالت و نافہمی و بے ایمانی سب سے کام لیا۔

(۱)- عبارت کہ کشاف کی طرف نسبت کی محض بہتان ہے کشاف میں اس کا پتا نہیں۔

(۲)- بالفرض اگر کشاف میں ہوتی تو وہ ایک معتزلی بدمذہب بے ادب کی تصنیف ہے اس کا کیا اعتبار۔

(۳)- یہ تفسیر کہ منسوب بسیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے نہ اُن کی کتاب ہے نہ اُن سے ثابت یہ بسند محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح مروی ہے اور ائمۂ دین اس سند کو فرماتے ہیں کہ یہ سلسلۂ کذب ہے تفسیر اتقان شریف میں ہے: وأوهى طرقه طريق الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس فان انضم إلىٰ ذلك رواية محمد بن مروان السُّدّي الصغير فهي سلسلة الكذب.

اس کے طُرق میں سے کمزور ترین طریق کلبی کا ابو صالح سے اور اس کا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرنا اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی کی روایت مل جائے تو کذب کا سلسلہ ہے۔[ت]

(۴)- اس کے ترجمے میں بھی آریہ نے تحریف کی ہے، عبارت یہ ہے: لتقصیر الشکر علی ما أنعم الله علیك وعلیٰ أصحابك. یعنی اللہ نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو نعمتیں فرمائیں ان کے شکر میں جس قدر کمی واقع ہوئی اس کے لیے استغفار فرمائیے۔

کہاں کمی اور کہاں غفلت، نعمائے الٰہیہ ہر فرد پر بے شمار حقیقۃً غیر متناہی بالفعل ہیں کما حققه المفتي ابو السعود في ارشاد العقل السلیم (جیسا کہ مفتی ابو السعود نے ارشاد العقل السلیم میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) قال الله عز وجل: «وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا» [ابراهیم: ۳٤] اگر اللہ کی نعمتیں گننا چاہو تو نہ گن سکوگے، جب اس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کر سکتا ہے؟

(۵)- بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں۔

ماتقدّم سے کیا مراد لیا، وحی اترنے سے پیش تر کے، اور گناہ کسے کہتے ہیں، مخالفتِ فرمان کو، اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا، وحی سے۔ تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا؟ جب فرمان نہ تھا مخالفتِ فرمان کے کیا معنی؟ اور جب مخالفتِ فرمان نہیں تو گناہ کیا؟

(۶)- جس طرح ماتقدم میں ثابت ہولیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں۔ یوں ہی ماتاخر میں نقد وقت ہے قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائز ہوئے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انھیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالاں کہ ان کا حقیقتاً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔ یوں ہی بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اُتری اسی طریقے سے ان کو ماتاخر فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔

(۷)- نہ ہر تفسیر معتبر نہ ہر مفسر مصیب، مشرک کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا۔ ایسا ہی ہے تو وہ لغویات وہزلیات وفحشیات کہ ایک مہذب آدمی کو انھیں بکتے بلکہ دوسرے آدمی سے نقل کرتے عار آئے جو آریہ کے ویدوں میں اہلی گہلی پھر رہی ہیں اور خود بندگانِ وید نے اس کے ترجموں میں وہی حد بھر کے گندے گھناؤنے فحش لکھے ان سے آریہ کی جان کیوں کر چھوٹے گی مثلاً یجر وید میں ایشور کی بیماری کا حال لکھا کہ بستر بیماری پر پڑے پکار رہے ہیں کہ او سیکڑوں طرح کی عقل وعلم رکھنے والو! تمھاری سیکڑوں ہزاروں طرح کی بوٹیاں ہیں ان میں سے میرے شریر کو نروگ کرو، اے اماں جان! تو بھی ایسا ہی کر"

نیز یہ بھی فرمارہے ہیں کہ "اے بوٹیوں کے مانند فائدہ دینے والی دیوی ماتا! میں فرزند تجھ کو بہت نصیحت کرتا ہوں۔ ماتا جی کہتی ہیں: اے لائق بیٹے! میں والدہ تیرے گھوڑے گائیں، زمین، کپڑے، جان کی حفاظت و پرورش کرتی ہوں تو مجھے نصیحت مت کر"

اسی یجروید کے ادھیائے ۳۱، منتر اول میں ایشور کے متعلق ہے: "اُس کے ہزار سر ہیں ہزار آنکھیں ہیں ہزار پاؤں ہیں زمین پر وہ سب جگہ ہے الٹا سیدھا — تب بھی دس انگلی کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے۔"

نیز ویدوں میں اس کا نام "سرو بیاپک" ہے یعنی وہ ہر جگہ سمایا ہوا، ہر چیز میں رما ہوا، ہر خلا میں گھسا ہوا ہے، ہر جانور کی مقعد ہر مادہ کی فرج ہر پاخانہ کی ڈھیری میں ایشور ہی ایشور ہے۔

دیانند نے محض زبردستی اُن کی کایا پلٹ کی اور انھیں فحش سے نکالا مگر اور مترجموں کا ترجمہ کہاں مٹ جائے گا مفسر تو اپنی طرف سے مطلب کہتا ہے اور مترجم خود اصل کلام کو دوسری زبان میں بیان کرتا ہے ترجمے کی غلطی اگر ہوتی ہے تو دو ایک لفظ کے معنی میں نہ کہ سارے کا سارا کلام محض فحش سے حکمت کی طرف پلٹ دیا جائے اور اگر سنسکرت ایسی ہی پیچیدہ زبان ہے جس کی سطروں کی سطریں چاہے فحش سے ترجمہ کر دو خواہ حکمت سے تو وہ کلام کیا ہوا، بھان متی کا گورکھ دھندا ہوا اور اس کے کس حرف پر اعتماد ہو سکتا ہے، نہیں معلوم کہ مالا جپی ہے یا گالی بکی ہے۔

(۸)- استدلال بڑی ذمہ داری کا کام ہے آریہ بیچارہ کیا کھا کر اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

اتنا لکھنے کے بعد سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ "و استغفر لذنبك" سے کیے گئے استدلال کا دنداں شکن جواب دیتے ہیں۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

شرط تمامیِ استدلال قطع ہر احتمال ہے علم کا قاعدہ مسلمہ ہے۔ "إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال". جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ (ت)

سورہ مومن و سورہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آیات کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے، کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے؟ مومن میں تو اتنا ہے: "و استغفر لذنبك" اے شخص اپنی خطا کی معافی چاہ کسی کا خاص نام نہیں کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں۔ (الی آخر ما اَفاد)

(۹)- بلکہ آیت سورۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں، اس کی ابتدا یوں ہے: «فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ» [محمد:۱۹] جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی معافی چاہ۔

تو یہ خطاب اُس سے ہے جو ابھی لا الٰہ الا اللہ نہیں جانتا ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ اے سُننے والے جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ۔ (ملخّصاً)

(۱۰)- دونوں آیتِ کریمہ میں صیغہ امر ہے اور امر انشا ہے اور انشا وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بفرضِ وقوع استغفار واجب نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا، جیسے کسی سے کہنا اکرم ضیفك اپنے مہمان کی عزت کرنا، اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا ہی بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔

(۱۱)- ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں، قال اللہ تعالیٰ : «وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ»[طه: ۱۲۱] آدم نے اپنے رب کی معصیت کی۔

حالاں کہ خود فرماتا ہے: « فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۠ »[طه: ۱۱۵] آدم بھول گیا ہم نے اس کا قصد نہ پایا، لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اس پر مؤاخذہ، خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی: «رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا»[البقرة: ۲۸٦] اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چُوکیں۔

(۱۲)- جتنا قُرب زائد اُسی قدر احکام کی شدت زیادہ ــــــ ع

جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سُن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہر گز شہریوں سے پسند نہ کرے گا، شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وُزَرا، ہر ایک پربار دوسرے سے زائد ہے اس لیے وارد ہوا۔ حسنات الابرار سیّئات المقربین ۔ نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں۔ وہاں ترکِ اولیٰ کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالاں کہ ترک اولی ہر گز گناہ نہیں۔

(۱۳)- آریہ بے چارے جن کے باپ دادا نے بھی کبھی عربی کا نام نہ سُنا، اگر نہ جانتے تو ہر ادنی طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے ادنی ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی، اردو، ہندی سب زبانوں میں رائج ہے۔ مکان کو جس طرح اس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یوں ہی کرایہ دار کی طرف، یوں ہی جو عاریت لے کر بس رہا ہے اس کے پاس جو ملنے آئے گا یہی کہے گا کہ ہم فلانے کے گھر گئے تھے بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں ایک دوسرے سے پوچھے گا تمھارا کھیت گے جریب ہوا، یہاں نہ ملک نہ اجارہ نہ عاریت، اور اضافت موجود یوں ہی بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی، باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے یہ عطا ہوا تھا، تو ذنبك سے مراد اہلِ بیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اس کے بعد وللمؤمنین وللمؤمنٰت تعمیم بعد تخصیص ہے

یعنی شفاعت فرمائیے اپنے اہلِ بیت اور سب مردوں عورتوں کے لیے۔ اب آریہ کے اس جنون کا بھی علاج ہو گیا کہ پیروؤں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے۔

تعمیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے: «رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ» [نوح: ۲۸] اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔

(۱۴)- اسی وجہ پر کریمۂ سورہ فتح میں لام" لك" تعلیل کا ہے اور" ماتقدم من ذنبك" تمھارے اگلوں کے گناہ اعنی سیّدنا عبداللہ وسیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام و امہات طیبات باستثنائے انبیائے کرام مثل آدم و شیث و نوح و خلیل و اسمٰعیل علیہم الصلاۃ والسلام، اور ما تاخر تمھارے پچھلے یعنی قیامت تک تمھارے اہلِ بیت و امتِ مرحومہ تو حاصل کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمھارے لیے فتح مبین فرمائی تاکہ اللہ تمھارے سبب سے بخش دے تمھارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ۔

(۱۵)- ماتقدم و ماتاخر سے قبل و بعد نزول وحی کا ارادہ جس طرح عبارتِ تفسیر میں مصرح تھا آیت میں قطعاً محتمل، اور ہم ثابت کر چکے کہ اب حقیقت ذنب خود مندفع۔ وللہ الحمد و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ شفیع المذنبین و بارك وسلم الیٰ یوم الدین وعلیٰ اٰله و صحبه اجمعین، واللہ تعالیٰ أعلم.[1]

یہ سوال و جواب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصال سے تقریباً ایک سال پہلے کا ہے۔ مناظر اسلام مولانا سید غلام قطب الدین (برہمچاری، پردیسی جی) علیہ الرحمۃ نے ۳؍ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ کو شہر بریلی محلہ بانس منڈی سے سوال بھیجا تھا۔ موصوف تاحیات مخالفین اسلام خصوصاً آریوں سے مناظرے کرتے رہے۔ اسلام کی دعوت اور مخالفین کے رد و ابطال میں ان کے وعظ بڑے پُر اثر اور مدلّل و مفصل ہوتے۔ کثیر تعداد میں لوگ ان کے دست پاک پر مشرف باسلام ہوئے۔ (وصال: ۱۸؍ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۰ھ—مدفن: آبائی وطن، سہسوان ضلع بدایوں)

سوال کا جواب ملنے کے بعد ۴؍ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ کو اعلیٰ حضرت کے یہاں لکھ کر بھیجا کہ " راما سنگھم اب آریہ سے نصرانی ہو گیا ہے اس لیے روے جواب جانب نصاری ہونا چاہیے۔"

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے لکھا کہ بحمد اللہ تعالیٰ وہ جواب کافی و وافی ہے ... ہاں نمبر ے بالکل تبدیل ہو گا، اُسے یوں لکھیے:

---

(1)- فتاوی رضویه، ۱۱/ ۱۱۲، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

(ے)-نہ ہر تفسیر معتبر نہ ہر مفسر مصیب، نصرانی کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا، عربی زبان تو لسان مبین ہے، نہ ہر محل قابل تاویل، نہ ہر تاویل لائقِ تعویل کہ ہر شخص جہاں چاہے اپنی خواہش کے مطابق مطلب بنالے، اور محل محتمل میں تاویل صحیح کا باب بے شک واسع اور ہر زبان اور ہر قوم میں شائع وذائع اِس کا انکار نہ کرے گا مگر مکابر مفتون، اور اُس کا اقرار نہ کرے گا مگر دیوانہ مجنون، ہاں بائبل کی زبان ایسی پیچیدہ ہے کہ اور تو اور خود مصنف محرف کی سمجھ میں نہیں آتی۔

تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۱ درس ۲۰ اور باب ۲۲ درس ۱ و ۲ میں لکھا: " **وہ بتّیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا ۸ برس بادشاہت کی اور جاتا رہا داؤد کے شہر میں گاڑا گیا یروشلم کے باشندوں نے اس کے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا اخزیاہ ۴۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا۔** " یعنی باپ ۴۰ برس کی عمر میں مرا اس وقت بیٹا ۴۲ برس کا تھا۔ باپ سے دو برس پہلے پیدا ہو لیا تھا۔

متی کی انجیل میں مسیح و داؤد علیہما الصلاۃ والسلام کے بیچ میں ۲۶ پشتیں ہیں اور اس میں عدد بھی گنا دیا ہے کہ مسیح تا داؤد ۲۸ شخص ہیں۔ لیکن لوقا کی انجیل میں مسیح سے داؤد تک ۴۳ آدمی ہیں، ۱۵ پشتیں زائد اور اسما بھی بالکل نامطابق۔

ایضًا انجیل متی باب ۵ درس ۱۷: " **یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے آیا۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں۔ درس ۱۸ کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا۔** "

یہاں تو نسخ کا اس شدت سے انکار ہے اور جابجا انجیل ہی میں نسخ احکام توریت کا اظہار ہے۔ اسی انجیل کے اسی باب درس ۳۱، ۳۲ میں ہے: " **یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی (چاہے) اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاق نامہ لکھ دے پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے۔** " ایضًا درس ۳۳ و ۳۴: " **تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کر، پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھانا۔** "

ایضًا درس ۳۸ و ۳۹: " **تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تمھیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔** "

ایضًا باب ۱۹ درس ۸ و ۹: " **موسی نے جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے۔** "

یہی مضمون **انجیل مرقس** باب: ۱۰ درس ۲ تا ۱۲ میں ہے۔ ان کے سوا بہت نظائر تناقض و نافہمی کے ہیں تو ثابت ہوا کہ عبری زبان ہی ایسی پیچیدہ ہے کہ اس میں کتاب تصنیف کرنے والا خود اپنی نہیں سمجھتا، اور (۱۵) کے بعد یہ نمبر اور اضافہ کیجیے۔

(۱۶)- ہر صغیرہ سے صغیرہ کو گناہ کہہ سکتے ہیں اگرچہ قبل ظہور رسالت ہو اور توسعًا خلاف اولیٰ کو بھی جو ہرگز منافی نبوت نہیں لیکن نیک ہونا تو نبی کے لیے لازم ہے نہ وہ کہ جو خدا کا بیٹا ٹھہرے مگر یہ انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح ہرگز نیک نہیں، دیکھو متی باب ۱۹ درس ۱۶ و ۱۷: **"ایک نے اس سے کہا اے نیک استاد، اس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے، نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔"** یہی مضمون **انجیل مرقس** باب ۱۰ درس ۱۷ و ۱۸ **وانجیل لوقا** باب ۱۸ درس ۱۸ اور ۱۹ میں ہے۔ وہاں اگر بعض مفسرین نے معاذ اللہ گنہ گار ہونا مانا تھا تو یہاں تو خود انجیلیں مسیح کو معاذ اللہ صاف طور سے بد بتا رہی ہیں۔

(۱۷)- گناہ نہیں مگر شریعت کی مخالفت لیکن بائیبل تو شریعت کو راسًا باطل کر رہی ہے گلیتوں کو پولس کا خط باب ۳ درس ۱۰- **"وے سب جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سو لعنت کے تحت ہیں"** درس ۱۱: **"کوئی خدا کے نزدیک شریعت سے راست باز نہیں ٹھہرتا"**۔ درس ۱۲: **"شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں"** اور مسیح علیہ الصلاۃ والسلام پکے راست باز و کامل الایمان ہیں تو ضرور شریعت سے جدا ہیں تو گناہ گار ہیں کتاب یرمیاہ باب ۹ درس ۱۲ و ۱۳ میں ہے: **"سرزمین کس لیے ویران ہوئی اور بیابان کے مانند جل گئی خداوند کہتا ہے اسی لیے کہ انھوں نے میری شریعت کو ترک کر دیا اور اس کے موافق نہ چلے۔"**

(۱۸)- بلکہ ترک اولیٰ یا کسی صغیرہ کا صدور یا بد ہونا بھی درکنار بائیبل تو مسیح علیہ الصلاۃ والسلام کو معاذ اللہ صاف ملعون بتاتی ہے، خط مذکور باب ۳ درس ۱۳: **"مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنتی ہوا کیوں کہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا ہو سو لعنتی ہے"**۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، ایسے پوچ ولچر مذہب کے پابند کیوں دین حق اسلام کے خدام سے الجھتے ہیں اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اپنی پگڑی کہ کبھی نہ سنبھلے گی سنبھالیں۔ واللہ یھدي من یشاء الیٰ صراط مستقیم واللہ تعالیٰ اعلم.

☆-☆-☆

مخالفین کا تعاقب

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے جہاں بے شمار دلائل و براہین سے مسائل شرعیہ کا حل پیش فرمایا وہیں غلط اور فاسد استدلال کرنے والوں کا پر زور تعاقب بھی فرمایا اس کے ہزاروں شواہد آپ کے فتاوی ورسائل کی صورت میں موجود ہیں مگر میرا عنوان چوں کہ فتاوی رضویہ جلد یازدہم میں منحصر ہے اس لیے ذیل میں اسی جلد سے چند شواہد پیش کیے جاتے ہیں:

﴿۱﴾

آیات متشابہات کے باب میں ایک بے دین نے غلط اور بے بنیاد باتیں بیان کرکے عوام کو گمراہ کرنے کی ناپاک کوشش کی اس طرح کہ اللہ عزوجل کے لیے جسم، جہت اور مکان ثابت مانا اور آیات متشابہات کا ایسا ترجمہ اور مفہوم بیان کیا جو کسی بھی طرح اللہ تبارک وتعالی کی شان کے لائق نہیں۔ چناں چہ آیت کریمہ: «اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝» [طه: ۵] کے بارے میں لکھا کہ ”اللہ تعالی عرش پر چڑھا، بیٹھا یا ٹھہرا۔ ان تین معنی کے سوا اس آیت میں جو کوئی اور معنی کہے گا وہ بدعتی“ مزید برآں اپنی تائید میں تفسیر فتح الرحمٰن، موضح القرآن،، ترجمۂ لفظی شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی، کتاب الاسماء والصفات بیہقی، کتاب العلوم امام ذہبی، تفسیر ابن کثیر، معالم التنزیل، جامع البیان و مدارک وغیرہا کو پیش کیا اور احادیث صحیحہ صریحہ سے عرش کے مکان الٰہی ہونے کے ثبوت کا دعوی کیا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے رد میں مکمل ایک رسالہ بنام ”قوارع القهار على المجسّمة الفجار“ تصنیف فرمایا، جس میں آپ نے پہلے آیات متشابہات کے باب میں اہل سنت کا اعتقاد واضح فرمایا اور انھیں کتابوں سے ثابت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جسم و جسمانیت وغیرہ سے منزہ ہے جن کو اس بے دین نے اپنے لیے سند بنایا تھا، پھر ۲۵۰ر ضربوں پر مشتمل سات تپانچے ایسے رسید کیے جن کا جواب کسی سے نہیں بن پایا۔

چناں چہ آیات متشابہات کے بارے میں آپ نے جو کلام فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

اللہ تعالی نے قرآن کریم کو نازل فرمایا بندوں کی ہدایت اور آزمائش کے لیے۔ اسی سے کثیر لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہتوں کو گمراہ فرماتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم پر ہیں:

(۱)-محکمات جن کے معنی بالکل واضح اور روشن ہیں۔(۲)-متشابہات جن کے معنی میں اشکال اور خفا پایا جاتا ہے۔ پھر دوسری قسم کی آیات بھی دو قسم پر ہیں۔ **اول** وہ جن کے لفظ سے کوئی معنی ہی سمجھ نہ آئے۔ **دوم** وہ جن کا لفظی معنی تو سمجھ میں آئے مگر اس سے مراد کیا ہے یہ مخفی وپوشیدہ ہے جیسے: (« اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ » [طہ: ۵]) اب جن لوگوں کے دلوں میں کجی تھی وہ ان آیات کا سہارا لے کر لوگوں کو بہکانے لگے کہ قرآن میں آیا ہے کہ اللہ عرش پر بیٹھا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے: « وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ »-الآیۃ- [آل عمران: ۷] .

لیکن جو لوگ پختہ علم والے اور اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے وہ سمجھے کہ جب آیات محکمات سے قطعًا یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان جہت اور جسم وجسمانیت سے پاک ومنزہ ہے اور چڑھنا بیٹھنا وغیرہ سب اس کے حق میں محال اور عیوب ہیں اور وہ ذات ہر عیب ونقص سے پاک ہے لہذا قطعًا ان الفاظ کے ظاہری معنی جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں مراد نہیں۔ اب ان آیات کے کیا معنی ہوسکتے ہیں اس میں یہ ہدایت یافتہ لوگ بھی دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ اکثر اس جانب گئے کہ ان آیات کے معنی ہم علم الٰہی پر چھوڑیں گے اور اپنی طرف سے کوئی تاویل نہیں کریں گے۔ کیوں کہ ہمارے رب نے آیات متشابہات کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا اور ان کی تعیین مراد میں خوض کرنے کو گمراہی فرمایا۔

اور بعض نے غور کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آیات کی دو قسمیں فرمائیں اور محکمات کو ام الکتاب فرمایا کہ وہ کتاب کی اصل ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو آیت کریمہ نے تاویلِ متشابہات کی راہ خود بتادی اور یہ رہنمائی فرمادی کہ ان میں وہ پاکیزہ ودرست احتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق ہوجائیں یہ مسلک علماے متاخرین کا ہے کہ نظر بحال عوام انھوں نے اسے اختیار کیا اسے مسلک تاویل کہتے ہیں۔ یہ علما بوجوہ کثیرہ تاویلِ آیت فرماتے ہیں۔

ان میں چار وجہیں نفیس وواضح ہیں:

اول: استوا بمعنی قہر وغلبہ ہے، یہ زبان عرب سے ثابت وپیدا ہے عرش سب مخلوقات سے اوپر اور اونچا ہے اس لیے اس کے ذکر پر اکتفا فرمایا اور مطلب یہ ہوا کہ اللہ تمام مخلوقات پر قاہر وغالب ہے۔

دوم: استوا بمعنی علو ہے، اور علو اللہ عَزَّوَجَلَّ کی صفت ہے نہ علو مکان بلکہ علو مالکیت وسلطان، یہ دونوں معنی امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ذکر فرمائے۔

سوم: استوا بمعنی قصد وارادہ ہے، «ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ» [السجدة: ٤] **یعنی پھر عرش کی طرف متوجہ** ہوا یعنی اس کی آفرینش کا ارادہ فرمایا یعنی اس کی تخلیق شروع کی، یہ تاویل امام اہل سنت امام ابوالحسن اشعری نے افادہ فرمائی۔ امام اسمٰعیل ضریر نے فرمایا: " إنّه الصواب " یہی ٹھیک ہے۔

چہارم: استوا بمعنی فراغ وتمامی کار ہے یعنی سلسلۂ خلق وآفرینش کو عرش پر تمام فرمایا اس سے باہر کوئی چیز نہ پائی، دنیا وآخرت میں جو کچھ بنایا اور بنائے گا دائرۂ عرش سے باہر نہیں کہ وہ تمام مخلوق کو حاوی ہے۔[1]

اتنی وضاحت کے بعد امام احمد رضا قدس سرہٗ نے انھیں کتابوں سے اپنی بات کو پختہ اور مدلل فرمایا جن کا صرف نام ذکر کے اس بے دین نے گمراہی پھیلانے کی کوشش کی تھی، چناں چہ لکھتے ہیں:

> مباحث آئندہ میں جو عبارات ان کتابوں کی منقول ہوں گی انھیں سے ان شاء اللہ العظیم یہ سب بیان واضح ہوجائیں گے یہاں صرف آیات متشابہات کے متعلق بعض عبارات نقل کروں جن سے مطلب سابق بھی ظاہر ہو اور یہ بھی کھل جائے کہ آیۂ کریمہ: «اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝» [طه: ٥] آیات متشابہات سے ہے، اور یہ بھی کہ جس طرح مخالف کا مذہب نامہذب یقیناً صریح ضلالت اور مخالف جملہ اہل سنت ہے۔ یوں ہی اجمالاً اس آیت کے معنی جاننے پر مخالف سلف صالح وجمہور ائمۂ اہل سنت وجماعت ہے۔

اب ذیل میں چند عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جن کو امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور دلیل ذکر فرمایا۔ ان کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی اور وسعت نظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

(۱)- تفسیر موضح القرآن میں ارشاد ربانی: «هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ» [آل عمران: ۷] کے تحت فائدے میں لکھا " اللہ صاحب فرماتا ہے کہ کلام میں اللہ نے بعضی باتیں رکھی ہیں جن کے معنی صاف نہیں کھلتے تو جو گمراہ ہو ان کے معنی عقل سے لگے پکڑنے اور جو مضبوط علم رکھے وہ ان کے معنی اور آیتوں سے ملا کر سمجھے جو جڑ کتاب کی ہے اس کے موافق سمجھ پائے تو سمجھے اور اگر نہ پائے تو اللہ پر چھوڑ دے کہ وہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے۔"

(۲)- معالم التنزیل میں ہے: اما اهل السنة يقولون الاستواء على العرش صفة لله تعالىٰ بلا كيف يجب على الرجل الايمان به و يكل العلم فيه الى الله عزوجل. یعنی رہے اہل سنت، وہ یہ

(1)- فتاوی رضویہ، ۱۱/۲۲۱ تا ۲۲۳.

فرماتے ہیں کہ عرش پر استوا اللہ عزوجل کی ایک صفت بے چونی و چگونگی ہے، مسلمان پر فرض ہے کہ اُس پر ایمان لائے اور اس کے معنی کا علم خدا کو سونپے۔

(۳)- اسی معالم التنزیل میں ہے: ''جمہور ائمۂ دین صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ ''والراسخون في العلم'' سے جدا بات شروع ہوئی پہلا کلام وہیں پُورا ہوگیا کہ متشابہات کے معنی اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

یہی قول حضرت سید قاریان صحابہ ابی بن کعب اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے، اور یہی امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، اور یہی مذہب امام حسن بصری و اکثر تابعین کا ہے، اور اسی کو امام کسائی و فرا و اخفش نے اختیار کیا اور اس مطلب کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قراءت سے بھی ہوتی ہے کہ آیات متشابہات کی تفسیر اللہ عزوجل کے سوا کسی کے پاس نہیں، اور پکے علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے - اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت بھی اسی معنی کی تصدیق کرتی ہے۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان کی تفسیر میں محکم علم والوں کا منتہاے علم بس اس قدر ہے کہ کہیں ہم ان پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور یہ قول عربیت کی رُو سے زیادہ دل نشیں اور ظاہر آیت سے بہت موافق ہے۔''

(۴)- مدارک التنزیل میں ہے: ''یعنی قرآن عظیم کی بعض آیتیں محکمات ہیں جن کے معنی صاف ہیں احتمال و اشتباہ کو ان میں گزر نہیں یہ آیات تو کتاب کی اصل ہیں کہ متشابہات انھیں پر حمل کی جائیں گی اور اُن کے معنی انھیں کی طرف پھیرے جائیں گے اور بعض دوسری متشابہات ہیں جن کے معنی میں اشکال و احتمال ہے جیسے آیۂ کریمہ «اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝» [طه: ۵] بیٹھنے کے معنی پر بھی آتا ہے اور قدرت و غلبہ کے معنی پر بھی اور پہلے معنی اللہ عزوجل پر محال ہیں کہ آیات محکمات اللہ تعالیٰ کو بیٹھنے سے پاک و منزہ بتارہی ہیں اُن محکمات سے ایک یہ آیت ہے: «لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ» [آل عمران: ۷] اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں، پھر وہ جن کے دل حق سے پھرے ہوئے ہیں اور وہ بدمذہب لوگ ہوئے وہ تو آیات متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں ایسی آیتوں کی آڑ لیتے ہیں جن میں ان کی بدمذہبی کے معنی کا احتمال ہو سکے جو آیات محکمات کے مطابق نہیں اور اس مطلب کا بھی احتمال ہو جو محکمات کے مطابق اور اہل سنت کا مذہب ہے۔ وہ بدمذہب اُن آیات متشابہات کی آڑ اس لیے لیتے ہیں کہ فتنہ اٹھائیں لوگوں کو سچے دین سے بہکائیں ان کے وہ معنی بتائیں جو اپنی خواہش کے موافق ہوں، اور ان کے معنی تو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ، اللہ ہی کو خبر ہے کہ ان کے حق معنی کیا ہیں جن پر ان کا اتارنا واجب ہے - انتہی -

(۵)- امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں فرماتے ہیں: "أمّاالاستواء فالمتقدمون من أصحابنا رضی الله تعالیٰ عنهم كانوا لا يفسرونه ولا يتكلمون فيه كنحومذهبهم في أمثال ذٰلك". ہمارے اصحاب متقدمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم استوا کے کچھ معنی نہ کہتے تھے نہ اس میں اصلاً زبان کھولتے جس طرح تمام صفات متشابہات میں اُن کا یہی مذہب ہے۔

(۶)-اُسی میں ہے:

"حكينا عن المتقدمين من أصحابنا ترك الكلام في امثال ذلك، هذا مع اعتقادهم نفى الحدو التشبيه والتمثيل عن الله سبحٰنه و تعالیٰ".

ہم اپنے اصحاب متقدمین کا مذہب لکھ چکے کہ ایسے نصوص میں اصلاً لب نہ کھولتے اور اس کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے کہ اللہ تعالیٰ محدود ہونے یا مخلوق سے کسی بات میں متشابہ و مانند ہونے سے پاک ہے۔

(۷)-اُسی میں یحییٰ بن یحییٰ سے روایت کی:

"كنا عند مالك بن انس فجاء رجل فقال يا أبا عبد الله الرحمن على العرش استوى فكيف استوى ؟ قال فاطرق مالك راسه حتى علاه الرحضاء ثم قال الاستواء غير مجهول والكيف غير معقول والايمان به واجب، والسؤال عنه بدعة، وما أراك الا مبتدعا فامر به ان يخرج".

ہم امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی اے ابوعبداللہ! رحمن نے عرش پر استوا فرمایا یہ استوا کس طرح ہے؟ اس کے سنتے ہی امام نے سر مبارک جھکا لیا یہاں تک کہ بدن مقدس پسینہ پسینہ ہو گیا، پھر فرمایا: استوا مجہول نہیں اور کیفیت معقول نہیں اور اس پر ایمان فرض اور اس سے استفسار بدعت اور میرے خیال میں تو ضرور بدمذہب ہے، پھر حکم دیا کہ اسے نکال دو۔

(۸)-اُسی میں عبداللہ بن صالح بن مسلم سے روایت کی:

"سئل ربيعة الرأى عن قول الله تبارك وتعالیٰ الرحمن على العرش استوٰى كيف استوى ؟ قال الكيف غير معقول والاستواء غير مجهول ويجب علىّ وعليك الايمان بذلك كله".

یعنی امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمن استاذ امام مالک سے جنھیں بوجہ قوت عقل وکثرت قیاس ربیعۃ الرای لکھا جاتا یہی سوال ہوا، فرمایا کیفیت غیر معقول ہے اور اللہ تعالیٰ کا استوا مجہول نہیں اور مجھ پر اور تجھ پر ان سب باتوں پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۹)-اُسی میں بطریق امام احمد بن ابی الحواری امام سفیان بن عیینہ سے روایت کی کہ فرماتے:

"كل ماوصف الله تعالىٰ من نفسه في كتابه فتفسيره تلاوته والسكوت عليه".

یعنی اس قسم کی جتنی صفات اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں اپنے لیے بیان فرمائی ہیں ان کی تفسیر یہی ہے کہ تلاوت کیجیے اور خاموش رہیے۔

بطریق اسحق بن موسی انصاری زائد کیا:" ليس لاحد ان يفسره بالعربية و لا بالفارسية". کسی کو جائز نہیں کہ عربی میں خواہ فارسی کسی زبان میں اس کے معنی کہے۔

(۱۰)-اُسی میں حاکم سے روایت کی انھوں نے امام ابوبکر احمد بن اسحق بن ایوب کا عقائد نامہ دکھایا جس میں مذہب اہل سنت مندرج تھا اس میں لکھا ہے:"الرحمن على العرش استوى بلاكيف "رحمن کا استوا بے چوں و بے چگوں ہے۔

(۱۱)-اسی میں ہے:

"والاثار عن السلف في مثل هذاكثيرة وعلىٰ هذه الطريقة يدل مذهب الشافعى رضى الله تعالى عنه وإليها ذهب أحمد بن حنبل والحسين بن الفضل البلخى ومن المتاخرين ابوسليمن الخطابى".

یعنی اس باب میں سلف صالح سے روایات بکثرت ہیں اور اس طریقۂ سکوت پر امام شافعی کا مذہب دلالت کرتا ہے اور یہی مسلک امام احمد بن حنبل و امام حسین بن فضل بلخی اور متاخرین سے امام ابوسلیمان خطابی کا ہے۔

(۱۲)-امام ابوالقاسم لالکائی کتاب السنہ میں سیدنا امام محمد سردار مذہب حنفی تلمیذ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ فرماتے:

"اتفق الفقهاء كلهم من المشرق إلى المغرب على الايمان بالقرآن و بالأحاديث التي جاء بها الثقات عن رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم في صفة الرب من غير تشبيه ولا تفسير فمن فسر شيئا من ذلك فقد خرج عما كان عليه النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و فارق الجماعة فانهم لم يصفوا ولم يفسروا ولكن اٰمنوا بما في الكتاب والسنة ثم سكتوا".

یعنی شرق سے غرب تک تمام ائمۂ مجتہدین کا اجماع ہے کہ آیات قرآن عظیم و احادیث صحیحہ میں جو صفاتِ الٰہیہ آئیں ان پر ایمان لائیں بلا تشبیہ و بلا تفسیر تو جو ان میں سے کسی کے معنی بیان کرے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے

سے خارج اور جماعت علما سے جدا ہوا اس لیے کہ ائمہ نے نہ ان صفات کا کچھ حال بیان فرمایا نہ اُن کے معنی کہے بلکہ قرآن و حدیث پر ایمان لا کر چپ رہے۔

(۱۳)- نیز مدارک میں زیر سورہ طٰہٰ ہے:

" المذهب قول علي رضي الله تعالىٰ عنه الاستواء غير مجهول والكيف غير معقول والإيمان به واجب والسؤال عنه بدعة لأنه تعالىٰ كان ولا مكان فهو على ما كان قبل خلق المكان لم يتغير عما كان".

یعنی مذہب وہ ہے جو مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ استوا مجہول نہیں اور اس کی چگونگی عقل میں نہیں آسکتی اُس پر ایمان واجب ہے اور اس کے معنی سے بحث بدعت ہے اس لیے کہ مکان پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ موجود تھا اور مکان نہ تھا پھر وہ اپنی اُس شان سے بدلا نہیں یعنی جیسا جب مکان سے پاک تھا اب بھی پاک ہے۔

(۱۴)- اسی میں زیر سورہ اعراف یہی قول امام جعفر صادق و امام حسن بصری و امام اعظم ابوحنیفہ و امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل فرمایا۔

(۱۵)- یہی مضمون جامع البیان سورہ یونس میں ہے۔"الاستواء معلوم والكيفية مجهولة والسؤال عنه بدعة".

(۱۶)- یہی مضمون سورہ رعد میں سلف صالح سے نقل کیا کہ:"قال السلف الاستواء معلوم و الكيفية مجهولة".

(۱۷)- سورہ طٰہٰ میں لکھا ہے: "سئل الشافعي عن الاستواء فاجاب أمنت بلاتشبيه واتهمت نفسي في الادراك فأمسكت عن الخوض فيه كل الامساك".

یعنی امام شافعی سے استوا کے معنی پوچھے گئے، فرمایا: میں استوا پر ایمان لایا اور وہ معنی نہیں ہوسکتے جن میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت مخلوق سے نکلے اور میں اپنے آپ کو اُس کے معنی سمجھنے میں متہم رکھتا ہوں مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں کہ اس کے صحیح معنی سمجھ سکوں لہذا میں نے اس میں فکر کرنے سے یک قلم قطعی دست کشی کی۔

(۱۸)- سورہ اعراف میں لکھا: " أجمع السلف علىٰ ان استواء ه على العرش صفة له بلا كيف نؤمن به ونكل العلم إلى الله تعالىٰ ". سلف صالح کا اجماع ہے کہ عرش پر استوا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بے چون و بے چگون ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا علم خدا کو سونپتے ہیں۔

(۱۹)- طرفہ یہ کہ سورہ اعراف میں تو صرف اتنا لکھا کہ اس کے معنی ہم کچھ نہیں جانتے اور سورہ فرقان میں لکھا۔" تقدم في سورة الأعراف تفصيل معناه ".یوں ہی سورۂ سجدہ میں لکھا:"تقدم في سورة الأعراف. یوں ہی سورۂ حدید میں:"تقدم تفصيله في سورة الأعراف وغيرها.

دیکھو کیسا صاف بتایا کہ اس کے معنی کی تفصیل یہی ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے، اب تو کھلا کہ وہابیہ مجسمہ کا اپنی سند میں کتاب الاسماء و معالم و مدارک و جامع البیان کے نام لے دینا کیسی سخت بے حیائی تھا۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم.[1]

اتنا لکھنے کے بعد آپ نے اس وہابی کا جواب من وعن نقل فرمایا پھر سب سے پہلے اس کے دعاوی کی تشخیص کی۔ اس کے بعد تقریباً ۲۵۰؍ جوابات عنایت فرمائے جن کو پڑھنے کے بعد امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمال اور آپ کے تبحر علمی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ سب سے پہلے اس کے جوابات کو چھ باتوں پر مشتمل قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اوّلاً: ادعا کیا کہ استوا علی العرش میں بیٹھنے، چڑھنے، ٹھہرنے کے سوا جو کوئی اور معنی کہے بدعتی ہے اور اسی کی سند میں بکمال جرأت و بے حیائی ان نو کتابوں کے نام گن دیے۔

ثانیاً: زعم کیا کہ احاطہ الٰہی صرف ازرُوے علم ہے حالاں کہ اس مسئلہ کا یہاں کچھ ذکر نہ تھا مگر اس نے اس بیان سے اپنی وہ گمراہی پالنی چاہی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور عرش کے سوا کہیں نہیں۔

ثالثاً: منہ بھر کر اس سبّوح قدوس کو گالی دی کہ اس کے لیے مکان ثابت ہے، عرش اس کا مکان ہے، اور اس کے ثبوت میں بزورِ زبان دو حدیثیں نقل کردیں۔

رابعاً: یہ تین دعوے تو منطوق عبارت تھے مفہوم استثنا سے بتایا کہ استواء علی العرش کے معنی اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا، چڑھنا، ٹھہرنا مطابق سنت ہیں۔

خامساً: اپنے معبود کو بٹھانے، چڑھانے، ٹھہرانے ہی پر قناعت نہ کی بلکہ ان لفظوں کے مفہوم سے کہ جن صفات سے کلامِ شارع ساکت ہے ان میں سکوت لازم ہے تمام متشابہات استوا کی طرح انھیں معانی پر محمول کرلیں جو اُن کے ظاہر سے مفہوم ہوتے ہیں۔

سادساً: باوصف ان کے اصل دعویٰ یہ ہے کہ خدا عرش کے سوا کہیں نہیں۔[2]

(1)- فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۲۲۹.

(2)- فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۲۳۲، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

اس کے بعد لکھتے ہیں:

ہم ان چھ باتوں کی بعونہ تعالیٰ اسی ترتیب پر چھ تپانچوں سے خبر لیں اور ساتویں تپانچے میں دو مسئلہ باقیہ کے متعلق اجمالی گوش مالی کریں۔ و باللہ التوفیق.

اب یکے بعد دیگرے ان ساتوں طمانچوں پر مشتمل دلائل و براہین کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

پہلا طمانچہ:

ضرب ۱: ضرب اول میں آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ صرف انھیں کتابوں سے اس خبیث کا رد کروں جن کو اس نے بطور استدلال پیش کیا۔ اگر میں اس کا التزام نہ کرتا تو آپ حضرات ملاحظہ کرتے کہ اس کا دعوی ہزاروں کتب علماے اہل سنت و مشائخ کرام کے خلاف ہے۔ چناں چہ آپ نے فرمایا کہ اس خبیث نے دعوی کیا کہ «اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝» [طه: ۵] کا معنی صرف یہ بنا کہ " اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا یا چڑھا یا ٹھہرا۔ اور کہا کہ ان تین معنی کے سوا اس آیت میں جو کوئی اور معنی کہے گا وہ بدعتی ہے یہ کہ کر اس خبیث نے مندرجہ ذیل مشائخ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کو بدعتی قرار دیا۔

(۱)-امام ابوالحسن علی بن بطال (۲)-امام ابن حجر عسقلانی (۳)-امام ابو طاہر قزوینی (۴)-امام عارف شعرانی (۵)-امام جلال الدین سیوطی (۶)-امام اسماعیل ضریر (۷)-امام اہل سنت سیدنا ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ــــ اس کے علاوہ- (۸)-امام نسفی (۹)-امام بیہقی (۱۰)-امام بغوی (۱۱)-امام علی ابن محمد ابوالحسن طبری (۱۲)-امام ابوبکر ابن فورک (۱۳)-امام ابو منصور بن ابی ایوب بھی اس بدعتی کی ضرب کا شکار ہوئے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بیس ضرب اوپر مذکور ہوئی اور جب یہ ذکر کیا گیا کہ مذکورہ ۱۳/ مشائخ کا مذہب بھی وہ نہیں جو اس بدعتی نے بیان کیا لہٰذا کل تینتیس ۳۳/ ضربیں ہوئیں اب مزید اس کے مستندوں سے اس کی خبر لیتے ہیں۔

ضرب ۳۴: مدارک شریف سورہ سجدہ میں استوا علی العرش کا حاصل اس کا احداث اور پیدا کرنا لیا۔

ضرب ۳۵: اس سورہ اور سورہ فرقان کے سوا کہ وہاں استوا کی تفسیر سے سکوت مطلق ہے باقی پانچوں جگہ اُس کے معنی استیلا و غلبہ و قابو بتائے۔

حدید میں ہے: " ثم استوی استولی علی العرش" اعراف میں ہے: اضاف الاستیلاء الی العرش وإن کان سبحنه وتعالیٰ مستولیا علی جمیع المخلوقات لأن العرش أعظمها

و اعلاھا. یعنی اللہ تعالیٰ کا قابو اس کی تمام مخلوقات پر ہے، خاص عرش پر قابو ہونے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عرش سب مخلوقات سے جسامت میں بڑا اور سب سے اوپر ہے۔

ضرب ۳۶: سورہ طٰہٰ میں بعد ذکر معنیٰ استیلا ایک وجہ یہ نقل فرمائی:

"لما کان الاستواء علی العرش وھو سریر الملك مما یردف الملك جعلوہ کنایة عن الملك فقال استوٰی فلان علی العرش أي ملك وان لم یقعد علی السریر البتة وھذا کقولك یدفلان مبسوطة ای جواد وان لم یکن له ید رأسا".

یعنی جب کہ تخت نشینی آثار شاہی سے ہے تو عرف میں تخت نشینی بولتے اور اس سے سلطنت مراد لیتے ہیں، کہتے ہیں فلاں شخص تخت نشین ہوا، یعنی بادشاہ ہوا اگرچہ اصلاً تخت پر نہ بیٹھا ہو، جس طرح اس کہنے سے کہ فلاں کا ہاتھ کشادہ ہے اُس کا سخی ہونا مراد ہوتا ہے اگرچہ وہ سرے سے ہاتھ ہی نہ رکھتا ہو۔

ضرب ۳۷: معالم سورہ اعراف کا بیان تو وہ تھا کہ اہل سنت کا طریقہ سکوت ہے اتنا جانتے ہیں کہ استوا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور اس کے معنی کا علم اللہ کے سپرد ہے، یہ طریقۂ سلف صالحین تھا، سورہ رعد میں استوا کو علو سے تاویل کیا۔ یہ معنی دوم ہیں کہ اوپر گزرے۔

ضرب ۳۸: امام بیہقی کے حوالے سے علمائے اہل سنت کا مذہب اوپر مذکور ہو چکا اس کے بعد فرماتے ہیں:

"امام ابوالحسن اشعری نے فرمایا کہ اللہ عزّوجلّ نے عرش کے ساتھ کوئی فعل فرمایا ہے جس کا نام استوا رکھا ہے جیسے من و تو زید و عمرو کے ساتھ افعال فرمائے اور اُن کا نام رزق و نعمت وغیرہ رکھا اس فعل استوا کی کیفیت ہم نہیں جانتے اتنا ضرور ہے کہ اس کے افعال میں مخلوق کے ساتھ ملنا، چھونا، ان سے لگا ہوا ہونا یا حرکت کرنا نہیں جیسے بیٹھنے چڑھنے وغیرہ میں ہے اور استوا کے فعل ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر عرش پر استوا کیا تو معلوم ہوا کہ استوا حادث ہے پہلے نہ تھا اور حدوث افعال میں ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات ذات حدوث سے پاک ہیں، تو ثابت ہوا کہ استوا اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت ذاتی نہیں بلکہ اس کے کاموں میں سے ایک کام ہے جس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔"

ضرب ۳۹: ابوالحسن علی بن محمد طبری وغیرہ ائمۂ متکلّمین سے نقل فرمایا:

"کہ مولیٰ تعالیٰ عرش پر علو رکھتا ہے مگر نہ اُس پر بیٹھا ہے نہ کھڑا، نہ اس سے لگا ہوا نہ اس معنی پر جُدا کہ اس سے ایک کنارے پر ہو یا دور ہو کہ لگا یا الگ ہونا اور اٹھنا بیٹھنا تو جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ احد صمد ہے، نہ جنا نہ جنا گیا، نہ اس کے جوڑ کا کوئی، تو جو باتیں اجسام پر روا ہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ پر روا نہیں ہو سکتیں۔"

ضرب ۴۰ : امام استاذ ابو بکر بن فورک سے نقل فرمایا کہ انہوں نے بعض ائمہ اہل سنت سے حکایت کی: استوا بمعنی علو ہے اور اس سے مسافت کی بلندی یا مکان میں ہونا مراد نہیں بلکہ یہ کہ وہ حدو نہایت سے پاک ہے، عرش و فرش کا کوئی طبقہ اُسے محیط نہیں ہو سکتا نہ کوئی مکان اسے گھیرے، اسی معنی پر قرآن عظیم میں اُسے آسمان کے اوپر فرمایا، یعنی اس سے بلند و بالا ہے کہ آسمان میں سما سکے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: حاصل یہ کہ اس طریقہ پر استوا صفات ذات سے ہو گا کہ اللہ سبحانہ بذاتہ اپنی تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے، نہ بلندی مکان بلکہ بلندی مالکیت و سلطان، اور اب "ثم" کا لفظ نظر بحدوث عرش ہو گا کہ وہ بلندی ذاتی ہر حادث سے اس کے حدوث کے بعد متعلق ہوتی ہے جیسے قرآن عظیم میں فرمایا کہ پھر اللہ شاہد ہے اُن کے افعال پر یعنی جب ان کے افعال پیدا ہوئے تو شہود الٰہی ان سے متعلق ہوا جس طرح علم الٰہی قدیم ہے مگر یہ علم کہ چیز حادث ہو گئی اس کے حدوث کے بعد ہی متعلق ہو گا یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ازل میں جانتا تھا کہ اشیا پیدا ہو چکیں حالاں کہ ہنوز ناپید اتھیں۔

ضرب ۴۱ : پھر امام اہل سنت قدس سرہ سے نقل فرمایا: میرا قول وہی پہلا ہے کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے عرش کے ساتھ فعلِ استوا کیا اور ایک عرش ہی کیا وہ تمام اشیا سے بالا اور سب سے جدا ہے بایں معنی کہ نہ اشیا اس میں حلول کریں نہ وہ اُن میں، نہ وہ ان سے مَس کرے نہ اُن سے کوئی مشابہت رکھے، اور یہ جدائی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اشیا سے ایک کنارے پر ہو، ہمارا رب حلول و مس و فاصلہ و عزلت سے بہت بلند ہے، جل وعلا۔

ائمۂ اہل سنت سے نقل فرمایا: وقد قال بعض اصحابنا ان الاستواء صفة الله تعالىٰ بنفي الاعوجاج عنه . یعنی بعض ائمۂ اہل سنت نے فرمایا کہ صفت استوا کے معنی ہیں کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کجی سے پاک ہے۔

أقول : اس تقدیر پر استوا صفات سلبیہ سے ہو گا جیسے غنی یعنی کسی کا محتاج نہیں، یوں ہی مستوی یعنی اس میں کجی اور اعوجاج نہیں، اور اب علیٰ ظرفِ مستقر ہو گا اور اسی علو ملک و سلطان کا مفید، اور ثم تراخی فی الذکر کے لیے، کقوله تعالىٰ : ﴿ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ [البلد: ١٧]. وقوله تعالىٰ :﴿ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝﴾ [آل عمران: ٥٩]. والله تعالىٰ اعلم.

ضرب ۴۳: پھر امام استاذ ابو منصور ابن ابی ایوب سے نقل فرمایا کہ انھوں نے مجھے لکھا کہ

''بہت متاخرین علماے اہل سنت اس طرف گئے کہ استوا بمعنی قہر و غلبہ ہے، آیت کے معنی یہ ہیں کہ رحمن عزجلالہ عرش پر غالب اور اس کا قاہر ہے، اور اس ارشاد کا فائدہ یہ خبر دینا ہے کہ مولی تعالیٰ اپنی تمام مملوکات پر قابو رکھتا ہے مملوکات کا اس پر قابو نہیں اور عرش کا خاص ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ جسامت میں سب مملوکات سے بڑا ہے، تو اس کے ذکر سے باقی سب پر تنبیہ فرمادی اور استوا بمعنی قہر و غلبہ زبانِ عرب میں شائع ہے۔ پھر نثر و نظم سے اس کی نظیریں پیش کیں۔''

سطور بالا میں پہلا طمانچہ مکمل ہوا جو ۴۱ ضروب پر مشتمل تھا اس کے بعد دوسرا طمانچہ رسید کیا جس میں وہابی کے اس دعوی کی خبر لی ہے کہ '' اللہ تعالیٰ کا تمام اشیا کو محیط ہونا صرف علم کے اعتبار سے ہے۔ چناں چہ سب سے پہلے امام احمد رضا نے اس کا رد یوں فرمایا کہ اپنے اس دعوی میں وہ اللہ عزوجل کی قدرت کا بھی منکر ہوا اور اللہ کی صفت بصر سے بھی اس نے انکار کیا نیز جتنی کتابوں سے استدلال کر رہا تھا ان کے بھی خلاف قول کیا اعلیٰ حضرت نے اس کے اس دعوی کے ابطال پر مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا۔

(۱)- قال اللہ تعالیٰ: «اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ۝۵۴» [حم السجدة: ٥٤] سنتا ہے وہ شک میں ہیں اپنے رب سے ملنے سے، سُنتا ہے خدا ہر چیز کو محیط ہے۔

(۲)- قال اللہ تعالیٰ: «وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ۝۱۲۶» [النساء: ١٢٦] اللہ ہر شے کو محیط ہے۔

(۳)- قال اللہ تعالیٰ: «وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِیْطٌ ۝۲۰» [البروج: ٢٠] اللہ ان کے آس پاس سے محیط ہے۔

ان تینوں آیات بیّنات میں اللہ عزوجل کو محیط بتایا ہے اور کسی میں یہ صراحت نہیں کہ محیط از روے علم ہے، کیوں کہ اگر یہ مراد ہوتی تو اس کو ظاہر کر دیا جاتا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: «وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝۱۲»[الطلاق: ١٢]

ان آیات کو پیش فرمانے کے بعد امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے مختلف کتب تفاسیر سے ثابت فرمایا کہ گھیر نا از روے علم نہیں۔ ان تفاسیر میں، ترجمہ رفیعیہ، موضح القرآن، جامع البیان، مدارک شریف شامل ہیں۔

پھر یہ ثابت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نہ صرف علم محیط ہے بلکہ سمع، بصر، قدرت و خالقیت بھی محیط ہیں اس پر مندرجہ ذیل ارشادات سے استدلال فرمایا:

(۱)- قال اللہ تعالیٰ: «اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ۝۱۹» [الملك: ١٩] اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

(۲)-﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ [البقرۃ: ۲۰] اللہ تعالیٰ ہر شَے پر قادر ہے۔

پہلی آیت سے باری تعالیٰ کے بصر کا محیط ہونا اور دوسری آیت سے اس کی قدرت کا محیط ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۳)-کتاب الاسما میں ہے:"المحيط راجع إلى كمال العلم و القدرة". کہ اسم الٰہی محیط کے معنی کمال علم وقدرت کی طرف راجع ہیں۔

(۴)-اس کا سمع بھی محیط اشیا ہے:"كما حققه عالم أهل السنة مدظله في منهوات سبحٰن السبوح".

(۵)-خالقیت بھی محیط ہے، قال اللہ تعالیٰ:﴿خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْہُ﴾ [الإنعام: ۱۰۲]

(۶)-مالکیت بھی محیط ہے، قال اللہ تعالیٰ:﴿بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ [المؤمنون: ۸۸]

یہ دوسرے طمانچہ کا خلاصہ ہوا جو ۲۱؍ ضربوں پر مشتمل ہے، ان میں سے آخری ضرب میں فرمایا کہ بے وقوف چند سطر بعد مانے گا کہ جتنی صفتیں کلام شارع میں وارد ہیں ان سے سکوت نہ ہوگا یہاں احاطۂ ذات سے سکوت کا کیسا انکار کر گیا مگر وہابی پورا حافظ نہ باشد یہ کیسا صریح تناقض ہے۔

تیسرا طمانچه:

یہ طمانچہ ضرب ۶۳؍ سے ضرب ۱۰۷؍ تک تقریباً ۴۴؍ ضربوں پر مشتمل ہے اس میں امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہ نے بے دین وہابی پر بے شمار کتب احادیث وتفاسیر سے یہ ثابت فرمایا کہ اللہ عزوجل مکان سے پاک ومنزہ ہے نیز "استوا" کا معنی قدرت، استیلا، غلبہ وغیرہ ہے نہ کہ بیٹھنا۔ ہم ان کتابوں کے صرف اسما شمار کرتے ہیں:

"(۱) وہابیوں کے سرغنہ اسمٰعیل دہلوی کے دادا پیر کا ارشاد جو اوپر گزر چکا ہے۔ (۲) بحر الرائق (۳) فتاوی عالم گیری (۴) فتاوی قاضی خاں (۵) فتاوی خلاصہ (۶) مدارک شریف سورۂ اعراف، سورۂ طٰہٰ، سورۂ یونس (۷) امام بیہقی کی کتاب الاسما والصفات (۸) باب ماجاء في العرش میں امام ابو سلیمان خطابی کی ایک روایت (۹) اسی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طبقات آسمان پھر ان کے اوپر طبقات عرش پھر طبقات زمین کا ذکر کرکے فرمایا کہ، قسم اس کی جس کے دست قدرت میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم کسی کو رسی کے ذریعہ سے ساتویں زمین تک لٹکاؤ تو وہاں بھی وہ اللہ عزوجل تک پہنچے گا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہی اول وآخر وظاہر وباطن ہے، اس کے بعد امام فرماتے ہیں، کہ اس حدیث کا پچھلا فقرہ اللہ عزوجل سے نفی مکان پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ بندہ کہیں ہو اللہ عزوجل سے قرب وبعد میں یکساں ہے اور یہ کہ

اللہ ہی ظاہر ہے تو دلائل سے اسے پہچان سکتے ہیں اور وہی باطن ہے کسی مکان میں نہیں کہ یوں اسے جان سکیں۔"

اتنا لکھنے کے بعد کئی عقلی دلائل سے بھی وہابی کا رد بلیغ فرمایا۔ جن سے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دقت نظر اور وسعت علم کا پتا چلتا ہے، بطور اختصار ان دلائل عقلیہ میں چند کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے:

(۱)- جو کسی جگہ بیٹھا ہو وہ تین حال سے خالی نہ ہوگا کہ وہ جگہ جہاں وہ بیٹھا ہے وہ اس جسم کے برابر ہوگی یا بڑی ہوگی یا چھوٹی ہوگی۔ اور خدا کے لیے یہ تینوں محال ہیں تو ثابت ہوا کہ خدا کا عرش پر بیٹھا ہوا ہونا محال ہے۔

(۲)- خدا اس عرش سے بھی بڑا بنا سکتا ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں تو خدا کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور اگر یہ کہیں کہ بنا سکتا ہے تو اب خدا عرش سے چھوٹا نہیں بلکہ برابر بھی ہو تو یہ جب عرش سے بڑا ہے تو خدا اس سے بھی بڑا ہوگا۔ اور اگر خدا عرش سے بڑا ہے تو لامتناہی بڑا نہیں ہو سکتا کہ لاتناہی ابعاد دلائل قاطعہ سے باطل ہے۔ اب لامحالہ بقدر متناہی بڑا ہوگا۔ تو سوال ہوگا کہ کتنا بڑا ہے، دونا، ڈیڑھ، پون وغیرہ مقداروں کے بارے میں سوال ہوگا کہ خدا ان کو بنانے پر قادر ہے یا نہیں جہاں انکار کروگے خدا کو عاجز ٹھہراؤ گے اور اقرار کرتے جاؤ گے تو وہی مصیبت آڑے آئے گی کہ خدا اپنے سے بڑا بنا سکتا ہے۔

(۳)- جب وہابی بددین کا معبود مکانی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو وہ "جزء لا یتجزی" کے برابر ہوگا یا اس سے بڑا- اور یہ دونوں صورتیں باطل ہیں- اول تو اس لیے کہ ایسی صورت میں لازم آئے گا کہ وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے بھی چھوٹا ہو، ایک دانۂ ریگ کے ہزارویں، لاکھویں حصہ سے بھی کم تر ہو نیز ہزاروں آیات واحادیث کا انکار ہوگا۔ اور ثانی بھی باطل ہے کہ ایسی صورت میں لازم آئے گا کہ تیرے معبود کے ٹکڑے ہو سکیں اور اس میں حصے فرض کیے جا سکیں اور معبود برحق اس سے پاک ومنزہ ہے۔

(۴)- أقول: جو مکانی ہے اور "جزء لا یتجزی" کے برابر نہیں اسے مقدار سے مفر نہیں اور مقدار غیر متناہی بالفعل باطل ہے اور مقدار متناہی کے افراد لامتناہی ہیں اور شخص معین کو ان میں سے کوئی قدر معین ہی عارض ہوگی تو لاجرم تیرا معبود ایک مقدار مخصوص پر ہوا اب اس تخصیص کی علت تیرا معبود آپ ہی ہے یا اس کا غیر اگر غیر ہے جب تو سچا خدا وہی ہے جس نے تیرے معبود کو اتنے یا اتنے گز بنایا۔ اور اگر خود ہے تو بھی حادث ہونا لازم آئے گا کیوں کہ امور متساویۃ النسبہ میں ایک کی ترجیح ارادے پر موقوف اور ہر مخلوق بالارادہ حادث ہے تو وہ مقدار مخصوص حادث ہوئی اور مقداری کا وجود بے مقدار کے محال، لہٰذا تیرے معبود کا حادث ہونا لازم آیا نیز "تقدم الشيء علی نفسه" بھی لازم آئے گا۔

(۵)-فوق و تحت دو اضافی مفہوم ہیں، یعنی ایک کے بغیر دوسرے کا تصور نہیں ہو سکتا مثلاً کسی چیز کے اوپر ہونے کو اسی وقت سمجھا جا سکتا ہے جب نیچے کا مفہوم معلوم ہو-یوں ہی کسی چیز کے نیچے ہونے کو اوپر کے مفہوم کو سمجھے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا ــــ اور ازل میں اللہ کے سوا کچھ نہ تھا جیسا کہ اس پر بخاری شریف کی حدیث شاہد ہے کہ:

كان الله تعالىٰ ولم يكن شيء غيره.

تو ازل میں اللہ کا فوق یا تحت ہونا محال اور جب ازل میں محال تھا تو ہمیشہ محال رہے گا ورنہ اللہ کے ساتھ حوادث کا قیام لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

کتاب الاسما والصفات میں ہے:

"إذاقيل الله العزيز فإنما يراد به الاعتراف له بالقدم الذى لا يتَهَيَّؤُ معه تغيره عمالم يزل عليه من القدرة والقوة و ذٰلك عائد إلىٰ تنزيهه تعالىٰ عما يجوز على المصنوعين لاعتراضهم بالحدوث في أنفسهم للحوادث أن تصيبهم وتغيرهم". (1)

چوتھا طمانچہ:

گمراہ وہابی نے ادعا کیا تھا کہ " استوا علی العرش کے معنی بیٹھنا، چڑھنا، ٹھہرنا، مطابق سنت ہیں"۔ اس کا رد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تم وہابیہ کے دھرم میں تشریع کا منصب تین قرن تک جاری رہا تھا اور اس کے بعد عمومات و اطلاقات شرعیہ کا دروازہ بھی بند ہو گیا-تو نے اسی تحریر میں لکھا ہے " جو بات امور دین میں بعد قرون ثلاثہ کے ایجاد ہوئی بالاتفاق بدعت ہے، وكلّ بدعة ضلالة" اب ذرا تھوڑی دیر کو مرد بن کر استوا علی العرش کے ان تینوں معنی کا صحابۂ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے ائمۂ سنت سے باسانید صحیحہ معتمدہ ثبوت دیجیے ورنہ خود اپنے بدعتی، گمراہ بددین فی النار ہونے کا اقرار کیجیے تیرہ صدی کے دو ایک ہندیوں کا لکھ دینا سنت نہ ثابت کر سکے گا۔"(2)

اس طرح یہ طمانچہ تقریبًا ۱۱؍عقلی و نقلی ضربوں پر مشتمل ہے جن میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وسعت علمی اور بلندیِ فکر کے جوہر دکھائے ہیں۔

(1)-فتاوى رضويه، ۱۱/ ۲٤۱، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.
(2)-فتاوى رضويه، ۱۱/ ۲٤۸.

پانچواں طمانچہ:

” پھر پانچویں طمانچہ میں ۱۲۱ر سے ۱۸۲ر تک تقریبًا ۶۱ر ضربیں لگائیں جن میں اس بددین، بدعتی کے معبود کی شکل صورت بیان فرمائی کہ اگر اس کا قول لے لیا جائے تو پھر خدا کی شکل صورت (نعوذ باللہ) ایسی ایسی ہوگی اور یہ ثابت فرمایا کہ وہ بدعتی خود ہی اپنے دعوی پر نہ جما چناں چہ لکھتے ہیں:

”**أقول:** یہ تو او پر واضح ہو لیا کہ یہ مدعی خود ہی دعوے پر نہ جما اور جن صفات سے کلام شارع ساکت نہیں ان سے سکوت در کنار ان کا صاف انکار کر گیا مگر یہاں یہ کہنا ہے کہ اس مدعی بے باک کے نزدیک تسلیم وعدم سکوت کا وہ مطلب ہر گز نہیں جو اہل سنت کے نزدیک ہے یعنی کچھ معنی نہ کہنا صرف اجمالاً اتنی بات پر ایمان لے آنا کہ جو کچھ مراد الٰہی ہے حق ہے یا تاویل کر کے پاک وصاف معنی کی طرف ڈھال دینا جن میں مشابہت مخلوق وجسمیت ومکان وجہت کی بو اصلاً نہ پیدا ہو۔ اس مسلک پر ایمان لاتا تو ”استوا“ کے معنی بیٹھنا، چڑھنا، ٹھہرنا، نہ بتاتا ان کے علاوہ اور معانی کو کہ ائمۂ اہل سنت نے ذکر فرمائے بدعت وضلالت نہ بتاتا لاجرم اس کا مسلک وہی مسلک مجسمہ ہے کہ جو کچھ وارد ہوا وہ اپنے حقیقی لغوی معنی مفہوم ومتبادر پر محمول ٹھہرا کر مانا جائے گا۔ شروع سے اب تک جو کچھ لکھا گیا وہ اسی ضلالت ملعونہ کے رد میں تھا اتنا اور اس کے کان میں ڈال دوں شاید خدا سمجھ دے اور ہدایت کرے کہ اے بے خرد یہ ناپاک مسلک جو استوا میں خصوصًا اور باقی متشابہات میں مطلقًا تیرا ہے (کھلی گمراہی کا نجس راستہ ہے) اس طریقہ پر تیرا معبود جسے تو نے اپنے ذہن میں ایک صورت تراش کر معبود سمجھ لیا ہے اگر بت خانۂ چین کی مورت ہو کر نہ رہ جائے تو میرا ذمہ۔“(1)

ضرب ۱۲۱ تا ۱۸۲۔ ان ۶۱ر ضربوں میں امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بددین کا یوں رد فرمایا کہ اگر تیرے وہمی معبود کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کی صورت وشکل ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ اور ناک وغیرہ سب ثابت ہوں گے۔

اس کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

کیوں اے جاہل احادیث آحاد وضعیف ارتفاع مکانی سے سند لا کر اپنے معبود کو پوجتا ہے پھر اس میں اور انسان کے جسم میں چھوٹے بڑے کے سوا فرق کیا ہے۔ مگر الحمد للہ اہل سنت ایسے سچے حقیقی معبود کو پوجتے ہیں جو احد صمد بے شِبہ و نمون و بے چون وچگون ہے۔«لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ» [الإخلاص: ٣،٤] جسم وجسمانیت ومکان وجہت واعضا وآلات وتمام عیوب ونقصانات سے پاک ومنزہ ہے یہ سب اور اس کے مثل

(1)-فتاوی رضویہ، ١١/ ٢٥٢.

جو کچھ وارد ہوا ان میں جو کچھ روایۃً ضعیف ہے اور زیادہ وہی ہوگا اور صریح تشبیہ کی صاف تصریحیں کہ تاویلی محاوروں سے بعید پڑیں اسی میں ملیں گی اسے تو خدا کے یہ موفق بندے ایک جو کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور جو کچھ روایۃً صحیح مگر خبر آحاد ہو اسے بھی جب کہ متواترات سے موافق المعنٰی نہ ہو پایۂ قبول پر جگہ نہیں دیتے۔ فإنّ الآحاد لا تفيد الاعتماد في باب الاعتقاد ولو فرضت في أصحّ الكتاب بأصحّ الأسناد. رہ گئے متواترات اور وہ نہیں مگر معدودے چند وہ بھی معروف و مشہور محاوراتِ عرب کے موافق تاویل پسند مثل ید و وجہ و عین وساق واستوا واتیان ونزول وغیرہا ان میں تاویل کیجیے تو راہ روشن اور تفویض کیجیے تو سب سے احسن نہ یہ کہ منہ بھر کر خدا کو گالی دیجیے اور اس کے لیے صاف صاف مکان مان لیجیے یا اٹھتا چڑھتا اترتا ٹھہرتا تسلیم کیجیے۔ اللہ عزوجل اتباع حق کی توفیق دے۔

چھٹا طمانچہ:

اس کے تحت بھی امام احمد رضا قدس سرّہ نے اس بدمذہب پر کئی ضربیں لگائیں اور یہ چیلنج بھی کیا کہ اگر تو سچا ہے تو قرآن و حدیث سے یہ دلیل پیش کر کہ خدائے قدیر عرش پر ہے اور عرش کے سوا کہیں نہیں ہے۔ پھر اس کے بعد یکے بعد دیگرے مندرجہ ذیل آیات واحادیث سے حق واضح فرمایا۔

چناں چہ فرماتے ہیں:

ضرب ۱۸۴: جب تُو اس سبوح و قدوس جل جلالہ کو مکان سے پاک نہیں مانتا تو اب کوئی وجہ نہیں کہ اور آیات و احادیث جن کے ظاہر الفاظ سے اور جگہ ہونا مفہوم ہو اپنے ظاہر سے پھیری جائیں۔ تیرے طور پر اُن سب کو معنی لغوی حقیقی ظاہر متبادر پر حمل کرنا واجب ہوگا، اب دیکھ کہ تو نے کتنی آیات واحادیث کا انکار کر دیا اور کتنی بار اپنے اس لکھے سے کہ جو شرع میں وارد ہے اس سے سکوت نہ ہوگا، صاف تناقض کیا سب میں پہلے تو یہی حدیثِ صحیح بخاری "وهو مكانه" ہے جس میں تُو نے بزورِ زبان ضمیر حضرت عزت جل شانہ کی طرف ٹھہرا دی اور پھر مکانہ سے محض زبردستی عرش مراد لے لیا حالاں کہ وہاں سدرۃ المنتہٰی کا ذکر ہے تو عرش ہی پر ہونا غلط ہوا کبھی سدرہ پر بھی ٹھہرا ہے۔

ضرب ۱۸۵: صحیح بخاری حدیثِ شفاعت میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: فأستاذن على ربي في داره فيؤذن لي عليه. میں اپنے رب پر اذن طلب کروں گا اس کی حویلی میں تو مجھے اس کے پاس حاضر ہونے کا اذن ملے گا۔

ظاہر ہے کہ تخت کو حویلی نہیں کہتے، نہ عرش کسی مکان میں ہے، بلکہ وہ بالائے جملہ اجسام ہے، لاجرم یہ حویلی جنّت ہی ہوگی۔

ضرب ۱۸۶: صحیحین میں ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: قال رسول الله ﷺ: «جنتان من فضة أنيتهما وما فيهما، وجنتان من ذهب أنيتهما وما فيهما وما بين القوم و بين ان ينظروا الىٰ ربهم إلا رداء الكبرياء على وجهه في جنة عدن.»

یہاں جنت عدن میں ہونے کی تصریح ہے۔

ضرب ۱۸۷: بزار و ابن ابی الدنیا اور طبرانی بسند جید قوی اوسط میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثِ دیدار اہل جنت ہر روز جمعہ میں مرفوعًا راوی: فإذا كان يوم الجمعة نزل تبارك و تعالىٰ من عليين على كرسيّه ثم حف الكرسی بمنابر من نور و جاء النبيون حتى يجلسوا عليها. الحديث.

یہاں علیین سے اُتر کر کرسی پر حلقہ انبیا و صدیقین و شہدا و سائر اہل جنت کے اندر تجلی ہے۔

ضرب ۱۸۸: قال تعالىٰ: «ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ» [الملك: ١٦]

ضرب ۱۹۰: احمد و ابن ماجہ و حاکم بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث قبض روح میں مرفوعًا راوی۔ فلا يزال يقال لها ذلك حتى تنتهى الى السماء التى فيها الله تبارك و تعالىٰ.

ضرب ۱۹۱: مسلم ابوداؤد و نسائی معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث جاریہ میں راوی: قال لها اين الله قالت في السماء قال من انا قالت انت رسول الله قال اعتقها فانها مؤمنة.

ضرب ۱۹۲: ابوداؤد و ترمذی بافادۂ تصحیح عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ارحموا من في الارض يرحمكم من في السماء.

ضرب ۱۹۳: صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے: قال رسول الله ﷺ: «والذى نفسى بيده مامن رجل يدعو امرأته الىٰ فراشها فتابى عليه الاكان الذى في السماء ساخطا عليها حتى يرضى عنها».

ضرب ۱۹۴: ابویعلیٰ و بزار و ابونعیم بسندِ حسن ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: قال رسول الله ﷺ: «لما القي إبراهيم في النار قال اللهم أنت في السماء واحد وانا في الارض واحد أعبدك.»

ضرب ۱۹۵: ابویعلیٰ و حکیم و حاکم و سعید بن منصور و ابن حبان و ابونعیم اور بیہقی کتاب الاسماء میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعًا راوی، اللہ نے فرمایا: ياموسى لو ان السمٰوٰت السبع و عامرهن غيرى، والأرضين السبع في كفة و لااله الا الله في كفة مالت بهن لا اله الا الله.

ان آیات واحادیث سے آسمان میں ہونا ثابت ہے۔

ضرب۱۹۶: ہر رات آسمانِ دُنیا پر ہونے کی حدیث گزری اور احادیث اس باب میں بکثرت ہیں۔

ضرب۱۹۷: قال الله تعالیٰ: «وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ» [الأنعام: ۳]

ضرب۱۹۸: قال الله تعالیٰ: «وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ» [ق: ۱٦]

ضرب۱۹۹: قال الله تعالیٰ: «وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ» [العلق: ۱۹]

ضرب۲۰۰: قال تعالیٰ: «وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ» [البقرة: ۱۸٦]

ضرب۲۰۱: قال تعالیٰ: «اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ» [السبا: ٥۰]

ضرب۲۰۲: قال تعالیٰ: «وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا» [مريم: ٥۲]

ضرب۲۰۳: قال تعالیٰ: «فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ» [النمل: ۸]

یعنی قدس من في النار وهو الله تعالیٰ عنى به نفسه علیٰ معنى انه نادى موسى منها وأسمعه كلامه من جهتها.

ضرب۲۰۳: قال تعالیٰ: «وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ» [الحديد: ٤]

ضرب ۲۰۵: صحیحین میں ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: يايها الناس اربعوا علیٰ انفسكم فانكم لا تدعون اصم ولا غائبا انكم تدعون سميعا قريبا وهو معكم.

اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے: إن الذى تدعون اقرب الى احدكم من عنق راحلته.

ضرب ۲۰٦: مسلم، ابوداؤد، و نسائی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا الدعاء.

ضرب ۲۰۷: دیلمی ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: قال الله تعالیٰ انا خلفك وأمامك وعن يمينك وعن شمالك يا موسى انا جليس عبدى حين يذكرنى وانا معه إذا دعانى.

ضرب۲۰۸: صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ فرماتا ہے: انا عند ظن عبدى بى وانا معه إذا ذكرنى.

ضرب ۲۰۹: مستدرک میں بروایت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث قدسی ہے: عبدى انا عند ظنك بى وانا معك إذا ذكرتنى.

ضرب۲۱۰: سعید بن منصور ابو عمارہ سے مرفوعًا راوی: الساجد یسجد علی قدمي الله تعالی.

ان آیات واحادیث سے زمین پر اور طُور پر اور ہر مسجد میں اور بندے کے آگے پیچھے دہنے بائیں اور ہر ذاکر کے پاس اور ہر شخص کے ساتھ اور ہر جگہ اور ہر ایک کی شہ رگ گردن سے زیادہ قریب ہونا ثابت ہے۔

ضرب۲۱۱: قال تعالیٰ: «اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ» [البقرة: ١٢٥] یہاں کعبہ کو اپنا گھر بتایا۔

ضرب ۲۱۲: معالم میں ہے، مروی ہوا کہ توریت مقدس میں لکھا ہے: جاء الله تعالیٰ من سیناء واشرف من ساعیر واستعلی من جبال فاران. اللہ تعالیٰ سینا کے پہاڑ سے آیا اور ساعیر کے پہاڑ سے جھانکا اور مکہ معظمہ کے پہاڑوں سے بلند ہوا۔ ذکرہ تحت اٰیة بورك.

ضرب ۲۱۳: طبرانی کبیر میں سلمہ بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: قال رسول الله ﷺ: «اني اجد نفس الرحمن من ھٰھنا و اشار الی الیمن.» رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یمن کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: بے شک میں رحمٰن کی خوشبو یہاں سے پاتا ہوں۔

ضرب ۲۱۴: مسند احمد و جامع ترمذی میں حدیثِ سابق ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: والذی نفس محمد بیده لوانکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لهبط علی الله ، ثم قرأهو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بكل شيءعليم. یہاں سے ثابت کہ سب زمینوں کے نیچے ہے۔

اس کے بعد ضرب ۲۱۵ / بطور فیصلہ لگائی۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

اقول: یہی آیات واحادیث ہر مجسم خبیث کی دہن دوزی اور ہر مسلم سُنّی کی ایمان افروزی کو بس ہیں اس مجسم سے کہا جائے کہ اگر ظاہر پر حمل کرتا ہے تو ان آیات واحادیث پر کیوں ایمان نہیں لاتا۔ « اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ » [البقرة: ٨٥] (قرآن پاک کی بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ ت)

دیکھ تیرے اس کہنے میں کہ عرش پر ہے اور کہیں نہیں کتنی آیتوں حدیثوں کا صاف انکار ہے، اور اگر ان میں تاویل کی راہ چلتا ہے تو آیاتِ استوا و حدیث مکان میں کیوں حد سے نکلتا ہے، اب یہ تیرا بکنا صریح جھوٹ اور تحکم ٹھہرا کہ تیرا معبود مکان رکھتا اور عرش پر بیٹھتا ہے، اور مومن سُنی کو ان سے بحمد اللہ یوں روشن راستہ ہدایت کا ملتا ہے کہ جب آیات واحادیث عرش و کعبہ و آسمان و زمین و ہر موضع و مقام کے لیے وارد ہیں تو اب تین حال سے خالی نہیں، یا تو ان میں بعض کو ظاہر پر محمول کریں اور بعض میں تفویض و تاویل، یا سب ظاہر پر ہوں یا سب میں تفویض و تاویل،

شق اول تحکم بے جا و ترجیح بلا مرجح اور اللہ پر بے دلیل حکم لگا دینا ہے، اور **شق دوم** قطع نظر اُن قاطعہ قاہرہ دلائل زاہرۂ تنزیہ الٰہی کے یوں بھی عقلاً و نقلاً ہر طرح باطل کہ مکینِ واحد وقت واحد میں امکنہ متعدّدہ میں نہیں ہو سکتا تو ہر جگہ ہونا اُسی صورت پر بنے گا کہ ہوا کی طرح ہر جگہ بھرا ہو اور اس سے زائد شنیع و ناپاک اور بداہتہً باطل کیا بات ہوگی کہ ہر نجاست کی جگہ، ہر پاؤں کے تلے ہر شخص کے منہ، ہر مادہ کے رحم میں ہونا لازم آتا ہے۔ اور پھر جتنی جگہ مکانوں پہاڑوں وغیرہ اجسام سے بھری ہوئی ہے بعینہ اس میں بھی ہو تو تداخل ہے اور نہ ہو تو اس میں کروڑوں ٹکڑے پرزے جوف سوراخ لازم آئیں گے، اور جو نیا پیڑ اُگے نئی دیوار اُٹھے تیرے معبود کو سمٹنا پڑے ایک نیا جوف اس میں اور بڑھے اور اب استوا کے لیے عرش اور دار کے لیے جنت بیت کے لیے کعبے کی کیا خصوصیت رہے گی۔ لاجرم **شق سوم** ہی حق ہے اور آیاتِ استوا سے لے کر یہاں تک کوئی آیت و حدیث ان محال و بیہودہ معنی پر محمول نہیں جو ناقص افہام میں ظاہر الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں بلکہ تفہیم عوام کے لیے اُن کے پاکیزہ معانی ہیں، اللہ کے جلال کے لائق جنھیں ائمہ کرام اور خصوصًا امام بیہقی نے کتاب الاسماء میں مشرحاً بیان فرمایا اور ان کی حقیقی مراد کا علم اللہ کو سپرد ہے۔ امنّا به كل من عند ربنا وما يذكر الاأولوا الالباب ٥والحمدلله رب العلمين و الصلاة و السلام على سيد المرسلين محمد و اٰله و صحبه اجمعين آمين !.[1]

(۲)

کسی غیر مقلد نے اپنی کتاب میں یہ دعوی کیا کہ موجودہ زمانہ میں ائمۂ دین کے مقلدین اور غیر مقلدوں کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے یہ محض فروعی اختلاف ہے، اور اس اختلاف کی حیثیت بعینہ وہی ہے جو اختلاف صحابہ کرام و تابعین عظام میں باہم ہوا کہ اصول دین میں یہ سب متفق ہیں صرف بعض فروع میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس فروعی اختلاف میں بھی سند رکھتے ہیں کہ کسی کی دلیل قوی ہے اور کسی کی ضعیف، جو ضعیف پر ہے وہ بھی اپنے نزدیک اسے قوی گمان کرتا ہے، اس غیر مقلد نے اپنے اس انداز بیان میں اپنی غیر مقلدیت کو چھپانا چاہا اور یہ لکھا کہ۔ ”غرض ہمیں اس (کتاب کے لکھنے) میں نہ تعصب ہے نہ کسی کی مخالفت منظور ہے۔ محض اشاعت دین اور اتباع رسول ﷺ مقصود ہے۔“

مذکورہ کتاب پھر اس کے مصنف کے تعلق سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں سوال کیا گیا کہ اس کتاب کا مؤلف کس مکتب فکر کا آدمی ہے؟ نیز اہل سنت و جماعت کے بچوں کو ایسی کتاب پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود اس کے اقوال سے ہی اس کو پکا غیر مقلد ثابت

(1)-فتاوی رضویه،۱۱/۲۵٦.

فرمایا۔ پھر یکے بعد دیگرے اس کے تمام کھوکھلے دعاوی کا مکمل رد فرمایا جس سے آپ کی وسعتِ علم اور دقت نظر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

چناں چہ لکھتے ہیں:

"اوّلاً: مصنف ہذا کا اتنا لکھنا ہی اس کی بد مذہبی و غیر مقلدی کے اظہار کو بس تھا کہ وہ لامذہبوں کو جن کا نام اس نے انھیں لامذہبوں سے سیکھ کر اہل حدیث اور محدثین رکھا ہے اور حنفیہ کرام کو ایک پلّہ میں رکھتا ہے اور ان کا اختلاف مثل اختلافِ صحابۂ کرام وائمۂ اعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صرف فروعی بتاتا اور دونوں فریق میں اتحاد مناتا ہے۔ حالاں کہ غیر مقلدین کا ہم سے اختلاف صرف فروعی نہیں بلکہ بکثرت اصول دین میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہے، ہماری تمام کتب اصول مالامال ہیں کہ ہمارے اور جملہ ائمہ کرام اہل سنت کے نزدیک اصول چار ہیں، کتاب، سنت، اجماع امت، قیاس، لامذہبوں نے اجماع وقیاس کو بالکل اڑادیا، ان کا پیشوا صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتا ہے کہ **"قیاس باطل واجماع بے اثر آمد"** ان کی تمام کتابیں اس سے پُر ہیں کہ وہ سوا قرآن وحدیث کسی کا اتباع نہیں کرتے اور اجماع وقیاس کے سخت منکر ہیں، اور ہمارے ائمہ نے اجماع وقیاس کے ماننے کو ضروریات دین میں سے گنا ہے اور اس کے منکر کو ضروریات دین کا منکر کہا ہے اور ضروریات دین کا منکر کافر ہے پھر ہمارا اختلاف فروعی کیسے ہو سکتا ہے۔"[1]

پھر اپنے اس دعوی پر کہ ہمارے نزدیک اجماع وقیاس کو ضروریات دین سے شمار کیا جاتا ہے اور ضروریات دین کا انکار کفر ہے مندرجہ ذیل اکابر اہل سنت کے اقوال بطور شاہد پیش فرمائے جن سے غیر مقلد کے اس قول کا کہ " ہمارے درمیان اختلاف محض فروعی ہے" دنداں شکن جواب فراہم ہوتا ہے۔

(۱)- مواقف وشرح مواقف اول مرصد خامس مقصد سادس میں ہے:

"كون الإجماع حجة قطعية معلوم بالضرورة من الدين".

یعنی اجماع کا حجت قطعی ہونا ضروریات دین سے ہے۔

(۲)- کشف البزدوی شریف میں ہے: قد ثبت بالتواتر ان الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم عملوا بالقياس و شاع وذاع ذلك فيما بينهم من غير رد وانكار.

(1)- فتاوی رضویہ، ۱۱/ ۲۰۳-۲۰۲، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

بے شک تواتر سے ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قیاس پر عمل فرماتے تھے اور یہ ان میں مشہور و معروف تھا جس پر کسی کو اعتراض و انکار نہ تھا۔

(۳)-اسی میں امام غزالی سے ہے: قد ثبت بالقواطع من جميع الصحابة الاجتهاد و القول بالرأى والسكوت عن القائلين به و ثبت ذلك بالتواتر في وقائع مشهورة ولم ينكرها احد من الامة فاورث ذلك علماضروريا فكيف يترك المعلوم ضرورة.

قطعی دلیلوں سے ثابت ہے کہ جمیع صحابہ کرام اجتہاد و قیاس کو مانتے تھے اور اس کے ماننے والوں پر انکار نہ کرتے تھے اور یہ مشہور واقعوں میں تواتر کے ساتھ ثابت ہوا، اور امت میں سے کسی نے اس کا انکار نہ کیا تو اس سے علم ضروری پیدا ہوا تو جو بات ضروریاتِ دین سے ہے کیوں کر چھوڑی جائے گی۔

(۴)-در مختار کتاب السیر باب المرتد میں ہے: الكفر تكذيبه ﷺ في شيء مما جاء به من الدين ضرورة.

ضروریاتِ دینِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سے کسی شے کا انکار کفر ہے۔

پھر لکھتے ہیں:

"بالخصوص امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قیاس سے ان گمراہوں کو جس قدر مخالفت ہے عالم آشکار ہے، ان کی کتابیں ظفر المبین وغیرہ امام و قیاساتِ امام پر طعن سے مملو ہیں۔"

(۵)- فتاوی عالم گیری جلد ثانی میں ہے: رجل قال قیاس ابی حنیفه حق نیست یکفر كذا في التاتارخانية.

جو شخص کہے کہ امام ابوحنیفہ کا قیاس حق نہیں وہ کافر ہو جائے گا۔ ایسا ہی فتاوی تاتار خانیہ میں ہے۔

(۶)-اس کے بعد اس بددین نے جو یہ کہا تھا کہ "اس کتاب کی تالیف و اشاعت کا مقصد کسی کی مخالفت نہیں بلکہ محض اشاعتِ دین اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقصود ہے" اس کا یوں رد فرمایا کہ اس طرح کا قول کوئی لامذہب بے دین ہی کر سکتا ہے۔

چناں چہ فرماتے ہیں:

ثانیاً : یہ چالاک مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ اسے کسی فریق سے مخالفت نہیں، یہ بات لامذہب بے دین ہی کی ہو سکتی ہے جسے دین و مذہب سے کچھ غرض نہیں ورنہ دو متخالف فریقوں میں کسی سے مخالفت نہ ہونی کیوں کر معقول۔

(۳)-اس کے قول "غیر مقلدین کا اہل سنت سے اختلاف مثلِ اختلافِ صحابہ کرام ہے" اس کا رد یوں فرماتے ہیں:

ثالثاً : لامذہبوں کا اہل سنت کے ساتھ اختلاف مثل اختلاف صحابہ کرام بتانا صراحۃً انھیں اہل سنت بتانا ہے حالاں کہ ہمارے علما صاف فرماتے ہیں کہ وہ گمراہ بدعتی جہنمی ہیں۔

طحطاوی علی الدر المختار جلد ۴ر میں ہے:

هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم في مذاهب اربعة وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله ومن كان خارجا عن هذه الاربعة في هذا الزمان فهو من اهل البدعة والنار.

یہ نجات والا گروہ یعنی اہل سنت و جماعت آج چار مذہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی میں جمع ہو گیا ہے۔ اب جو ان چار سے باہر ہے وہ بدمذہب جہنمی ہے۔

اور جو بدعتیوں جہنمیوں کو اہل سنت جانے اور ان کا خلاف مثل اختلاف صحابہ مانے وہ خود بدعتی ناری جہنمی ہے۔

(۴)- چوتھی دلیل میں اہل سنت و جماعت کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اپنے بچوں کو اس طرح کی کتاب ہر گز نہ پڑھائیں کیوں کہ اس سے ان بچوں کو یہ ذہن ملے گا کہ ان کا اختلاف مثل اختلاف صحابہ ہے اور ان کے دلوں میں ان کی توقیر کا جذبہ پیدا ہو گا جب کہ حدیث شریف میں بدعتیوں کی تعظیم سے ممانعت آئی ہے۔ فرماتے ہیں:

رابعاً : اس بیان سے غیر مقلدوں لامذہبوں کی وقعت و توقیر مسلمان بچوں کے دلوں میں جمے گی کہ ان کا اختلاف مثل اختلافِ صحابہ کرام ہے۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من وقر صاحب بدعة فقدأعان على هدم الإسلام. جو کسی بدمذہب کی توقیر کرے اس نے دین اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔

تو اس کتاب کا نام "اسلام کی کتاب" رکھنا نہ تھا بلکہ "اسلام ڈھانے کی کتاب"۔

(۵)- پانچویں دلیل کے تحت مسلمانوں کو اس کتاب کے پڑھنے پڑھانے سے منع فرماتے ہوئے، اس کے اس دعوی کا مدلل رد فرمایا کہ ہمارے ان کے مابین محض فروعی مسائل میں ہلکا سا اختلاف ہے۔ پھر آپ نے بے شمار ایسے مسائل کو پیش فرمایا جن میں غیر مقلدین نے ائمۂ اربعہ سے کھلا اختلاف کیا- ان میں سے چند یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

چناں چہ فرماتے ہیں:

اس وقت اس کی دوسری کتاب ہمارے پیش نظر ہے۔ اس سے اسی قسم کے چند اقوال التقاط کیے جاتے ہیں۔

(۱)- کچھ سر کا مسح فرض ہے، حالاں کہ ہر شخص جانتا ہے کہ حنفیہ کرام کے نزدیک ربع سر کا مسح فرض ہے اگر ربع سے کم کا کرے گا ہر گز نہ وضو ہو گا نہ نماز ہوگی۔

ہدایہ میں ہے: المفروض في مسح الراس مقدار الناصية وهو ربع الراس .

سر کا مسح ناصیہ کی مقدار فرض ہے اور وہ سر کا چوتھا حصہ ہے۔ (ت)

(۲)- بول و براز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ "خون نکلنے اور قے کرنے سے وضو بہتر ہے" حنفیہ کے نزدیک خون بہہ کر نکلے یا منہ بھر قے ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ وضو کرنا فقط بہتر ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔

ہدایہ میں ہے: نواقض الوضوء الدم وَالْقَيْءُ ملء الفم. وضو توڑنے والے بہتا ہوا خون اور منہ بھر قے ہیں۔

(۳) "حاشیہ ۹: بعض کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے گو ٹوٹنے پر کوئی دلیل کافی نہیں تاہم اختلاف سے نکلنا بہتر ہے، نکسیر کا بھی یہی مسئلہ ہے۔ یہاں صراحۃً نکسیر کے بارے میں حنفی مذہب کے مسئلہ کو بے دلیل کہا اور اس سے وضو بہتر بتایا حالاں کہ حنفیہ کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ہدایہ: لو نزل من الرأس إلىٰ ما لا ن من الانف نقض الوضوء بالاتفاق.

اگر خون سر سے نازل ہوا اور ناک کے نرم حصہ تک پہنچ گیا تو بالاتفاق وضو ٹوٹ گیا۔ (ت)

(۴) -غسل کے فرائض میں صرف اتنا لکھا ہے کہ سارے بدن پر پانی ڈالنا فرض ہے حالاں کہ مذہب حنفی میں غسل کے تین فرض ہیں: کلی اور ناک میں پانی پہنچانا اور سارے بدن پر پانی ڈالنا۔

ہدایہ: فرض الغسل المضمضة والا ستنشاق وغسل سائر البدن.

غسل کے فرائض کلی کرنا، ناک میں پانی پہنچانا، اور سارے بدن پر پانی ڈالنا۔

(۵)-وہ کہ سائل نے دربارۂ حیض نقل کیا ''اصل یہ ہے کہ یہ امر ہر عورت کی عادت وطبیعت پر منحصر ہے'' یہ صراحۃً مذہبِ حنفی کا رد ہے حنفیہ کے نزدیک حیض نہ تین رات دن سے کم ہو سکتا ہے نہ دس رات دن سے زائد۔

ہدایہ : أقل الحيض ثلثة أيام لياليها و مانقص من ذلك فهواستحاضة وأكثره عشر ايام والزائد استحاضة.

حیض کم از کم تین دن رات ہے جو اس سے کم ہو وہ استحاضہ ہے، اور زیادہ سے زیادہ حیض ۱۰/ دن ہے جو اس سے زائد ہو وہ استحاضہ ہے۔[1]

(۷)- وہ کہ سائل نے نقل کیا کہ ''پانی کی طبیعت پاک ہے'' حنفیہ کے نزدیک تھوڑا پانی ایک قطرہ نجاست سے بھی ناپاک ہو جائے گا یہاں جو اس غیر مقلد نے فقط مزے اور بو کے بدلنے پر مدار رکھا اجماع تمام امت کے خلاف ہے کہ نجاست کے سبب رنگ بدلنے سے بھی بالا جماع پانی ناپاک ہو جائے گا اگرچہ مزہ وبو نہ بدلے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے موقف پر در مختار کی یہ عبارت نقل فرمائی۔

'' ينجس الماء القليل بموت بط و بتغير احد اوصافه من لون اوطعم أو ريح و ينجس الكثير و لو جار يا اجماعا أما القليل فينجس وإن لم يتغير.''

(۸)- ''عشا کی نماز کا وقت آدھی رات تک اور وتر کا اخیر رات تک ہے''۔

اس پر فرماتے ہیں:

یہ نہ فقط حنفیہ بلکہ ائمہ اربعہ کے خلاف ہے، چاروں اماموں کے نزدیک عشا کا وقت طلوعِ فجر تک رہتا ہے۔

در مختار میں ہے: وقت العشاء والوتر الى الصبح .

میزان الشریعۃ الکبری میں ہے : وقت العشاء يدخل إذا غاب الشفق عند مالك والشافعي وأحمد و يبقى الى الفجر.

(۹) – ''پردہ زیر ناف سے گھٹنوں کے اوپر تک فرض ہے''۔

---

(1)-فتاوی رضويه، ۱۱/ ۲۰۶.

اس پر فرمایا:

حنفیہ کے مذہب میں گھٹنے بھی ستر میں داخل ہیں تو نماز میں گھٹنے کھلے رکھنے کی اجازت حنفی مذہب کے خلاف بھی ہے اور نماز میں بے ادبی کی تعلیم بھی۔

در مختار میں ہے: الرابع ستر عورته وهي للرجل ماتحت سرته الیٰ ماتحت ركبته.

(۱۰)- آزاد عورت کو منہ اور ہاتھ اور پاؤں کے سوا سب بدن کا چھپانا فرض ہے۔ باندی کو اکثر منہ اور ہاتھ پاؤں کے سوا۔

اس پر یوں کلام فرمایا کہ:

پیٹ اور پیٹھ اور باقی جسم کا چھپانا فرض ہے، یہ شخص باندی کا عجب حکم لکھ رہا ہے کہ نہ فقط حنفیہ بلکہ تمام امت کے خلاف، اس نے آزاد عورت اور باندی کا حکم حرف بحرف ایک رکھا کہ منہ اور ہاتھ اور پاؤں کے سوا باقی بدن کا چھپانا دونوں پر فرض کیا فقط فرق یہ رکھا کہ آزاد عورت کے لیے سارا منہ مستثنیٰ کیا اور باندی کے لیے اکثر منہ۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ باندی کا ستر آزاد کے ستر سے زائد ہے کہ اُسے نماز میں سارے منہ کھولنے کی اجازت ہے اور باندی کو کچھ منہ کا حصہ چھپانا بھی فرض ہے۔ یہ تمام جہان میں کسی مسلمان کا قول نہیں۔ ایسی ہی دل ساختہ مسائل کی اشاعت کا نام اشاعتِ دینِ رسول اللہ ﷺ رکھتا ہے۔

در مختار میں ہے: ماهوعورة منه عورة من الأمة مع ظهرها و بطنها وجنبها وللحرة جميع بدنها خلا الوجه والكفين والقدمين.

(۱۱)- مقتدی کو امام کے اقتدا کی نیت بھی کرنا چاہیے (حاشیہ) امام مالک کے نزدیک بالکل نہیں ہوتی۔

اس پر فرماتے ہیں:

یہاں سے صاف ظاہر ہوا کہ مذہب حنفی میں مقتدی کو نیت اقتدا کی ضرورت نہیں صرف اولیٰ ہے اگر نہ کرے گا جب بھی نماز ہو جائے گی۔

جب کہ ہدایہ میں ہے: إن كان مقتديا بغيره ينوی الصلوة ومتا بعته لانه يلزمه فساد الصلوة من جهته فلابد من التزامه.

عالم گیری میں ہے: الاقتداء لايجوز بدون النية كذا في فتاوی قاضی خان.

(۱۲)- ’’تصویر دار کپڑے میں نماز نہیں ہوتی‘‘۔ یہ غلط ہے نماز ہوجاتی ہے البتہ مکروہ ہوتی ہے۔

ہدایہ میں ہے: لو لبس ثو با فیه تصاویر یکره و الصلوة جائزة لا ستجماع شر ائطها.

(۱۳)- ٹخنوں سے نیچے تہ بند لٹکا ہو تو نماز نہیں ہوتی۔

اس پر فرمایا:

یہ شریعتِ مطہرہ پر محض افترا ہے اس صورت میں نماز نہ ہونا کسی کا مذہب نہیں بلکہ تہ بند لٹکانا اگر بہ نیتِ تکبر نہ ہو تو ناجائز بھی نہیں، جائز وروا ہے صرف خلافِ اولیٰ ہے۔

عالم گیری میں ہے: اسبال الرجل ازاره اسفل من الكعبين إن لم يكن لخيلاء ففيه كراهة تنزيه كذا في الغرائب.

(۱۴)- مسجد کے سوا نماز بلا عذر نہیں ہوتی۔

اس پر فرمایا:

یہ بھی غلط ہے نماز بلاشبہہ ہوجاتی ہے مگر مسجد کی جماعت گھر کی جماعت سے افضل ہے، اور بلا عذر ترکِ مسجد فی نفسہ ممنوع ہے مگر مانع صحتِ نماز نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: الأصح انها كاقامتها في المسجد إلّا في الافضلية.

(۱۵)- فقہا کے نزدیک الحمد پڑھنا صرف امام ہی کے لیے واجب ہے۔

اس پر فرماتے ہیں:

یہ اس نے فقہا پر محض افترا کیا۔ صرف اور ہی دو کلمے حصر کے جمع کر دیے حالاں کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک امام اور منفرد سب پر سورہ فاتحہ واجب ہے صرف مقتدی کے لیے ممنوع ہے۔

درمختار میں ہے: لها واجبات هی قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة في الاولیین من الفرض وفی جميع ركعات النفل والوتر.

اسی میں ہے: والمؤتم لايقرأ مطلقاً ولا الفاتحة.

(۱۶)- مغرب وعشا وفجر میں قراءت آواز سے پڑھنی اور ظہر وعصر میں آہستہ پڑھنی سنت ہے۔

اس پر فرمایا:

یہ بھی غلط ہے حنفی مذہب میں یہ صرف سنت نہیں بلکہ امام پر واجب ہے۔

در مختار واجبات نماز میں ہے: والجهر للامام والاسرار للكل فيما يجهر فيه و يسر.

(اور امام کے لیے جہری نماز میں جہر اور سری میں سب کے لیے سر واجب ہے)

(۱۷)- پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانی سنت ہے۔

اس پر فرمایا کہ حنفی مذہب میں یہ بھی واجب ہے۔

(۱۸)- رکوع میں پیٹھ کو سر کے برابر کرنا فرض ہے۔

اس پر فرمایا: یہ محض افترا ہے مذہب حنفی میں فقط سنت ہے نہ فرض نہ واجب۔

در مختار میں ہے: و يسن ان يبسط ظهره غير رافع و لا منكس راسه.

(۱۹و۲۰)- سجدہ سے سر اٹھا کر دو زانو بیٹھنا اور ٹھہرنا فرض ہے، رکوع سے اٹھ کر تسبیح کے برابر کھڑے رہنا فرض ہے۔

اس پر یوں رقم طراز ہیں:

یہ بھی محض افترا ہے دو زانو بیٹھنا صرف سنت ہے بلکہ مذہب حنفی میں اصل بیٹھنا بھی فرض نہیں واجب ہے- بلکہ اصل مذہب مشہور حنفی میں اس جلسہ کو صرف سنت کہا- یہی حال رکوع سے کھڑے ہونے کا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: يجب التعديل في القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين و تضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة ايضا.

نیز اسی میں ہے: أما القومة والجلسة وتعديلهما فالمشهور في المذهب السنية وروى وجوبها.

(۲۱)- نماز کے سب فعلوں کو بالترتیب ادا کرنا سنت ہے۔

اس پر یوں لکھتے ہیں: مذہب حنفی میں بہت ترتیبیں فرض اور بہت واجب ہیں، فقط سنت کہنا جہل و افترا ہے۔

در مختار میں ہے: بقي من الفروض ترتيب القيام على الركوع والركوع على السجود والقعود الأخير على ما قبله.

اسی کے واجبات نماز میں ہے:

ورعاية الترتيب بين القراءة والركوع وفيمايتكرر أمافيما لايتكرر ففرض كما مرّ.

(۲۲)-اخیر کا التحیات اکثر کے نزدیک فرض اور بعض کے نزدیک سنت ہے۔

اس پر فرمایا: مذہب حنفی میں یہ دونوں باتیں باطل ہیں، نہ فرض ہے نہ سنت، بلکہ واجب ہے۔

در مختار باب واجبات الصلاۃ میں ہے: "والتشهدان". (اور دونوں تشہد واجب ہیں)

(۲۳و۲۴و۲۵) -دائیں بائیں طرف سلام پھیرنا فرض ہے۔

اس پر فرمایا: اس نے تین فرض قرار دیے، سلام پھیرنا اور اس کا دائیں طرف ہونا اور بائیں طرف ہونا، اور یہ تینوں باطل ہیں ان میں کچھ فرض نہیں، لفظ سلام فقط واجب ہے اور داہنے بائیں منہ پھیرنا سنت۔

در مختار واجباتِ نماز میں ہے: ولفظ السلام.

مراقی الفلاح میں ہے: يسن الالتفات يمينا ثم يسارا بالتسليمتين.

(۲۶و۲۷)-اگر قرآن شریف پڑھنے میں سب برابر ہوں تو وہ امام بنے جو زیادہ عالم ہو۔

حالاں کہ در مختار میں ہے : الاحق بالامامة الأعلم باحكام الصلوة ثم الأحسن تلاوة وتجويدا ثم الأكثر اتقاء للشبهات ثم الأسن أي الأقدم إسلاماً.

امامت کا زیادہ مستحق مسائل نماز کا سب سے زائد جاننے والا ہے پھر جو تلاوت اور تجوید میں اچھا ہو۔ پھر جو شبہات سے زائد بچنے والا ہو پھر زائد عمر والا یعنی قدیم الاسلام۔

(۲۸)- جو اکیلا نماز پڑھ لے اگر پھر اس وقت کی جماعت مل جائے تو جماعت میں شریک ہو جائے۔

اس پر فرماتے ہیں: یہ مطلق حکم بھی مذہب حنفی کے خلاف ہے۔ مذہب حنفی میں جس نے فجر یا عصر یا مغرب پڑھ لی دوبارہ ان کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا۔

در مختار میں ہے: من صلى الفجر والعصر والمغرب مرة فيخرج مطلقاً وان اقيمت.

(۲۹)- جو شخص صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اس پر فرماتے ہیں: یہ بھی محض افترا ہے۔ بلاضرورت ایسا کرنے میں صرف کراہت ہے نماز یقیناً ہو جائے گی۔

در مختار میں ہے : قدمنا کراھة القیام خلف صف منفرد ابل یجذب أحداً من الصف لکن قالوا في زماننا ترکه أولیٰ ولذا قال في البحر یکره وحده إلا إذا لم یجد فرجة.

(۳۰)- نماز استخارہ سنت ہے اس کی ترکیب یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر سو رہے۔

اس پر یوں فرماتے ہیں: یہ سنت پر افترا ہے سو رہنے کا ذکر کہیں حدیث میں نہیں۔

(۳۱)- وہ جو سائل نے (نقل) کیا "جن نمازوں میں قصر کا حکم ہے ان میں سنت بھی معاف ہیں۔"

اس پر فرماتے ہیں: یہ محض جہالت ہے حالت قرار میں کسی نماز کی سنت معاف نہیں اور حالتِ فرار میں سب کی معاف ہیں، مطلقاً معافی کا حکم دینا غلط اور اس معافی کو قصر کے ساتھ خاص کرنا دوسری غلطی۔

در مختار میں ہے: یاتي المسافر بالسنن ان کان في حال أمن وقرار وإلا بأن کان في حال خوف وفرار لا یاتی بھا ھو المختار.

(۳۲و۳۳)- جب کسی دشمن یا درندہ وغیرہ کا خوف ہو تو چار رکعت نماز فرض سے دو رکعت پڑھنا جائز ہے۔

اس پر امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

یہ محض غلط ہے مسافر پر چار رکعت فرض کی پڑھنی ویسے ہی واجب ہے اگر چہ کچھ خوف نہ ہو، اور غیر مسافر کو چار رکعت فرض کی، دو پڑھنی اصلاً جائز نہیں اگر چہ کتنا ہی خوف ہو۔

در مختار میں ہے : من خرج من عمارة موضع اقامته قاصد امسیرة ثلٰثة أیّام ولیالیها صلی الفرض الرباعی رکعتین وجوباً.

اسی میں ہے : صلاة الخوف جائزة بشرط حضور عدو أو سبع فیجعل الإمام طائفة بازاء العدو ویصلی بأخری رکعة في الثنائي ورکعتین في غیره .

(۳۴)- "کوئی نماز دیدہ و دانستہ قضا ہو جائے تو اس کا ادا کرنا واجب ہے"۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ نادانستگی میں قضا ہو جائے تو اس کا قضا کرنا واجب نہیں — یہ محض افترا و اِغوا ہے۔

(۳۵)- جو سائل نے نقل کیا جو خطبہ میں آکر شامل ہو دو رکعت نفل پڑھ کر بیٹھے۔

اس پر فرماتے ہیں: مذہب حنفی میں خطبہ ہوتے وقت ان رکعتوں کا پڑھنا حرام ہے۔

در مختار میں ہے: إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا کلام إلیٰ تمامها.

(۳۶)- جو شخص دوسری رکعت کے قیام سے پیچھے ملے اس کا جمعہ نہیں ہوتا وہ ظہر پڑھے۔

اس پر یوں رقم طراز ہیں: یہ محض غلط وافترا ہے مذہب حنفی میں تو اگر التحیات یا سجدہ سہو بھی امام کے ساتھ پالیا تو جمعہ ہی پڑھے گا اور امام محمد کے نزدیک بھی دوسری رکعت کا رکوع پانے والا جمعہ پڑھتا ہے حالاں کہ وہ بھی دوسری رکعت کے قیام کے بعد ملا۔

ہدایہ میں ہے:

من ادرك الإمام يوم الجمعة صلى معه ما ادركه و بنى عليها الجمعة وان كان ادركه في التشهد أو فى سجود السهو بنى عليها الجمعة عندهما وقال محمد إن ادرك معه أكثر الركعة الثانية بنى عليها الجمعة .

(۳۷)-تین آدمی بھی جمع ہو جائیں تو جمعہ پڑھ لے۔

اس پر یوں فرمایا: یہ بھی ہمارے امام کے مذہب کے خلاف ہے کم سے کم چار آدمی درکار ہیں۔

در مختار میں ہے: والسادس الجماعة وأقلها ثلثة رجال سوى الإمام.

(۳۸)-عید کی نماز ہر مسلمان پر واجب ہے مرد ہو یا عورت۔

یہ بھی غلط ہے۔ مذہب حنفی میں عورتوں پر نہ جمعہ ہے نہ عید۔

ہدایہ میں ہے: تجب صلوة العيد علىٰ كل من تجب عليه صلوة الجمعة .

اسی میں ہے: لاتجب الجمعة على مسافر ولا امرأة .

(۳۹)ص ۶۵: دونوں عیدیں جب بارش وغیرہ کا عذر ہو مسجد میں جائز ہیں۔

اس پر فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ بارش وغیرہ کا عذر نہ ہو تو مسجد میں ناجائز ہیں یہ محض غلط ہے۔

در مختار میں ہے : الخروج اليها اى الجبانة لصلوة العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع . (جامع مسجد کشادہ ہو تب بھی عید کی نماز کے لیے ویرانہ میں جانا سنت ہے۔)

(۴۰)-بکری بھینگی ناجائز ہے۔

یہ بھینگی کا حکم بھی غلط لکھ رہا ہے مذہب حنفی میں بھینگی بکری کی قربانی جائز ہے۔

ردالمحتار میں ہے: وتجوز الحولاء مافى عينها حول .

(۴۱)-ایک دن میں جمعہ و عید اکٹھے ہوں تو جمعہ میں رخصت آئی ہے لیکن پڑھنا بہتر ہے۔

اسی پر یوں تحریر فرماتے ہیں:

یہ بھی غلط ہے مذہب حنفی میں عید واجب اور جمعہ فرض ہے کوئی متروک نہیں ہو سکتا۔

ہدایہ میں ہے: وفي الجامع الصغير عيدان اجتمعا في يوم واحدفالاول سنة والثانى فريضة ولا يترك واحد منهما.

(۴۲)- عید کے پیچھے تین دن تک قربانی درست ہے۔

مذہب حنفی میں صرف بارھویں تک قربانی جائز ہے۔

درمختار میں ہے: تجب التضحية فجر يوم النحر إلىٰ اٰخر أيامه وهي ثلثة أفضلها أوّلها.

(۴۳)- خاوند اگر اپنی عورت کو غسل دے جائز ہے۔

اس پر فرمایا: مذہب حنفی میں محض ناجائز ہے۔

درمختار میں ہے: ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليهاعلى الاصح.

(۴۴)- شہید پر نماز پڑھنی ضروری نہیں۔

مذہب حنفی میں ضروری ہے۔

درمختار میں باب الشہید میں ہے: يصلى عليه بلا غسل.

(۴۵)- جو جنازہ میں نہ مل سکے قبر پر پڑھ لے۔

مذہب حنفی میں جو نماز جنازہ میں نہ مل سکے اب وہ کہیں نہیں پڑھ سکتا، کہ نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں مگر اس حالت میں کہ پہلی نماز اس نے پڑھ لی ہو جسے ولایت نہ تھی۔

درمختار میں ہے: إن صلى غير الولى ولم يتابعه الولى اعاد الولى ولو علىٰ قبره إن شاء وليس لمن صلى عليها ان يعيد مع الولى لأن تكرارها غير مشروع.

(۴۶)- "جو مر جائے اور اس پر فرض روزے رہ جائیں اس کے ولی کو چاہیے کہ اس کی طرف سے روزے رکھے"۔ مذہب حنفی میں کوئی دوسرے کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا۔

ہدایہ میں ہے: لايصوم عنه الولي ولا يصلى لقوله ﷺ لايصوم أحد عن أحد ولا يصلى أحد عن أحد.

(۴۷) ہر مسلمان امیر و غریب پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

مذہب حنفی میں صرف غنی پر واجب ہے فقیر پر ہرگز نہیں۔

ہدایہ میں ہے : صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم إذا كان مالكا لمقدار النصاب فاضلا عن مسكنه وثيابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبيده لقوله عليه الصلوة والسلام: «لاصدقة الاعن ظهر غِنیً».

(۴۸)-صدقہ فطر عورت کا خاوند کو لازم ہے۔

یہ بھی مذہب حنفی کے خلاف ہے۔

ہدایہ میں ہے: لا يؤدى عن زوجته.

(۴۹)-"صدقہ فطر نماز سے پیچھے ناجائز ہے" یہ بھی محض غلط ہے۔

ہدایہ میں ہے: ان اخروها عن يوم الفطر لم تسقط وكان عليهم إخراجها.

(۵۰)-اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے سال بھر میں جب کیا جائے جائز ہے رمضان شریف کے پچھلے عشرہ میں افضل ہے۔

مذہب حنفی میں پچھلے عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے۔

عالم گیری میں ہے: الاعتكاف سنة مؤكدة في العشر الاخير من رمضان.

"یہ چھوٹے چھوٹے گنتی کے اوراق میں اس کے پچاس دھوکے ہیں اور بہت چھوڑ دیے، اور صرف اس کی ایک کتاب ہی پیش نظر ہے۔ باقی ۱۳/ میں خدا جانے اپنے دین و دیانت کو کیا کچھ تین تیرہ کیا ہوگا۔ اس کے حمایتی دیکھیں کہ ہدایہ وغیرہ حنفیہ کی معتبر کتابوں میں مسائل خلافیہ لکھنے کا کیا یہی طریقہ ہے کہ غیر مذہبوں بلکہ لا مذہبوں کے مسائل لکھ جائیں اور انھیں کو احکامِ خدا و رسول ٹھہرائیں اور مذہب حنفی کا نام بھی زبان پر نہ لائیں؟ یہ صریح دغا بازوں، فریبیوں، بددیانتوں، مفسدوں، ودشمنانِ حنفیہ کا کام ہے۔ تو یہ مصنف اور اس کے حمایتی جتنے ہیں سب مذہب حنفی کے دشمن اور حنفیہ کے بدخواہ ہیں۔ مسلمانوں پر ان سے احتراز فرض ہے۔"[1]

(1)-فتاوی رضویہ، ۲۱۵/۱۱، رضا اکیڈمی، ممبئی ۳.

ردفلسفہ

امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ جہاں علوم دینیہ، تفسیر، حدیث، رجال، فقہ، اصول فقہ، اصول تفسیر و حدیث وغیرہ میں یکتائے روزگار تھے وہیں لغت، ہیأت، نجوم، توقیت، حساب اور منطق و فلسفہ وغیرہ جیسے علوم و فنون میں بھی ماہر و یگانہ تھے۔ ہر فن سے متعلق ان کی تصنیفات بھی ہیں جو ان کی جلالت شان اور عظمتِ مقام کی منہ بولتی دلیل ہیں۔ مختلف علوم و فنون پر مشتمل دیگر لوگوں کی تصانیف پر بھی آپ نے بارہا کلام فرمایا اور ان کی غلط بیانیوں کی نشان دہی بھی فرمائی۔

چناں چہ آپ کی بارگاہ میں ایک رسالہ پیش کیا گیا جو جدید منطق و فلسفہ کے قواعد پر مشتمل تھا، آپ سے اس رسالہ کے چند مشمولات کے بارے میں سوال کیا گیا کہ یہ صحیح ہیں یا نہیں تو آپ نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے آراستہ جو ابات تحریر فرمائے جن سے آپ کی وسعت نظری اور تبحر علمی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ کی اس گراں قدر تحقیق کے شہ پارے فتاوی رضویہ، جلد:۱۱ میں ایک رسالہ بنام ''مقامع الحدید علی خدّ المنطق الجدید'' میں موجود ہیں ہم بطور اختصار ان میں سے چند کو ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ سوال میں مذکور ہے:

> رائے بیضاضیائے حضرات علمائے دین- ادام اللہ برکاتھم إلیٰ یوم الدین، پر واضح ہو کہ ان روزوں (دنوں) زید فلسفی نے کہ اپنے آپ کو سنی کہتا بلکہ اعلم علمائے اہل سنت جانتا اور اپنے سوا اور علما کو بہ نگاہِ تحقیر و اہانت دیکھتا ہے ایک کتاب منطق میں تالیف کی اور اسے جابجا ذکر ہیولیٰ وقدم اشیا و عقولِ عشرہ مزعومۂ فلاسفہ و غیر ذلک مسائل فلسفیہ سے مملو و مشحون کیا۔
>
> یہ خادم سنت بہ نظر حمایت ملت اس سے چند اقوال التقاط کر کے مشہد انظار عالیہ علمائے دین میں حاضر کرتا ہے۔

اس کے بعد بالترتیب اقوال نقل کیے اور جواب میں بالترتیب ان کی تحقیق و تفتیش اور ان کا رد پیش کیا گیا۔ قول اول کا خلاصہ یہ ہے کہ اس فلسفی نے لکھا کہ تحقیق یہ ہے کہ سب کی سب طبیعتیں محض مجرد نہیں ہیں، بلکہ باب تجرد میں ان طبائع کے چند مراتب ہیں۔ پھر ان مراتب کی نشان دہی کرتے ہوئے ساتویں مرتبے کے تحت کہا کہ ساتواں مرتبہ ماہیات مجردہ کا مرتبہ ہے کہ ماہیات کا مادہ سے تقویم و حلول یا تدبیر و تصرف کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں

ان کا مادے سے تعلق صرف خلق و ایجاد کے اعتبار سے ہے اور یہ مفارقاتِ قدسیہ کے حقائق ہیں جیسے معقب قدسی اور سارے عقولِ عشرہ اور حقیقت واجبہ۔

نیز دوسرے رسالہ "القول الوسیط" میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں لکھی ہے:

"العلة الجاعلة هل يجب كونها واجبة الوجود أويمكن كونها ممكنة؟ المشهور الثانى فيما بين الحكماء لكن المحققين منهم نصوا انّ العلة المؤثرة بالذات هو البارى ، والعقول كا لوسائط والشروط لتعلق التاثيرالواجبي بغيرها كيف والماهية الإمكانية إنما وجودها بالاستعارة عن الواجب ، فهو المعطي بالذات، الوجودات ، فان اعطاء المستعير ليس إعطاء حقيقة وإنما هو اعطاء من تلقاء المالك ، كما أن استناد إضاءة العالم إلى القمر ليس حقيقة بل بحسب الظاهر ، وإنما هو مستند إلى الشمس ، والقمر واسطة محضة لانتقال ضوءها إلى العالم ، فالمنير بالذات هى لاهو ، فعلّية الممكن للممكن ظاهرية مجازية ، فهذا الوجود الضعيف يصلح علّة بمعنى الواسطة والشرط والمتمم والآلة لا مفيدة لا وجود حقيقة وقداستوفى هذا التحقيق في مقامه."

اس کے جواب میں آپ یوں تحریر فرماتے ہیں:

قولِ اوّل: کہ اس میں بالتصریح باری عَزَّ مجدُہ کو تدبیر و تصرفِ مادیات سے بے علاقہ مانا، مثلاً بدن انسانی میں جو مُبین متین، ظاہر، باہر زاہر قاہر تدبیریں صبح شام، دن رات ہر وقت عیاں و نہاں ہوتی رہتی ہیں جن کی حکمتوں میں عقول متوسطہ انگشت بہ دنداں ہیں، یہ سب جلیل و جمیل کام نفسِ ناطقہ کی خوبیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اصلاً ان سے تعلق نہیں، نہ اس کا بندوں کے بدنوں میں کوئی تصرف۔

لا إله إلا الله محمد رسول الله — أستغفر الله — والعياذ بالله.

اس سے بڑھ کر کون سا کفر ملعون ہوگا، سورہ یونس و سورۂ رعد و سورہ الم تنزیل السجدہ کے پہلے رکوع اس نزعۂ فلسفیّہ کے رَدکو بس ہیں۔ اور سورہ یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے رکوع چہارم میں فرماتا ہے:

«قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۱» [يونس: ۳۱]

اس آیت کے تحت کائنات کے بے شمار امور کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فقیر غفرلہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ دو حرف مختصر بقدر ضرورت ذکر کیے ورنہ روز اول سے اب تک جو کچھ ہوا اور آج سے قیامت تک اور قیامت سے ابدالآباد تک جو کچھ ہو گا وہ سب کا سب ان دو لفظوں کی شرح ہے کہ -يدبّر الأمر -سبحانه ماعظم شانه-

مسلمان غور کرے کہ یہ عظیم حکیم کام جن کے بحر سے ایک قطرے اور صحرا سے ایک ذرے کی طرف ہم نے اجمالی اشارہ کیا، شبانہ روز انسان کے بدن میں ہوا کرتے ہیں اور لاکھوں کروروں نفوس ناطقہ کی زمین کو ان کی خبر نہیں ہوا کرتی۔ ہزاروں میں دو ایک سالہا سال کے ریاض و تعلیم میں، ان میں سے اقل قلیل پر بقدر قدرت اطلاع پاتے ہیں — اس پر جو کل بگڑی بنائے نہیں بنتی — جو ڈور الجھے سلجھائے نہیں سلجھے۔ پھر کیسا سخت جاہل ہے جو تدبیر ابدان، نفس کے سر دھرے۔

اس کے بعد اس قول کے کفر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

زید کے اس قول میں ایک کفر جلی تو یہ ہے — ثم أقول، ناظر عارف، مناظر منصف آگاہ و واقف کہ سوقِ عبارت سے خالقیتِ عقول متبادر و منکشف۔ اور قائلانِ عقول کا یہ مسلک ہونا اس کا اقوی مشیّد و مرصّف۔ اگرچہ پاے مکابر لنگ، نہ مجال مناقشہ تنگ، اور اگر نہ سہی تاہم تعادل کفتین میں اشتباہ نہیں اور نہ بھی مانو تو ایہام شدید سے بچنے کی راہ نہیں — اور ایسی جگہ مجرد ایہام بحکم شرع ممنوع و حرام ہے۔ کما سيأتي.

اس کے بعد بے شمار آیات بیّنات سے اس کے مدعا کے خلاف پر استدلال فرمایا چناں چہ لکھتے ہیں:

بہ ہر حال اگر یہی مقصود تو اس کا کفر بواح ہونا خود ایسا بیّن کہ محتاج بیان نہیں۔

(۱)-رب تعالیٰ فرماتا ہے: «هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ» [فاطر: ۳]

(۲)-اور ارشاد فرماتا ہے: « يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ» [الحج: ۷۳]

اے لوگو! ایک کہاوت بیان کی گئی اسے کان لگا کر سنو، بے شک وہ جنھیں تم اللہ کے سوا معبود ٹھہراتے ہو ہر گز ایک مکھی نہ بنائیں اگرچہ اس پر ایکا کر لیں۔

(۳)-اور ارشاد فرماتا ہے: « اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾» [الأعراف: ٥٤]

سن لو! خاص اُسی کے کام ہیں خلق و تکوین، برکت والا ہے اللہ مالک سارے جہان کا۔

(۴)-اور فرماتا ہے: «اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۠» [الروم: ٤٠]

اللہ وہ ہے جس نے تمھیں بنایا، پھر روزی دی، پھر مارے گا پھر جِلائے گا۔ تمھارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کرے؟ پاکی اور برتری ہے اُسے ان کے شرک سے۔

(۵)-اور سُورۂ لقمان میں افلاک و عناصر و جمادات و حیوانات و آثارِ علویہ و نباتات سب کی طرف اِجمالی اشارہ کرکے ارشاد فرماتا ہے:

«هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۠» [لقمان: ١١]

یہ سب تو خدا کا بنایا ہوا ہے وہ مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا اوروں نے کیا بنایا، بلکہ ناانصاف لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

اس کے بعد یوں لکھتے ہیں:

سلّمنا کہ زید کا یہ مطلب نہیں، نہ وہ عقول عشرہ کو خالق بالذات و موجد مستقل مانے بلکہ انھیں صرف شرط و واسطہ جانتا، اور باری تعالیٰ کی تاثیر و فاعلیت کا متمم مانتا ہے تو گویا "مثلاً" اسی تنویع کی طرف مشیر، کہ علاقہ خلق ہو یا وساطت فی الخلق، اور اس قدر سے اسے انکار کی گنجائش نہیں، کہ دوسرے رسالہ میں خود اس کا اقرار کیا اور اسے مذہب محقق و مشرب حق قرار دیا- تو یہ خود کفر واضح وارتداد فاضح ہونے میں کیا کم ہے کہ اس میں صراحۃً اس قادر ذوالجلال، غنی متعال تبارک و تعالیٰ کو خلق و ایجاد میں غیر کافی، اور دوسری چیز کے توسط وآلیت کا محتاج اور صاف صاف اس قدیر مجید کو فاعلیت میں ناقص، اور عقول عشرہ کو اس کا کامل و تام کرنے والا ماننا- وَاَیّ کُفْرٍ اَفحشُ مِنْ هٰذا؟ یہ ایک کفر نہیں بلکہ معدنِ کفر ہے۔ باری کا عجز ایک کفر- دوسرے کی طرف نیاز دو کفر- آپ ناقص ہونا تین کفر- غیر سے تکمیل پانا چار کفر- خالق مستقل نہ ہونا پانچ کفر۔

فکفر فوق کفرٍ فوق کفر   کاَنّ الکفر من کُثْرٍ وَفْر
کــماءٍ اٰسِنٍ فی نتنٍ دَفْر   تَتابعَ قطره من ثَقْبِ کفر

ولاحول ولاقوة إلّا بالله العليّ العظيم.

ثمّ اقول: اِستقصا کیجیے تو ہنوز تعدّدِ خالق کے لوائح، کلامِ زید سے عَلانیہ لائح- قول وسیط کی تقریر- اس میں چاند سورج کی تنظیر- قید "بالذات" کی بار بار تکریر صاف صاف بتارہی ہے کہ عقول سے صرف خالقیت ذاتیہ منتفی

مانتا ہے-نہ خالقیت مستفادہ- اور اس قدر واقع ونفس الامر میں صدقِ خالق کا منافی نہیں-یوں توعلم وسمع وبصر وحیات بلکہ نفس وجود تمام عالم سے منفی اور حضرت حق جل و علا سے خاص- پھر بایں ہمہ ۔«وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ»[یوسف: ٦٨] ⊙ «فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا(٢)»[الدهر: ٢] ⊙ «بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ»[آل عمران: ١٦٩] ⊙ «فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ(١١٧)»[البقرة: ١١٧] .قضایاے حقہ صادقہ ہیں۔اور حقائق الاشیاءِ ثابتة.

پہلا عقیدہ خود اپنی ہی نظیر میں دیکھے کہ نور قمر تاب آفتاب سے مستفاد ہونا« جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا» [یونس: ٥] کے مخالف نہ ٹھہرا؟

اور لفظ ''مجازی'' جس طرح حقیقت کے مقابل بولتے ہیں یوں ہی بمقابلۂ ذاتی اطلاق اور ذاتی کو بلفظ حقیقت خاص کرتے ہیں۔ ہماری ملک ملکِ مجازی ہے، یعنی بعطاے الٰہی نہ اپنی ذات سے -نہ یہ کہ حقیقت و نفس الأمر میں باطل ہے۔

قال الله تعالیٰ: «فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ(٧١)» [یٰس: ٧١]

اس کے بعد بے شمار مثالوں سے اس پر استشہاد کرنے کے بعد یوں فرماتے ہیں:

وبالجملہ باری تبارک وتعالیٰ کو کسی شَے کی تدبیر وتصرف سے بے تعلق، یا اس کے غیر کو خالقِ جواہر، خواہ ایجاد باری تعالیٰ کا متمم کہنا قطعاً جزماً کفریات خالصہ — اور یہ سب مسائل اجلی ضروریات دین سے ہیں-بلکہ ان میں بھی ممتاز اور اپنے کمال وضوح میں تجشم ایضاح سے غنی وبے نیاز۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: کہ یہاں کوئی صورتِ اکراہ نہ تھی اور بلا جبر واکراہ کلمۂ کفر بولنا خود کفر ہے۔اگر چہ دل میں اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو اور عامۂ علما فرماتے ہیں کہ اس سے نہ صرف مخلوق کے آگے بلکہ عنداللہ بھی کافر ہو جائے گا کہ اس نے معاذ اللہ دین کو کھیل بنایا اور اس کی عظمت خیال میں نہ لایا۔

اس پر مندرجہ ذیل اقوالِ ائمہ سے استدلال فرمایا:

(۱)-امام علامہ فقیہ النفس فخر الدین اوز جندی علیہ الرحمۃ خانیہ میں فرماتے ہیں:

''رجل كفر بلسانه طائعاو قلبه على الإيمان يكون كافراً، و لا يكون عندالله مؤمنا''.

(۲)-حاوی میں ہے:

''من كفر باللسان وقلبه مطمئن بالإيمان فهو كافر وليس بمؤمن عند الله.''

(۳)-مجمع الانہر و جواہر الاخلاطی میں ہے، هذا لفظ المجمع :

”من كفر بلسانه طائعاوقلبه مطمئن بالإيمان فهو كافر ولاينفعه مافي قلبه ،لأنّ الكافر يعرف بما ينطق به بالكفر فإذا نطق من الكفر كان كافرا عندنا وعندالله تعالیٰ .“

(۴)-بحرالرائق میں ہے :”والحاصل انّ من تكلم بكلمة الكفر هازلاً أو لاعباً كفر عندالكل، ولا اعتبار باعتقاده ، ومن تكلّم بها خطأ أومكرهاً لايكفر عند الكل، ومن تكلم بها عالماً عامدا كفر عند الكل “.

(۵)-طریقۂ محمدیہ وحدیقۂ ندیہ میں ہے : التكلم بما يوجبه (أي الكفر) طائعاً من غير سبق اللسان عالماً بأنّه كفر (كفر) بالاتفاق ، وكذاالفعل ولوهزلاً ومزاحاً بلا اعتقاد مدلوله ، بل مع اعتقاد خلافه (بقلبه) فإنه يكفر عندالله تعالیٰ أيضاً فلا يفيده (فی عدم الكفر) اعتقاد الحق (بقلبه) لأنّ ذٰلك جُعِلَ كفراً في الشرع ، فلا تعمل النيّة في تغييره. اهـ .ملخصاً.

رہا یہ کہ فلاسفہ کے طور پر کہا۔ اس پر فرماتے ہیں:

أقول : سچ ہے، ہم کب کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے طور پر کہا، آخر جو کلمۂ کفر کہا جائے گا والعیاذ باللہ تعالیٰ وہ غالباً کسی نہ کسی فرقۂ کافرہ کے طور پر ہو گا۔ پھر کیا اس قدر اس حکم سے نجات دے سکتا ہے؟

اس کے بعد مزید اقوال نقل کرتے ہیں:

(۶)- مُنَقّحِ مذہب حضرت امام ربانی ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تصریح فرماتے ہیں کہ :”جو شخص اپنی زبان سے ” المسيح ابن الله “ کہے اور کوئی لفظ ایسا کہ حکایت قول نصاری پر دلیل ہو، ذکر نہ کرے ، اگرچہ قصدِ حکایت کا دعوی کرتا رہے، ہرگز سچا نہ ٹھہرائیں گے اور عورت نکاح سے نکل جانے کا حکم دیں گے ۔“

(۸)-علامہ بدر الدین رشید حنفی رسالہ الفاظِ مُکَفِّرہ میں فتاوی صغری وغیرہا سے ناقل:

”لوقالت للقاضی سمعت زوجي يقول: ”المسيحُ ابنُ الله“ فقال، انما قلت حكاية عمّن يقوله ،فانّه اقرّ انّه لم يتكلم الا بهٰذه الكلمة بانتِ امرأته“.

اُسی میں ہے : قال محمد ان شهدالشهود انّهم سمعوه يقول المسيح ابن الله، ولم يقل غير ذٰلك ، يفرق القاضی بينهما ولا يصدّقه.

(۸)-اِعلام بِقواطع الاسلام میں ہے: ”سأل رجل مالکاعمن یقول القرآن مخلوق، فقال مالك: کافر، اقتلوه، فقال: انمّا حکیته عن غیری، فقال مالك: إنما سمعناه منك“.

(۹)-امام علامہ قاضی عیاض مالکی قدسَ سّرُہ، شفا شریف اور علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

”أمّا ذکر ها علیٰ غیر هذا (الوجه من الرّدّ والابطال و نحوه مما مرّ) علیٰ وجه الحکایات والخوض في قیل وقال وما لا یعنی، فکل هذا (المحکی) ممنوع (غیر جائز شرعاً) و بعضه اشدّ في المنع والعُقُوبة من بعض، فما کان من قائله الحاکی له، (عن غیره) علی غیر قصدٍ ومعرفة بمقدارماحکاه، ولم یکن عادته (وإنما وقع منه نادراً) ولم یکن الکلام (الذی حکاه) من البشاعة حیث هو ولم یظهر علیٰ حاکیه استحسانه واستصوابه زُجرَ (وَوُبّخَ) ونهی عن العود الیه وإن قوم ببعض الادب فهو مستوجب له، وإن کان لفظه من البشاعة حیث هو، کان الادب اشدّ“.اهـ. ملخّصاً.

*****

اس کے بعد سوال میں اس فلسفی کے ۲/۳/۴/ دعاوی کا خلاصہ یوں ہے:

قول دوم: المسئلة القائلة بأن کلَّ حادثٍ مسبوق بمادة مخصوصة بالحادث الزمانی، والمادة حادث ذاتی.اهـ.

قول سوم: الصورة الجسمیة والنوعیة ایضا من الحوادث الذاتیة.

قول چہارم: السرمدیات والثابتات الدهریة کالعقول والنفوس القدیمة. اهـ.

اس پر آپ نے یوں فرمایا: کہ قول دوم، سوم و چہارم کا بھی بعینہ یہی حال ہے کہ ان میں ہیولی و صورت جسمیہ و صورت نوعیہ و عقول عشرہ و بعض نفوس کو قدیم زمانی مانا—اور یہ سب کفر ہیں۔ ائمۂ دین فرماتے ہیں کہ جو کسی غیر خدا کو ازلی کہے باجماعِ مسلمین کافر ہے۔ پھر آپ نے اس پر مندرجہ ذیل اقوال پیش فرمائے:

(۱)-شفا و نسیم میں فرمایا:

من اعترف بالٰهیة الله تعالیٰ ووحدانیته لٰکنّه اعتقدقدیماً غیره، (أي غیر ذاته وصفاته،إشارة إلیٰ ماذهب إلیه الفلاسفة من قدم العالم و العقول) اوصانِعاً للعالَم سواه

(کالفلاسفة الذين يقولون إنّ الواحد لايصدر عنه إلّا الواحد) فذلك كلّه كفر (ومعتقده كافر باجماع المسلمين كالالٰهيين من الفلاسفة والطبائعين).اھ.

اسی میں فرمایا: نقطع بكفر من قال بقدم العالَم او بقائه اوشك في ذٰلك علىٰ مذهب بعض الفلاسِفة (ومنهم من ذهب لغيره .وقدكفّرهم أهل الشرع بهٰذا ،لمافيه من تكذيب الله ورسله وكتبه) الىٰ ان قال فلا شك في كفر هٰؤ لا قطعاً اجماعاً وسَمعاً.

(۲)-علامہ ابن حجر مکی ہیتمی اعلام میں فرماتے ہیں:

اعتقاد قِدَمِ العالَم او بعض اجزاءِه كفر، كما صرحوا به.

اسی میں ہے: من المكفرات القول الذي هو كفر،سواء اصدر عن اعتقاد أو عناد أو إستهزاء فمن ذلك اعتقاد قدم العالم.

(۳)-شرح مواقف میں ہے:إثبات المتعدّدمن الذوات القديمة هو الكفر اجماعاً .

(۴)-طوالعُ الانوارِ من مّطالعِ الانظار میں ہے: القول بالذوات القديمة كُفر.

(۵)-شرح فقہ اکبر میں ہے: مَن يؤوّل النصوص الواردة في حشرِ الاجساد وحدوثِ العالَم وعلم البارى بالجزئيات فانّه يكفر.

(۶)-بحرالرائق میں جمع الجوامع اور اس کی شرح سے منقول ہے:

من خرج ببدعته من اهل القبلة كمنكرى حدوث العالم، فلا نزاع في كفرهم لانكارهم بعض ماعلم مجيئ الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم به ضرورة.

(۷)-ردالمحتار میں شرح تحریر علامہ ابن الہمام سے منقول ہے:

لاخِلاف في كفر المخالف في ضروريات الاسلام من حدوثِ العالم وحشر الاجساد ونفى العلم بالجزئيات، وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات.

(۸)-امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ محصّل میں فرماتے ہیں:

اتّفق المتكلمون علىٰ اَنّ القديم يستحيل إسناده الى الفاعل.

*****

قول پنجم: کلی طبعی کے موجود فی الخارج ہونے پر لکھا:

إعلم ان الباقر استدل علیٰ هذا بان طبيعة الحيوان المرسل ليس متعلق الذات بمادة ومدة ، فلايكون مرهون الوجود بالإمكان الاستعدادى ، فالإمكان الذي هناك ملاكُ فيضان الوجود ، فإذا كان هذا الحيوان المتعلق بالمادة فائض الوجود كان المرسل أحق بالفيضان لاستحقاق الإمكان الذاتي . وحاصله أن الحيوان المطلق مستحق للوجود بإمكانه الذاتي ، والحيوان الخاص الجزئي يتوقف في وجوده على استعدادٍ ومادّةٍ وغواشيها فالمطلق الكلی أحق بفيضان الوجود .

فلايرد ما اورده بعض الکُتّاب بانّ الامكان علة اقتصار ، لا علة الجعل . فحقيقة الفيض لايستلزم الفعلية— لم لايجوز ان الطبيعة لقصور هاوعدمِ قابليتها للوجود الخارجی ، ما استفاض الوجود . انتهى .

ثم هذا القول مردود بوجوه :

الأول : اَنّ احقية الفيض مستلزمة للفعلية لا نه لابخل من جانب المبدء الفياض ، فلولم يوجود الاحق واستفاض منه غير الاحق لزم ترجيح المرجوح . اهـ.باختصار .

اس پر فرمایا کہ یہ قول متعدّد ضلالتوں، متکثر جہالتوں کی طرفہ معجون ۔بلکہ معجون فلاسفہ قرۃ العیون ہے۔ پھر اوّلاً، ثانیاً سے کئی طرح اس پر اعتراضات وارد کیے چناں چہ فرماتے ہیں:

فأقول أوّلاً: تمام انواع کا قِدم لازم کہ جب طبائع مرسلہ میں مجرد امکانِ ذاتی— ملاک فیضان— اور امکانِ ذاتی—یعنی دائرۂ قدرت میں داخل ہونا، قطعًا ازلی۔ والالزم الانقلاب— اور جناب مبدی تبارک وتعالیٰ میں قطعًا بخل نہیں۔ تو واجب ہوا کہ ہر نوع قدیم ہو۔

اور یہ امر اصولِ باطلہ فلسفہ پر قدم ہیولیٰ وقدم صورتِ جسمیہ، وقدم صورت نوعیہ، وقدم جمیع اشخاص منحصرہ فیہا الانواع، وقدم بعض افراد انواع باقیہ، وقدم انواع واشخاصِ اعراض لازمہ علی التفصیل المشار الیہ کو مستلزم، کما لایخفی پورا پورا مذہب نامہذب فلسفۂ مزخرفہ کا ثابت ہوگیا۔

فلسفی متبوع کا مطلب بمادۃ ومدۃ سے نکلتا تھا، مُتفلسف تابع نے مستلزمہ للفعلیہ صاف لکھ دیا، ہیہات !اس متبوع سے کیا جائے شکایت کہ وہ حضرات تو قدیماً وحدیثاً سفہاے سفسطہ کے فضلہ خوار رہے ہیں۔ ومن لم یستغن بالقرآن فلا اغناہ اللہ. مگر اس تابع مدعی تسنّن کا تلون وتفنن قابلِ تماشا۔

ثانیاً: اور اشدّ و اعظم قباحت لازم کہ اس تقدیر پر قدرت الہیہ صرف انواعِ موجودہ میں منحصر ہو جاتی ہے۔ اور جو نوع نہ بنی اس کے یہ معنی کہ حق جل و علا کو اس پر قدرت ہی نہ تھی کہ اگر مقدور ہوتی تو ممکن ہوتی۔ اور طبیعت مطلقہ میں نفس امکان مستلزم فیضان، تو انتفاے لازم انتفاے ملزوم پر دلیل جازم۔ و لا حول و لا قوة الا بالله العلی العظیم.

یہ شناعت خبیثہ تو ایسی ہے کہ جس طرح اسلامیوں کے نزدیک کفر، یوں ہی شاید فلسفیوں کو بھی مقبول نہ ہو کہ وہ بھی تقاسیم کلی میں کلی معدوم الافراد کو قسیم ممتنع الافراد کی قسم بتاتے ہیں۔ کما صُرِّح به في اسفارهم.

یا للعجب! اگر باقر غافل تھا "متبقر"، تو عاقل تھا۔ ولٰکن صدق ربُّنا تبارك و تعالیٰ، «فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ» [الحج: ٤٦]

ثالثاً: تابع و متبوع کا یہ قول کہ "جانب مبدء میں بخل نہ ہونا مستلزم فیضان ہے" اصولِ سنت سے محض مباین ــــ اہل سنت کا ایمان ہے کہ مبدی تبارک و تعالیٰ جواد، کریم، اکرم الاکرمین ہے۔ جَلَّ جَلَالُہ و تقدّس فَعَالُہ مگر بایں ہمہ کوئی شے اس پر واجب نہیں مانتے۔

عالم جب تک نہ بنایا تھا وہ جب بھی جواد تھا۔ اور اگر کبھی نہ بناتا تاہم جواد ہوتا۔ نہ اس نہ بنانے سے کوئی عیب اُسے لگتا نہ کوئی نقصان اس کے کمالِ اکمل میں آتا۔ کسی شے کا ایجاد و اعدام کچھ اس پر ضرور نہیں۔

قال الله تعالیٰ: «فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ» [البروج: ١٦]

و قال تعالیٰ: «يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ» [ابراهيم: ٢٧] و «يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ» [المائدة: ١]

و قال تعالیٰ: «لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ» [الأنبياء: ٢٣]

و هٰذا واضح جليّ عند كل من نور الله بصيرته: «وَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ» [النور: ٤٠]

تو یہ استلزام بھی اسی فلسفہ ملعونہ پر مبنی کہ قادر مختار تعالیٰ شانہ کو فاعل موجب اور ایجاد عالم کو اس کے کمال کا سبب جانتے ہیں۔

رابعاً: متفلسف تابع نے شطرنج میں بغلہ اور طنبور میں ایک نغمہ اور زائد کیا کہ "اگر غیر احق صادر اور احق غیر صادر ہو تو ترجیح مرجوح لازم آئے گی"۔

سُبحٰن اللہ! نہ وہاں کوئی احق، نہ قادر حمید، فَعَّال لِمَّا یُرِیْد پر تمھاری عقولِ سخیفہ حاکم- نہ ہمارے نزدیک اس کے ارادہ کے سوا کوئی مرجح- اور ہو بھی تو اس پر کچھ اعتراض نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: «اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ» [الأنعام: ٤٧]

و قال تعالیٰ: «وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ» [الرعد: ٤١]

و قال اللہ تعالیٰ: «وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝» [القصص: ٦٨]

حاصل مذہب اہل سنت یہ ہے کہ تمام مقدورات اس جناب رفیع کے حضور یکساں ہیں۔ کوئی اپنی ذات سے کچھ استحقاق نہیں رکھتا کہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہیں۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل اقوال ائمۂ مذہب اہل سنت تائید میں پیش فرمائے:

(۱)-علامہ سنّوسی شرح جزائریہ میں فرماتے ہیں:

إن الذي أوقع المعتزلة في الضلالات، كا يجاب الثواب وفعل الصلاح والأصلح على الله اعتمادُهم في عقائدهم على التحسين والتقبيح العقليين، وقياسهم افعالَ الله تعالیٰ وأحكامه علیٰ أفعال المخلوقين واحكامهم، من غيرأن يكون في ذلك جامع يقتضي التسوية في الأحكام، والذي أجمع عليه أهلُ الحق انَّ الافعال كلها مستوية بالنّسبة الیٰ تعلق قُدرة الله تعالیٰ وإرادته بها.

(۲)-شرح طوالع میں ہے:

تخصيص بعض المقدورات بالتحصيل، وبعضها بالتقديم والتاخير لا بُدّله من مخصِّص، لان نسبة جميع المقدورات الیٰ ذاته متساوية وليس هونفس العلم، فانه، تابع للمعلوم، ولا القدرة فإنّ نسبتها الى الجميع على وتيرةٍ واحدة فلا بُدّ من صفةٍ أُخرى من شانها التخصيص، وهي الارادة.

(۳)-شرحِ مواقف میں ہے:

إعلم انّ الامة قد اجمعت اجماعاً مركبا علیٰ ان الله تعالیٰ لايفعل القبيح ولا يترك الواجب، فالاشاعرة من جهة انه لاقبيح منه ولا واجب عليه، واما المعتزلة فمن جهة أنّ

ما هو قبيح يتركه وما يجب عليه يفعله. ونحن قد بينا فيما تقدم انه تعالىٰ الحاكم فيحكم بما يريد و يفعل مايشاء، لاوجوب عليه كما لاوجوب عنه ولا استقباح منه .اھ۔

(۴)-شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

لايلزم عليه تعالىٰ شيء من فعل صلاحٍ او اصلح ، اوفساد او افسد بل هو الفاعل العدل المختار ، ويخلق الله مايشاء و يختار .اھ۔

(۵)-شرح عقائد نسفی میں ہے:

ليت شعری مامعنیٰ وجوب الشيء على الله تعالىٰ ، اذليس معناه استحقاق تاركه الذم والعقاب ، وهو ظاهر ، ولا لزوم صدوره عنه تعالىٰ بحيث لايتمكن من الترك بناءً على استلزامه مُحالاً من سفه أوجهلٍ أوعبث أوبخل أو نحوِ ذٰلك لانّه رفض لقاعدة الاختيار ، ومَيل الى الفلسفة الظاهرة العوار .

(۶)-طوالع میں ہے:

القادر هو الذي يصح منه أن يفعل المقدور وأن لا يفعل .اھ۔

*****

قول ششم: فلاسفہ نے مفہوم کی تقسیم جزئی وکلی کی طرف کی۔ اس پر اعتراض ہوا کہ:الجزئی المجرد لايدرك الابعنوان كلى ، والمادی لايمكن ارتسامه في العقل المجرد ، والمفهوم ماحصل في العقل. جزئی مجرد کا ادراک عنوان کلی کے بغیر نہیں کیا جاسکتا اور جزئی مادی کا عقل مجرد میں مرتسم ہونا ممکن نہیں اور مفہوم وہ ہے جو عقل میں حاصل ہو۔۔۔زید نے اسے طویلۂ عبارت طویلہ میں بیان کرکے لکھا:

الجواب: انا لا نسلم أن الجزئي الماديَّ يدرك بعنوان كلى ، بل ذلك هو التحقيق عندنا لأن العقول العشرة عندهم مبرّأة عن جميع شوائب النقص والقبح ، ومقدسة منزّهة عن سائر القبائح والنقائص ، والجهل اشدّ القبائح ، فلا يَعْزُب عن علمِها ذرّة من ذرّات الموجود في العالم كلياته وجزئياته ومادياته ومجرداته ، فلايمكن أن لايعلم العقل الأوّل مثلاً تشخصات الموجودات والالزم الجهل فيه .اھ۔

اس کے رد میں امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس میں عقول عشرہ کا تمام نقائص و قبائح سے مقدس و منزہ اور ان کے علم کا تام و محیط باحاطۂ تامہ ہونا نقل کیا۔ یہاں تک کہ کوئی ذرہ ذرات عالم سے ان پر مخفی رہنا ممکن نہیں۔ یہ خاص صفت حضرت عالم الغیب والشھادہ کی ہے۔

قال تعالیٰ : «وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ» [یونس: ۶۱]

نہیں چھپتی تیرے رب سے ذرہ برابر چیز زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اور اس کا غیر خدا کے لیے ثابت کرنا قطعاً کفر ہے۔ العزۃ للہ! اس عدم امکان کو مسلمان غور کرے کہ کیسا کفرِ واشگاف اور کتنے صریح نصوص قرآنیہ کا خلاف ہے۔

قال تعالیٰ:«وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ» [المدثر: ۳۱] کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا۔

قال تعالیٰ : «إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ» [حٰمٓ السجدة: ٤٧] اسی کی طرف پھیرا جاتا ہے علم قیامت کا۔

قال تعالیٰ : « وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ » [الملك: ٢٥،٢٦]

کافر کہتے ہیں یہ قیامت کا وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو۔ تو فرما اس کا علم تو خدا ہی کو ہے اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں صاف صاف۔

و قال تعالیٰ : «وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ إِلَّا بِمَا شَاءَ» [البقرة: ٢٥٥]

و قال تعالیٰ حکایة عن ملئکته:«سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝» [یونس: ٦١]

پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی دانا حکمت والا۔

سبحن اللہ! متفلسفہ کہتے ہیں کہ عقولِ عشرہ ملائکہ سے عبارت ہے۔ اگرچہ یہ بات محض غلط، کہ جو امور وہ بے عقول اِن دس عقول کے لیے ثابت کرتے ہیں، صفات ملائکہ سے اصلاً علاقہ نہیں رکھتے۔ و لا اکذب ممن کذبه القرآن.

بلکہ یہ صرف اُن سُفہا کے اوہامِ تراشیدہ ہیں جن کی اصل نام کو نہیں۔ « إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ» [النجم: ٢٣]

تاہم اگر مان لیں اور یوں سمجھیں کہ مشرکین عرب نے شانِ املاک (فرشتے) میں غُلو کے ساتھ تفریط بھی کی کہ انھیں عورتیں ٹھہرایا۔ کفارِ یونان نے وہ افراط خالص نباہا کہ اوصافِ خُلق سے متعالی بتایا۔ تو اب اس آیۂ کریمہ سے اُن عقول کی حالت ادراک کیجیے۔

کس طرح اِن احمقوں کو جھٹلاتے، اور اپنے مالک کے حضور اپنے عجز وبے علمی کا اقرار لاتے، اور پاکی وقدوسی اُس کے وجہِ کریم کے لیے خاص ٹھہراتے ہیں۔

صدق الله تعالیٰ : «سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴿۸۲﴾» [مریم: ۸۲]

اِعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

من ادّعیٰ علم الغیب في قضيّة أو قضايا لا يكفر و من ادّعى علمه في سائر القضايا كفر.

اور اسی میں علمائے حنفیہ سے کفر مُتَّفَق علیہ کی فصل میں منقول:

أو وصف محدثا بصفاته أو أسمائه.

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ غرض حکم مسئلہ واضح ہے صرف محل نظر اس قدر کہ یہاں زید نے لفظ عندھم لکھ دیا کہ صراحۃً حکایت پر دال۔

أقول: مگر قطع نظر اس سے کہ جملہ لایمکن ان لایعلم العقل الاول مثلاً الخ۔ کہ خود کفر جلی ہے، داخل حکایت نہیں، بلکہ تنزہ تام پر تفریع ہے، کما یشھد بہ سوقُ البیان ، عجب کرتا ہوں کہ یہ اسے مفید ہوا۔ اس نے مجردات کا جزئیات مادیہ کو بروجہ جزئی جاننا اپنا مذہب محقق بتایا۔ اور اس کی حقانیت پر اس قول کو دلیل ٹھہرایا، تو وہ یہاں محض محل نقل وحکایت میں نہیں، بلکہ مقام تمسّک واستناد میں ہے۔ وہ بھی مجیباً و منتصراً نہ سائلاً و صائلاً . تو یہ صاف اَمارتِ رضا وقبول ہے۔ کما لایخفی علیٰ کل عاقل، فضلاً عن فاضلٍ، علاوہ بریں ہم ثابت کر آئے کہ ایسے اقوال کا بہ تصریحِ حکایت بیان کرنا بھی حلال نہیں جب تک مقرون بہ رَدّ وانکار نہ ہو۔ [1]

قول ہفتم: اس میں لکھا کہ۔ عدم زمانی حقیقۃً عدم نہیں جس نے کسی وقت میں خلعت وجود پایا، یا پائے گا وہ نہ معدوم تھا نہ معدوم ہو۔ بلکہ یہ فقط پردہ وحجاب ہیں۔ پہلے نہ تھا یعنی پوشیدہ تھا اور اب نہ رہا، یعنی چھپ گیا ورنہ حقیقۃً وہ واقع ونفس الامر میں وجود سے منفک نہیں۔

(1)-فتاوی رضویه، ۱۱/ ۲۸٤.

اس کا رد فرماتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

اوّلاً: نصوص صریحہ قرآنیہ کے خلاف۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: « اَوَ لَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ یَكُ شَیْـًٔا» [مریم: ٦٧] کیا آدمی یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اُسے بنایا اس سے پہلے، اور وہ کچھ نہ تھا۔

زید مُتفلسف کہتا ہے۔ تھا کیوں نہیں؟ البتہ پوشیدہ تھا۔

حق جل وعلا فرماتا ہے: « وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ا۟لْاُوْلٰی ۙ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰی ۙ» [النجم: ۵۰، ۵۱] اللہ نے ہلاک کر دیا اگلی قومِ عاد کو اور ثمود کو، سو ان میں کوئی باقی نہ رکھا۔

زید متفلسف کہتا ہے، باقی کیسے نہیں؟ واقع و نفسُ الامر میں رُوحیں بدن سے متعلق ہیں۔ ہاں نگاہوں سے چھپ گئے۔

اس کے بعد اس کے بہت سے اقوال شنیعہ پھر ان کا رد قرآن کریم سے فرما کر اس کے بعد لکھتے ہیں:

اہل سنت کا اجماع ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر حمل کیے جائیں اور ان میں پھیر پھار حرام و نابہ کار — کما صرّح به في کتب العقائد متنا و شرحا.

ثانیاً: جب وِعاے دہر میں باقی رہنا حقیقۃً وجود ٹھہرا، اور اَعدامِ زمانیہ محض حجاب وخفا، تو لازم آیا کہ حضرت حق جل وعلا کسی موجود کو معدوم نہ کر سکے۔ اور اس کی مخلوق پر اس کا قابو نہ رہے کہ غایت درجہ انھیں غائب کر سکتا ہے، صفحۂ دہر سے مٹانا کیوں کر ممکن؟ کہ ہوئی اَن ہوئی کبھی نہ ہوگی۔ — و هذا بیّن جِدّاً—

ثالثاً: جو مسلمان بہ شفاعتِ سید الشافعین ﷺ یا بہ محض رحمت ارحمُ الراحمین جلّت عظمتہ، جہنم سے نکل کر جنت میں جائیں، اس مذہب پر لازم کہ وہ واقع و نفس الامر میں جہنم میں ہوں اور اس نکلنے کا صرف یہ حاصل کہ اُن کا دوزخ میں ہونا مخفی ہے۔

یوں ہی ابلیس قبل انکار سجود جنت میں تھا، قال تعالیٰ: « فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِیْهَا » [الأعراف: ۱۳] اُتر جنت سے کہ تیرے لیے یہ نہ ہوگا کہ تو اس میں غرور کرے۔

تو لازم کہ واقع و نفس الامر میں وہ جنت میں ہے اور یہ نکالنا فقط اُس امر کا چھپا ڈالنا۔

اگر کہیے اُن مسلمانوں کو عذاب وعِقاب کی تکلیف نہ رہے گی۔ہم کہیں گے تمھارے طور پر بے شک رہے گی۔نہایت یہ کہ چھپے چوری۔ واستغفر الله العظیم . اسی طرح شیطان کا التذاذ۔

غرض یہ کہ کسی قدر کوشش کیجیے خفاوظہور سے بڑھ کر کوئی بات نہ نکلے گی۔ اور کام واقع ونفس الامر سے ہے۔

رابعاً: لازم کہ کافر بحالت کفر داخل جنت ہو۔مثلاً زید کافر تھا اب اسلام لایا تو اس کے کفر پر صرف عدم زمانی طاری ہوا جس کا محصَّل اِختفا سے زیادہ نہیں۔ وجودِ حقیقی کی نفی نہیں کر سکتا۔ اور کفر طبیعت ناعتیہ ہے کہ اپنے قیام کو طالبِ موضوع اور تبدل موضوع بہ اجماعِ عُقلا ممنوع: فإنّ القائم بهذا غيرُ القائم بذاك۔

تو بالضرور وہ کفر کہ واقع ونفس الامر میں موجود ہے زید ہی کی ذات سے قائم۔ اور قیام مبدء صدق مشتق کو مستلزم تو حقیقتاً وہ کافر بھی ہے۔

اور ہر کافر کہ مسلمان ہوجائے بہ حکم شرع داخل جنت ہوگا۔تو بالضرورہ لازم کہ یہ کافر باوصفِ کفر داخل جنت ہو۔نہایت کار یہ کہ وہ کفر اس کا، بہ وجہ عدم زمانی پوشیدہ ہے اور اسلام آشکار۔

اس کے علاوہ اور بھی بحثیں، اور کتابِ مذکور پر کثیر مؤاخذے ہیں، جن کے لیے اصل کتاب (مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۱۱) کی مراجعت ضروری ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

” بالجملہ حکم اخیر یہ ہے کہ زید کے اقوال مذکورہ بعض حرام وگناہ ــــ اور بعض بدعت وضلالت ــــ اور اکثر خاص کلمات کفر۔ والعياذ بالله تعالیٰ.

اور زید بہ حکم شرع فاسق، فاجر، مرتکبِ کبائر ــــ بدعتی خاسِر، گمراہ غادِر۔ اس قدر پر تو اعلیٰ درجہ کا یقین ــــ اس کے سِوا اُس پر حکمِ کفر وارتداد سے بھی کوئی مانع نظر نہیں آتا۔حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ سب کے کلمات ــــ بلکہ صحابہ وتابعین سے لے کر اِس زمانے تک کے افتا وقضیات، بالاتفاق یہی افادہ کرتے ہیں۔ کما بیّنّاه في ”البارقة اللمعا“.

اس کے بعد ایک تنبیہ ”واجب الملاحظہ نافع الطلبہ“ لکھی ہے جس میں فلسفہ میں انہماک اور غلو کے عواقب ونتائج سے خبردار کیا ہے۔ اس تنبیہ میں بہت سی مفید اور چشم کشا باتیں لکھی ہیں، اس کی آخری سطریں یہ ہیں:

عزیزو ! میں نہیں کہتا کہ منطق اسلامیاں — ریاضی، ہندسہ وغیرہا اجزائے جائزہ فلسفہ — نہ پڑھو—پڑھو، مگر بقدرِ ضرورت—پھر ان میں انہماک ہرگز نہ کرو—بلکہ اصل کار علوم دینیہ سے رکھو— راہ یہ ہے، اور آئندہ کسی پر جبر نہیں— و الله يهدي من يشاء إلى صراطٍ مّستقيم.

———☆☆☆———

یہ فتاوی رضویہ جلد یازدہم سے متعلق اپنی نظر قاصر کے تحت چند کمالات و محاسن بیان کیے۔ مجھے احساس ہے کہ فرصت کی یاوری اور نظرِ عمیق کی کار فرمائی ہو تو ابھی کافی گنجائش باقی ہے۔

محمد ابراہیم کشمیری

متعلم درجۂ تحقیق سال اخیر-الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

معارف جلد دوازدہم

از

مولانا عارف حسین مصباحی

بنگال

عنوانات

۱- جلد دوازدہم کا اجمالی تعارف

۲- قرآن حکیم اور تفاسیر سے استدلال

۳- احادیث سے استدلال

۴- تخریج احادیث

۵- راویان حدیث پر جرح وقدح

۶- مختلف اقوال میں ترجیح

۷- دفع تعارض یا تطبیق

۸- حلّ اِشکالات

۹- اغلاط کی نشان دہی

۱۰- روایات باطلہ کی تردید

۱۱- اصلاح وموعظت کا عنصر

۱۲- حوالوں کی کثرت

۱۳- کچھ اہم اصول وقوانین

۱۴- رسم قرآنی، قواعد زبان، لغت

۱۵- منطقی جواہر پارے

۱۶- علم الاعداد

۱۷- دفع مصائب میں خلق خدا کی اعانت

فتاوی رضویہ جلد دوازدہم کا اجمالی تعارف

فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم میں کتنے ابواب کتنے مسائل اور کتنے رسائل ہیں؟ ذیل میں اس کی قدرے تفصیل ملاحظہ فرمائیں !

تاریخ : یہ بات سو فیصدی حق ہے کہ ابرار و صالحین کے اخلاق حسنہ، ان کے گراں مایہ کارناموں، نشر دین کے حوالے سے ان کی بے لوث خدمات اور خدمت خلق کے جذبات کے تذکرے پڑھنے اور سننے سے سراغ زندگی ملتا ہے، اور ان نفوس قدسیہ کے تابندہ نقوش قدم پر چلنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے، بلکہ مذہب اسلام کی کثیر عبادتوں، مثلاً نماز، حج اور قربانی وغیرہ میں انہی باعظمت شخصیات کے افعال و کردار کی نقل بھی موجود ہے۔ اس لحاظ سے تاریخ کا مطالعہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ اسلاف و اکابر کی تاریخ فراموش کر دینے سے صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہونے میں بہت زیادہ دیر بھی نہیں لگتی ہے۔ ایک تاب ناک مستقبل کے لیے انبیا، اولیا، اکابر اور بزرگان دین کی حیات طیبہ کے درخشندہ نقوش، خدمات اور کارناموں، معجزات و کرامات وغیرہ کو قلب و ذہن میں جگہ دینے کے ساتھ انھیں محفوظ رکھنا بھی از حد لازم ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں اس کا ایک مستقل باب ہی قائم ہے جس میں تاریخ سے متعلق ۱۱ر مسائل مذکور ہیں جن میں سے کچھ مبسوط، کچھ متوسط اور کچھ مختصر مگر بہت جامع ہیں۔ ایک رسالہ بھی ''نطق الہلال'' شامل ہے جس کا تعارف ابھی آئندہ سطور میں پیش کیا جائے گا۔

تفسیر: تفسیر کے معنی کشف و بیان کے ہیں۔ یعنی گویا مفسر اللہ تبارک و تعالیٰ کی مراد کی نشان دہی کرتا ہے اور اس پر جزم اسی وقت ہو سکتا ہے کہ وہ معنی حضور سید عالم ﷺ کے کسی ارشاد سے ثابت ہوں یا صحابۂ کرام سے منقول ہوں۔ یا ایسے تابعین سے ثابت ہوں جن کو مفسرین صحابہ یا مفسرین تابعین سے تفسیر سے متعلق احادیث کا سماع حاصل ہو۔ اگر کوئی شخص بلا دلیل کسی آیت کی تفسیر کرے تو وہ ہرگز ہرگز مسموع نہیں ہوگی، بلکہ ایسی تفسیر ''تفسیر بالرای'' قرار دی جائے گی جو سخت حرام و گناہ ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں بھی اس سے متعلق مستقل ایک باب قائم ہے، اس میں ۶ر مبسوط فتاویٰ ہیں، نیز اس میں درج ذیل رسائل بھی شامل ہیں:

(۱)-الصمصام علی مشکك فی آیة علوم الارحام. (۲)-اقامة القیامة علی طاعن القیام لنبیّ تهامة. (۳)-سبل الاصفیا فی حکم الذبح للاولیا. (٤)-انوار الانتباه فی حل نداء یا رسول الله.

تجوید: اس علم کی اہمیت جاننے کے لیے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ نماز کی صحت کی بنیاد اسی پر ہے۔

قرآن حکیم میں ہے: « وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ »[الزمل: ٤]،امام جزری فرماتے ہیں:من لم یجود القرآن اثم،جو شخص قرآن حکیم کو تجوید سے نہیں پڑھے گا وہ گنہ گار ہوگا۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے ” اللحن حرام بلا خلاف“ لحن جلی بلا اختلاف حرام ہے، علامہ جزری فرماتے ہیں:الاخذ با التجوید حکم لازم،، یعنی تجوید کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے ،مقام حیف ہے کہ آج عوام تو عوام بے شمار علما بھی اس سے یک سر غافل ہیں۔اس جلد میں ”تجوید“ کا بھی ایک باب ہے۔اس میں درج ذیل مسائل خصوصیت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔

(۱)- ہر آیت ”لا“ پر وقف کرنا جائز ہے۔ ترک وقف بھی درست ہے کہ کچھ قُرّا سے یہ بھی منقول ہے اور سب قراءتیں حق ہیں۔

(۲)- سورۂ ناس میں:”خناس ،الذی “ کو وصل اور وقف دونوں طرح سے پڑھا جا سکتا ہے اور دو نوں درست ہیں۔البتہ وصل کی صورت میں ”الذی“ سے الف گرانے کا حکم ہے جب کہ وقف میں الف پڑھنے کا حکم ہے۔

(۳)-ختم قرآن کے وقت تراویح میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا مستحسن ہے۔

رسم القرآن: عہد رسالت مآب ﷺ ہی سے عربی کی کتابت کے بہت سارے طریقے رائج ہیں،ان میں ”رسم عثمانی“ بہت شہرت واہمیت کا حامل ہے ،قرآن حکیم کی کتابت بھی اسی رسم میں ہوتی ہے اور اس کی رعایت واجب اور ترک ناجائز وگناہ ہے۔ بہت سارے اہل علم اس سے غافل ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں اس کا ایک مستقل باب ہے اس میں آٹھ مسائل مذکور ہیں۔جن میں یہ مسائل بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں:

(۱)-جمع مذکر سالم کثیر الدور اور قلیل الدور کی کتابت کا طریقہ۔(۲)-جمع مونث سالم کثیر الدور و قلیل الدور کی کتابت کا طریقہ۔(۳)-جمع مذکر سالم قلیل الدور اور عدیم المد کا حکم۔(۴)-وہ کلمات جو پہلے اور دوسرے قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

دینیات: اس کے تحت کل ۱۵ر مسائل ہیں،ان میں سے کچھ اہم مسائل یہ ہیں :

(۱)-شب قدر میں تمام چیزیں سجدہ کرتی ہیں۔(۲)-اہل حق سے لغزش ہوجائے تو اس کا اخفا واجب ہے۔

(۳)- عوام پر فرائض کا علم حاصل کرنا ہی فرض ہے۔ (۴)- لوگ اپنے نسب پر امین ہوتے ہیں۔ (۵)- فروغ اہل سنت و جماعت کے دس نکاتی پروگرام۔

تصوف: عبادات میں ظاہری ارکان و شرائط کے ساتھ اعمال قلب کا بھی از حد دخل ہوتا ہے، ظاہری شرائط متحقق ہوں لیکن اعمال قلب میں کھوٹ ہو تو ایسی عبادتیں رائیگاں ہو جاتی ہیں۔ ارشاد مصطفی کریم ﷺ ہے: "من صلی یرائی فقد اشرك و من صام یرائی فقد اشرك و من تصدق یرائی فقد اشرك "یعنی ریا و سمعہ کے طور پر نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اور صدقہ دینا شرک خفی ہے۔ اس اعتبار سے اس علم کی اہمیت کا قطعًا انکار نہیں کیا جاسکتا، فقہ و افتا سے بھی اس کا بڑا گہرا رشتہ ہے، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: "من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق و من تصوف ولم يتفقه فقد تزندق،، جو فقہ کا علم حاصل کرے مگر تصوف سے گریز کرے وہ فاسق ہے اور جو علم تصوف حاصل کرے مگر علم فقہ سے کنارہ کشی اختیار کرے وہ بے دین ہے۔ اس کا فتاویٰ رضویہ میں ایک مستقل باب ہے، جس میں کل ۸/ مبسوط مسائل مذکور ہیں۔ ان میں یہ مسائل بہت اہمیت کے حامل ہیں:

(۱)- غائبانہ بیعت جائز ہے۔ (۲)- یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ پیر کی شکل میں متشکل ہوتا ہے، فاسد و باطل ہے۔ (۳)- کرامت اور فیض میں فرق۔

شرح کلام علما: اس کے تحت جن مسائل کا ذکر ہے ان کی مجموعی تعداد ۶/ ہے۔ ان میں سے یہ مسائل اہم ہیں۔

(۱)- منیر الدین نام رکھنا کیسا ہے ؟ (۲)- عورتوں کے لیے زیارت قبور کی شرعی حیثیت۔ (۳)- حضرات سادات کرام فسق یا بدعت کریں تو کیا حکم ؟

تشریح افلاک و علم توقیت: فلکیات کا علم بھی مذہب اسلام کی تعلیمات کا اٹوٹ حصہ ہے، عبادات کے صحیح اوقات کی تعیین اسی کی مدد سے کی جاتی ہے، اس علم کے ماہرین کی از حد قلت ہے، وہ کچھ ہی نفوس قدسیہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے یہ دولت لازوال عطا فرمائی ہے۔ اس سے متعلق فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم میں کل ۵/ مسائل مذکور ہیں۔ ان میں سے یہ مسائل قابل ذکر ہیں :

(۱)- ہمارے نزدیک نہ زمین متحرک ہے نہ آسمان۔ (۲)- سبع سیارہ کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ (۳)- "الجوار الکنس" کی نفیس توضیح و تفسیر۔

اقتصادیات: اس سے متعلق ایک چشم کشا رسالہ موجود ہے، جس کا نام ہے "تدبیر فلاح و نجات و اصلاح"

اس میں ترکی مسلمانوں کی حالت زار کا ذکر ہے، مسلمانوں سے متعلق کچھ نصیحتیں اور ہدایتیں ہیں، اہل ثروت کو غربا پروری پر ابھارنے کی سعی مشکور کی گئی ہے۔

ان کے علاوہ ”اوراد و وظائف“ میں تین، فوائد حدیثیہ میں سات، فوائد فقہیہ میں ایک، ”زبان و بیان“ میں چھ، ”طبعیات“ میں پانچ، علم الحیوان میں ایک، تشریح ابدان میں ایک اور ”نجوم“ میں ایک اور ”علم عروض“ سے متعلق دس مسائل مذکور ہیں۔

کتاب الشتّٰی: اس میں مختلف علوم و فنون سے متعلق سینکڑوں مسائل موجود ہیں، ان میں سے کچھ اہم مسائل کی نشان دہی کی جارہی ہے:

(۱)- میزان یہاں کی ترازو کے برعکس ہے۔ (۲)- مرسلین ملائکہ بالاجماع تمام غیر انبیا سے افضل ہیں۔ (۳)- کافروں کی روحیں محبوس و مقید رہتی ہیں۔ (۴)- قرآن حکیم کی روایت بالمعنٰی کرنا جائز نہیں کہ اس کے نظم و معنی دونوں تعبدی ہیں۔ (۵)- حقیقی سادات پر عذاب سے مامون ہونے کی امید واثق ہے۔ (۶)- دن رات کی تبدیلی کا سبب گردش آفتاب ہے۔ (۷)- حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حیض و نفاس سے پاک تھیں یہ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ (۸)- حضرت علی کے مزار کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ (۹)- بدشگونی جائز نہیں، ہندوانہ طریقہ ہے۔ (۱۰)- غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سے حنبلی تھے۔ (۱۱)- درود شریف میں علی ابراھیم و علی آل ابراھیم لانے کی وجہ۔ (۱۲)- متشابہات میں قیاس کرنا ضلالت و گمرہی ہے۔ (۱۳)- حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقے کافر کے عذاب میں بھی تخفیف ہوتی ہے، (۱۴)- تارک جماعت فاسق، مردود الشہادہ، مستحق عذاب نار ہے۔ (۱۵)- غیر اللہ کے لیے سجدۂ عبادت کفر اور سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔ (۱۶)- نماز و روزہ کے لیے گھڑی استعمال کرنا جائز ہے۔ (۱۷)- نماز غفیر کی روایت موضوع اور باطل ہے۔ (۱۸)- فعل قوت نکرہ میں ہے۔ (۱۹)- قرآن پاک کے مطلق کو مقید اور عام کو مخصص بنانا جائز نہیں۔ (۲۰)- گولیاں دے کر مرید کرنا بے اصل ہے۔

رسائل: ان کا کچھ تعارف آگے آئے گا، نام یہ ہیں:

۱-نطق الهلال بارخ ولاد الحبيب والوصال. ۲-الصمصام على مشكك في آية علوم الارحام.۳-اقامة القيامه على طاعن القيام لنبيّ تهامه. ٤-سبل الاصفيا في حكم الذبح للاوليا.٥-طرد الافاعى عن حمى هادٍ رفَعَ الرفاعى. ٦-نزول آيات فرقان، بسكون زمين و آسمان. ٧-انوار الانتباه في حِلّ نداء يا رسول الله.

☆☆☆

قرآن حکیم اور کتب تفاسیر سے استدلال

شریعت طاہرہ کا اصل منبع وسرچشمہ اور مصدر وماخذ قرآن حکیم ہے، اور اس کی حجیت پر جملہ اہل اسلام کا اتفاق واجماع ہے، بنام اسلام پائے جانے والے جملہ فرقہاے باطلہ اس کی حجیت کے معترف ہیں، حتی کہ چکڑالویوں نے بھی اس کی حجیت کی صراحت کی ہے۔ کامل اور بے مثال فتویٰ کی ایک شناخت یہ بھی ہے کہ اسے قرآن حکیم کی کسی آیت سے ثابت کر دیا جائے تاکہ اپنے، پرائے سب اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم فیض رقم اور زبان حق ترجمان سے صادر ہونے والے فتوے اس خوبی سے بے حد مالامال ہیں۔ یہاں پر اس کی چند مثالیں فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم سے ملاحظہ کریں!

(۱)

غائبانہ بیعت جائز ہے: اہل سنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ غائبانہ بیعت جائز اور کتاب وسنت سے ثابت ہے، خط وکتابت اور عصر حاضر میں فون وغیرہ کے ذریعہ اگر کوئی شخص چاہے تو جامع شرائط پیر سے بیعت ہو سکتا ہے۔ اس کے بارے میں عالی جناب عبد الرحیم صاحب کا ایک استفتا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں پہنچا۔ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند آیتوں اور حدیثوں کی روشنی میں یہ ثابت فرمایا کہ غائبانہ بیعت بلاشبہہ جائز ہے، اس پر اعتراض کرنا جہالت ونادانی پر مبنی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

«اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ» [الفتح: ۱۰]

ترجمہ: وہ جو تم سے بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

اور فرماتا ہے: «لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ» [الفتح: ۱۸]

ترجمہ: بے شک اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب وہ تم سے بیعت کرتے ہیں درخت کے نیچے۔

صحیح بخاری شریف میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے جب یہ بات ہوئی امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غائب تھے، بیعت حدیبیہ میں ہوئی اور وہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا یہ

عثمان کا ہاتھ ہے پھر اسے اپنے دوسرے دست مبارک پر مار کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں:

"واما تغییبه عن بیعة الرضوان فلو كان احد اغرب ببطن مكة من عثمان لبعثه فبعث رسول الله صلى الله عليه و سلم عثمان وكانت بيعة الرضون بعد ما ذهب عثمان الى مكة فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم بيده اليمنى هذه يد عثمان فضرب بها على يده و قال هذه لعثمان." (۱)

﴿۲﴾

ستاروں کی حرکت طبعی ہے یا تبعی قسری ؟ ستاروں سے متعلق یہ بحث بہت معرکۃ الآراء ہے کہ اس کی حرکت طبعی ہے یا تبعی قسری ؟ اس بارے میں ارباب علم و دانش کے نظریات اختلاف و انتشار کے شکار ہیں۔ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند آیات کریمہ کی روشنی میں واشگاف فرمایا کہ کواکب کی حرکت نہ طبعی ہے اور نہ ہی تبعی قسری، بلکہ وہ خود بحکم الٰہی و بتحریک ملائکہ آسمان میں ایسے تیرتے ہیں جیسے مچھلی دریا میں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات یہ ہیں :

"ہمارے نزدیک کواکب کی حرکت نہ طبعیہ ہے نہ تبعیہ بلکہ خود کواکب بامر الٰہی و تحریک ملائکہ آسمانوں میں، دریا میں مچھلی کی طرح تیرتے ہیں:

قال الله تعالى : «كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ» [الانبیاء:۳۳]

و قال الله تعالى: «وَالشَّمْسُ تَجْرِىْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ؕ» [یٰس: ۳۸]

و قال تعالیٰ: «وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ» [ابراهيم: ۳۳]

و قال تعالیٰ: «كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ» [الرعد: ۲]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہر ستارہ ایک آسمان میں تیرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: سورج اپنے مستقر کے لیے جاری ہے یہ غالب علم والے کا حساب ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سورج اور چاند کو تمھارے لیے مسخر فرمایا مسلسل چل رہے ہیں اور فرمایا: ایک مقررہ وقت کے لیے سب حرکت میں ہیں ہمارے نزدیک نہ زمین متحرک ہے نہ آسمان۔

قال الله تعالیٰ: « اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ» [فاطر: ٤١]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۵۴

بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمینوں کو کہ ہٹ نہ جائیں اور جو وہ ہٹیں تو خدا کے سوا انھیں کون روکے۔ (۱)

﴿۳﴾

سبع سیارہ کا بیان کس آیت میں ہے: بلا شبہہ تمام علوم و ادراکات کا منبع و سرچشمہ قرآن حکیم ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: «تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ» [النحل: ۸۹] قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان موجود ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا:

جميع العلم فى القرآن لكن * تقاصر عنه افهام الرجال

تمام علوم قرآن حکیم میں موجود ہیں لیکن لوگوں کے ذہن و دماغ ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے بڑے دلکش انداز میں اس کی منظر کشی کی ہے۔

ان پر کتاب اتری بیاناً لکل شئے — تفصیل جس میں ماعبر و ماغبر کی ہے

ان حقائق کے اجالوں میں عالی جناب مولانا شمس الدین صاحب نے "سیارۂ سبعہ" کے بیان کو قرآن حکیم میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے دو آیتوں سے ان کی تعداد ثابت فرمائی۔ فرمایا کہ آیۂ کریمہ «كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ» [یٰس: ۴۰] میں سات حروف ہیں، اس سے اشارۃً و کنایۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی تعداد سات ہے۔ اور امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ تفسیر کی روشنی میں فرمایا کہ آیۂ کریمہ: «فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵» [التکویر: ۱۵] میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

قال اللہ تعالیٰ: «وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ» [الاعراف: ۵۴]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: سورج چاند اور ستارے سب اسی کے حکم کے فرماں بردار ہیں۔ اور «كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ» [یٰس: ۴۰] سے بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں سات حروف ہیں اپنے نفس پر دائر اور نیّرین کا بیان تو بکثرت فرمایا خاص متحیرات خمسہ کا ذکر «فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝۱۶» [التکویر: ۱۵-۱۶] میں ہے میں قسم یاد فرماتا ہوں دبک جانے والوں چلنے والوں کی یہ ان کے وقوف استقامت و رجعت کا بیان ہے کہ سیدھے چلتے ہیں پھر ٹھہر جاتے ہیں پھر پیچھے ہٹتے ہیں پھر ٹھہرتے ہیں پھر سیدھے ہوجاتے ہیں اسی لیے ان کو متحیرہ کہتے ہیں ابن ابی حاتم امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے «فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝۱۵» [التکویر: ۱۵]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۶۹، تشریح افلاک و علم توقیت

کی تفسیر میں راوی قال خمسة أنجم:" زحل وعطارد و المشتری و بهرام و الزهرة لیس فی الکواکب شیء یقطع المجرة غیرها" وہ پانچ ستارے ہیں زحل، عطارد، مشتری، مریخ، زہرہ کوئی ستارہ ان کے سوا کہکشاں کو قطع نہیں کرتا یعنی ثوابت میں جو کہکشاں پر ہیں وہ وہیں ہیں جو اس کے ادھر ادھر ہیں۔ وہ وہیں ہیں ان کی حرکت طبیعہ خفیفہ خفیہ ایسی نہیں کہ ابھی کہکشاں سے ادھر تھے چند ہی مدت میں اس پار چلے گئے یہ شان انھیں پانچ نجوم کی ہے۔ (۱)

﴿۴﴾

لیل و نہار کی تبدیلی کا سبب کیا ہے ؟ گردش ارضی و سماوی یا گردش آفتاب: اہل اسلام کے نزدیک یہ مسلمات میں سے ہے کہ شب و روز کی تبدیلی نہ گردش ارضی کی بنا پر ہے نہ گردش سماوی کی بنا پر۔ جب کہ کثیر سائنس داں ارضی و سماوی گردش ہی کو لیل و نہار کی تبدیلی کا سبب بتاتے ہیں۔ محمد قاسم قریشی نام کے ایک شخص نے اس سے متعلق استفسار کیا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن حکیم کی ایک آیۂ کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت فرمایا کہ شب و روز کی تبدیلی کا سبب گردش آفتاب ہے، گردش سماوی و ارضی کا قول کرنا اور اسی کو لیل و نہار کی تبدیلی کا سبب بتانا قرآن حکیم کی تعلیمات کے یک سر خلاف ہے۔ مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک و مسعود کلمات یہ ہیں :

دن رات کی تبدیلی گردش ارضی سے ماننا قرآن عظیم کے خلاف اور نصاری کا مذہب ہے اور گردش سماوی بھی ہمارے نزدیک باطل ہے حقیقۃً اس کا سبب گردش آفتاب ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: «وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾»[یٰس: ۳۸](۲)

﴿۵﴾

جامع شرائط پیر کی بیعت توڑنا ناجائز و گناہ ہے: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بار یہ استفتا ہوا کہ کسی جامع شرائط پیر سے بیعت ہو جانے کے بعد اسے توڑنا اور کسی دوسرے پیر سے بیعت ہونا جائز ہے یا نہیں ؟ آیۂ کریمہ: من نکث فانما ینکث علی نفسه ،، اور آیۂ کریمہ: « وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ »[احزاب: ۵۸] سے استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ ایذاے مسلم و احتقار مسلم کی وجہ سے ناجائز و حرام و گناہ ہے اور یہ ارتداد طریقت ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۷۰، تشریح افلاک و علم توقیت

(۲) فتاویٰ رضویہ ج: ۱۲، ص: ۲۱۳

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

”پیر طریقت جامع شرائط صحت بیعت سے بلاوجہ شرعی انحراف ارتداد طریقت ہے اور شرعًا معصیت کہ بلاوجہ ایذا و احتقار مسلم ہے اور وہ دونوں حرام۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿ وَ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَیْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا۠ ﴾[احزاب: ۵۸]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:”من آذی مسلما فقد آذانی ومن آذانی فقد آذی اللہ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن انس رضي اللہ تعالی عنہ بسند حسن“.(۱)

(۶)

مفضول کو افضل پر فضیلت دینا قرآن حکیم کے خلاف ہے: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانے میں گجرات میں کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطب الاقطاب اور غوث الاغواث نہیں ہیں، بلکہ اس مقام رفیع پر حضرت احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فائز ہیں۔ اس موضوع سے متعلق جب استفتا کیا گیا تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدّد علما و فقہا، مفسرین و محدثین کی تصریحات سے اس حقیقت کو عرش تحقیق تک پہنچا دیا کہ بلا شبہہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بابرکات ہی اس جلیل الشان منصب پر فائز ہے۔ نیز آیۂ کریمہ: ﴿ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ ﴾[آل عمران: ۷۳] سے استدلال کرتے ہوئے یہ واشگاف فرمایا ہے کہ فضیلت و برتری رب قدیر کے قبضۂ قدرت میں ہے، جب کثیر دلائل و براہین سے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت ثابت ہے تو پھر ذاتی علاقہ، رشتۂ شاگردی اور نسبت مریدی کے سبب مفضول کو افضل بتانا اس آیۂ کریمہ کے بھی خلاف ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

”اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ ﴾[آل عمران: ۷۳]تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے مسلمان کو دو ہدایتیں ہوئیں ایک یہ کہ مقبولانِ بارگاہ احدیت میں اپنی طرف سے ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ دوسرے یہ کہ جب دلیل مقبول سے ایک کی افضلیت ثابت ہو تو اس میں اپنے نفس کی خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت شاگردی یا مریدی وغیرہا کو اصلاً دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں کہ اپنے آباد اساتذہ و مشائخ کو اوروں سے افضل کر ہی لیں جسے خدا نے افضل کیا وہی افضل ہے اگرچہ ہمارا ذاتی علاقہ اس سے کچھ نہ

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۲۵

ہو اور جسے مفضول کیا وہی مفضول ہے اگرچہ ہمارے سب علاقے اس سے ہوں۔ یہ اسلامی شان ہے مسلمانوں کو اسی پر عمل چاہیے اکابر خود رضائے الٰہی میں فنا تھے جسے اللہ عزوجل نے ان سے افضل کیا۔ کیا وہ اس پر خوش ہوں گے کہ ہمارے متوسل ہمیں اس سے افضل بتائیں حاش للہ! وہ سب سے پہلے اس پر ناراض اور سخت غضب ناک ہوں گے تو اس سے کیا فائدہ کہ اللہ عزوجل کی عطا کا بھی خلاف کیا جائے اپنے اکابر کو بھی ناراض کیا جائے۔ (۱)

﴿۷﴾

ولی اور مومن میں کون سی نسبت ہے؟ یہ سچ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منطق وفلسفہ کے ان قوانین ومسائل کا رد بلیغ فرمایا ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف اور متصادم ہیں۔ جیسا کہ "مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید" کا مطالعہ کرنے والے اہل علم پر یہ حقیقت آفتاب نیم روز سے زیادہ واضح ہے۔ لیکن منطق وفلسفہ کے وہ اصول جو شرع مطہر کے خلاف نہیں ہیں، انھیں آپ نے بھی اپنایا اور اپنی تصنیفات میں جابجا اس کی روشنی میں گفتگو بھی فرمائی۔ اسی کی ایک نظیر یہ ہے کہ ایک بار آپ سے یہ استفسار ہوا کہ ولی اور مومن میں کون سی نسبت ہے؟ مجھے اس مقام پر یہ بتانا مقصود ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے درمیان نسبت کی تعیین فرمائی اور اس کو قرآن حکیم کی آیۂ کریمہ سے بھی ثابت فرمایا۔ اب وہ پر لطف اور فرحت بخش گفتگو آپ اپنی آنکھوں سے خود ملاحظہ فرمائیں!۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"اگر ولایت عامہ مراد ہے تو تساوی الله ولی الذین امنوا اور خاصہ تو عموم خصوص مطلق "ان اولیائه الا المتقون".(۲)

﴿۸﴾

محفل میلاد منعقد کرنا، ولادت طیبہ کی خوشی منانا قرآن حکیم سے ثابت ہے: اہل سنت و جماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کی خوشی منانا، مجالس ومحافل کا انعقاد کر کے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزوں اور فضائل وکمالات کا ذکر جمیل کرنا نہ صرف جائز بلکہ باعث خیر کثیر اور امر مستحسن ہے۔ حسیب بجنوری نام کے ایک شخص نے اس سے متعلق استفتا کیا تھا تو مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کثیر آیات کریمہ سے یہ ثابت فرمایا کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سب سے افضل واعلی اور برتر وبالا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ذکر نعمت کا حکم دیا ہے، اس لیے

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۲۹

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۶۱

تذکرۂ رسول ﷺ عین مطابق ارشادات ربانی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”مسلمانوں کو جمع کر کے ذکر ولادت اقدس و فضائل علیہ حضور سرور عالم ﷺ سنانا، ولادت اقدس کی خوشی کرنی، اس میں حاضرین کو کھانا یا شیرینی تقسیم کرنی بلاشبہہ جائز و مستحب ہے اور جائز زینت فی نفسہ جائز اور بہ نیت فرحت ولادت شریفہ و تعظیم ذکر انور قطعاً مستحب۔ «وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾» [الضحی: ۱۱] اور فرماتا ہے: ”و ذکرهم بایام الله“ اور فرماتا ہے: «قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا» [یونس: ۵۸] اور فرماتا ہے: «قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ» [الاعراف: ۳۲] (۱)

﴿۹﴾

بیعت کرنا سنت ہے: بلاشبہہ بیعت کرنا رسول انور ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، اور اس کی سنیت قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔ ایک استفتا اس سے متعلق بھی آیا تھا۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدّد آیات سے یہ ثابت فرمایا کہ اس مبارک و مسعود عمل کو خود مصطفی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انجام دیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”بیعت بے شک سنت محبوبہ ہے امام اجل شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عوارف شریف سے شاہ ولی اللہ دہلوی کے ”القول الجمیل“ تک اس کی تصریح اور ائمہ و اکابر کا اس پر عمل ہے۔ اور رب العزت عزوجل فرماتا ہے: «اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ» [الفتح: ۱۰] اور فرماتا ہے: «يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ» [الفتح: ۱۰] اور فرماتا ہے: «رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ» [الفتح: ۱۸] اور بیعت کو خاص بہ جہاد سمجھنا جہالت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: «يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾» [الممتحنۃ: ۱۲] (۲)

﴿۱۰﴾

منکر زکاۃ ثعلبہ کے بارے میں تحقیق: اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بار استفتا ہوا کہ منکر زکاۃ ثعلبہ بن

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۶۴، کتاب الشتی

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۶۶، کتاب الشتی

ابی حاطب بدری صحابی ہیں یا نہیں؟ چند آیات کریمہ اور کتب تفاسیر کی روشنی میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ کو عرش تحقیق تک پہنچایا اور یہ واشگاف فرمایا کہ جس شخص نے زکاۃ دینے سے انکار کیا تھا وہ ہرگز بدری نہیں ہے، جو صحابی رسول بدری ہیں ان کا نام ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات یہ ہیں:

”بدری حضرت سیدنا ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور یہ شخص جس کے باب میں یہ آیت «وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝» [التوبۃ: ۷۵] اتری ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے ۔۔۔۔۔ اللہ عزوجل اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت فرما چکا۔ اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم جو چاہو کرو میں تمھیں بخش چکا اور اس منافق کے باب میں فرماتا ہے: «فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ» [التوبۃ: ۷۷] اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کیا کہ مرتے دم تک نہ جائے گا۔[1]

☆☆☆

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۳۰، کتاب الشتی

کلمات قرآن حکیم کی وضاحت

(۱)

کلمۂ عالین کے معانی: آیۂ کریمہ «اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ»[صٓ: ۷۵] سے متعلق اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ استفسار کیا گیا کہ "عالین" کون کون لوگ ہیں اور کیا ابلیس لعین بھی اس میں داخل ہے؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لفظ "عالین" کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عالی کے دو معانی ہیں۔ (۱) متکبر۔ یہ معنی قرآن حکیم کی دوسری آیتوں سے ثابت ہے۔ (۲) بلند اور رفیع المرتبت۔ یہ معنی بھی متعدّد تفاسیر سے ثابت ہے۔ ان دونوں معانی کے لحاظ سے ابلیس لعین "عالین" میں داخل ہے۔ "عالین" فرشتوں کی کسی جماعت کا نام ہرگز نہیں۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"عالی بمعنی متکبر ہے۔ قال الله تعالیٰ: «ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾»[مؤمنون: ۴۵-۴۶] **ترجمہ:** پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن حجت کے ساتھ فرعون اور اس کے جتھے کی طرف بھیجا تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی متکبر لوگ، تو معنی آیت یہ ہوئے کہ رب عزوجل نے شیطان لعین سے فرمایا کہ تو نے جو آدم کو سجدہ نہ کیا یہ ایک تکبر تھا کہ اس وقت تجھے پیدا ہوا، یا تو قدیم سے متکبر ہی تھا۔

تفسیر ابن جریر میں ہے:

يقول تعالیٰ لابليس تعظمت عن السجود لاٰدم فتركت السجود له استكبارا عليه، ولم تكن من المتكبرين العالين قبل ذٰلك ام كنت من العالين، يقول ام كنت كذٰلك من قبل ذاعلو وتكبر علی ربك"

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا تو نے حضرت آدم کے سجدہ سے اپنے کو بڑا سمجھا اور ان پر بڑائی ظاہر کرتے تو نے سجدہ ترک کیا دراصل تو متکبرین میں سے نہ تھا، یا یہ کہ پہلے ہی سے اپنے رب پر علو و تکبر ظاہر کرنے والا تھا یا یہ

کہ تکبر خاص تجھی میں پیدا ہوا، یا تیری قوم ہی متکبر ہے معالم میں ہے:"ام کنت من العالین المتکبرین یقول استکبرت بنفسك ام کنت من القوم الذین یتکبرون فتکبرت عن السجود لکونك منهم" یا تو عالین متکبرین میں سے تھا۔ فرماتا ہے کہ تو نے خود ہی تکبر کیا، یا تو متکبرین کے گروہ میں سے تھا سجدہ سے تکبر کیا۔

یا عالین کو بمعنی بلند ورفیع المرتبت لیں، اور معنی یہ ہوں کہ تو نے جو سجدہ نہ کیا یہ تیرا تکبر تھا کہ واقع میں تجھے آدم پر بڑائی نہیں اور براہ غرور آپ کو بڑا ٹھہرایا، یا واقع ہی میں تجھے اس پر فضیلت۔

بیضاوی میں ہے:

استکبرت ام کنت من العالین تکبرت من غیر استحقاق اوکنت ممن علا واستحق التفوق" تو نے تکبر کیا یا عالین میں سے تھا۔ مطلب یہ کہ بے استحقاق کے تو غرور میں مبتلا ہوا یا ان میں سے تھا جن کو بلندی اور تفوق حاصل ہے۔

اور یہ معنی نہیں کہ ملائکہ میں کوئی گروہ عالین ہے کہ وہ حکم سجود سے مستثنیٰ تھا.وان وقع فی کلام سیدنا الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنه. رب عزوجل نے متعدّد تاکیدوں سے مؤکد فرمایا۔فسجد الملٰئکة کلهم اجمعون..تمام، جمیع، سب ملائکہ نے سجدہ کیا.فاللام للاستغراق واکدت بکل واکد باجمعون.[1]

﴿۲﴾

کلمۂ " سبحٰن " کے رموز: امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عبد الواحد خان نام کے ایک شخص نے یہ استفتا کیا کہ آیۂ کریمہ " "سبحٰن الذی اسریٰ الآیة " میں کیا خصوصیات مضمر ہیں ؟ فتاویٰ رضویہ میں اس کی متعدّد حکمتیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک حکمت اور عظیم الشان نکتہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی بات نہایت تعجب خیز ہوتی ہے تو اس کے تذکرہ سے پہلے تسبیح بیان کی جاتی ہے، چوں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم انور کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے جانا، کروروں سال کی مسافت کو ایک مختصر سی ساعت میں طے کر لینا یقینا انتہائی عجیب وغریب بات ہے اس لیے اس کے آغاز میں "سبحان " کا ذکر ہے۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"حضرت عزّت جل وعلا اپنے محبوبوں کی مدح سے اپنی حمد فرمایا کرتا ہے۔ اس کی ابتدا کہیں

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۵-۳۶

"هو الذى" سے ہوئی ہے۔ جیسے: «هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ»[الجمعة: ۲]☆«هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ»[التوبة: ۳۳] کہیں«تَبٰرَكَ الَّذِيْ»[الفرقان: ۱]سے«تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَاۙ»[الفرقان: ۱] کہیں حمد سے، جیسے«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا»[الکھف: ۱]یہاں تسبیح سے ابتدا فرمائی ہے کہ«سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ»[بنی اسرائیل: ۱]

اس میں ایک صریح نکتہ یہ ہے کہ جو بات نہایت عجیب ہوتی ہے اس پر تسبیح کی جاتی ہے "سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ" کیسی عمدہ چیز ہے۔ "سُبْحٰنَ" کیسی عجیب بات ہے جسم کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے جانا کرۂ زمہریر طے فرمانا، کُرۂ نار طے فرمانا، کروروں برس کی راہ کو چند ساعت میں طے فرمانا۔ تمام ملک وملکوت کی سیر فرمانا۔ یہ تو انتہائی عیب کی آیات بیّنات ہیں ہی اتنی بات کہ کفارِ مکہ پر حجت قائم فرمانے کے لیے ارشاد ہوئی کہ شب کو مکہ معظمہ میں آرام فرمائیں صبح بھی مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوں، اور رات ہی رات بیت المقدس تشریف لے جائیں اور واپس تشریف لائیں۔ کیا کم عجیب ہے، اس لیے "سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ" ارشاد ہوا۔[1]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۰۴، کتاب الشتی

احادیث طیبہ سے استدلال

قرآن حکیم کے بعد احادیث کریمہ، احکام شرعیہ کے مصدر و ماخذ ہیں، اور چکڑالویوں کے علاوہ تمام کلمہ پڑھنے والوں نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی حجیت کی صراحت بھی کی ہے، فتوے کی عام و تام صحت و مقبولیت کے لیے، حدیث مصطفی سے اس کا مبرہن ہونا بہت مؤثر ہے۔ بلکہ یہ تفقہ فی الدین کا ایک جزو لا ینفک ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیفات اور فتاویٰ میں جا بجا اس کے دلکش نظارے ملتے ہیں، کبھی کبھی ایک ایک مسئلہ پر احادیث کریمہ کا اتنا انبار لگا دیتے ہیں کہ لگتا ہے پورا دفتر حدیث نگاہوں کے سامنے ہے۔ ماضی قریب میں کسی بزرگ کی تحریر میں احادیث کریمہ کی کثرت کے یہ حسین و جمیل نظارے دیکھنے کو نہیں ملتے۔ لیجیے آپ بھی امام احمد رضا کی علم حدیث میں مہارت کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے۔

﴿۱﴾

کیا سادات بھی کسی عمل بد کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے: ۲۹ ربیع النور شریف ۱۳۳۵ھ کو رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس اولاد سے متعلق ایک سوال آیا کہ سادات کرام کسی عمل بد کی پاداش میں جہنم میں جائیں گے یا ان پر آتش جہنم مطلقا حرام ہے؟

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چند حدیثوں کی روشنی میں واشگاف فرمایا کہ جو واقعی علم الٰہی میں سادات ہیں ان نفوس قدسیہ کے بارے میں رب تبارک و تعالیٰ کی رحمت سے امید واثق یہی ہے کہ وہ آتش جہنم سے محفوظ رہیں گے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”سادات کرام جو واقعی علم الٰہی میں سادات ہوں ان کے بارے میں رب عزوجل سے امید واثق یہی ہے کہ آخرت میں ان کو کسی گناہ پر عذاب نہیں دیا جائے گا حدیث میں ہے: ”انما سمیت فاطمة لان الله تعالیٰ حرمها و ذریتها علی النار“ ان کا فاطمہ اس لیے نام ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی تمام ذریت کو نار پر حرام فرما دیا دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: ”ان الله غیر معذبك ولا احد من ولدك او کما قال صلی الله تعالیٰ علیه و سلم“ اے فاطمہ

اللہ نہ تجھے عذاب کرے گا نہ تیری اولاد میں کسی کو مگر حکم قطعی بے نص قطعی ناممکن ہے۔ (۱)

﴿۲﴾

کیا ایک انسان کے دو دل ہو سکتے ہیں؟ ۲۹ر محرم الحرام ۱۳۲۵ھ کو قلب انسانی سے متعلق سوال ہوا کہ کچھ ڈاکٹروں نے ایک شخص کے بارے میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کے اندر دو دل ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ کچھ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جس آیت میں اس کی نفی کی گئی ہے وہ شخص خاص سے متعلق ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں پر ایک آیۂ کریمہ کی روشنی میں اس کا ابطال کیا ہے وہیں ایک حدیث پاک سے بھی استدلال کرتے ہوئے اس کو سقیم و سخیف اور نصوص قرآن و حدیث کے یک سر خلاف بتایا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"قلب وہ عضو ہے کہ سلطان اقلیم بدن، و محل عقل و فہم، و منشا قصد و اختیار و رضا و انکار ہے۔ ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے۔ دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔ آیۂ کریمہ میں رجل نکرہ ہے اور تحت نفی داخل ہے تو مفید عموم و استغراق ہے یعنی اللہ عزوجل نے کسی کے دو دل نہ بنائے نہ کہ فقط اس شخص خاص کی نسبت انکار فرمایا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الاان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی القلب".

ترجمہ: سنتے ہو! بدن میں ایک پارۂ گوشت ہے کہ وہ ٹھیک ہے تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے، سنتے ہو وہ دل ہے۔

تو اگر کسی کے دو دل ہوں ان میں ایک ٹھیک رہے ایک بگڑ جائے تو چاہیے معاً ایک آن میں سارا بدن بگڑا اور سنبھلا دونوں ہوا، اور یہ محال ہے جب دو دل ہیں ایک نے ارادہ کیا یہ کام کیجیے دوسرے نے ارادہ کیا نہ کیجیے، تو اب بدن ایک کی اطاعت کرے گا یا دونوں کی یا کسی کی نہیں؟ ظاہر ہے کہ دونوں کی اطاعت محال ہے اور کسی کی نہ ہو تو ان میں کوئی قلب نہیں، قلب تو وہی ہے کہ بدن اسی کے ارادے سے حرکت و سکون ارادی کرتا ہے اور اگر ایک کی اطاعت کرے گا دوسرے کی نہیں تو جس کی اطاعت کرے گا وہی قلب ہے اور دوسرا ایک بد گوشت ہے کہ بدن میں صورت قلب پر پیدا ہو گیا جیسے کسی کے پنجے میں چھ انگلیاں اور بعض کے ایک ہاتھ میں دو ہاتھ لگے ہوتے ہیں ان میں جو کام دیتا ہے اور ٹھیک موقع پر ہے وہی ہاتھ ہے دوسرا بد گوشت ہے ڈاکٹروں کا بیان اگر سچا ہو تو اس کی یہی صورت ہوگی کہ بدن میں ایک گوشت بصورت دل زیادہ پیدا ہو گیا ہوگا، ہاتھ میں تو یہ ہو بھی سکتا ہے کہ اصلی اور زائد

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۰۷، کتاب الشتی

دونوں ہاتھ کام دیں مگر قلب میں یہ ناممکن ہے آدمی روح انسانی سے آدمی ہے اور اسی کے مرکب کا نام قلب ہے روح انسانی متجزی نہیں کہ آدھی ایک دل میں رہے آدھی دوسری میں تو جس سے وہ اصالۃً متعلق ہوگی وہی قلب ہے دوسرا سلب ہے"۔ (۱)

﴿۳﴾

آسمان و زمین کے سکون پر استدلال: اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ آسمان و زمین حرکت میں نہیں بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ اور مستقر پر قائم ہیں، یہاں تک کہ زمین اپنے محور میں رہ کر اپنے دائرے میں بھی گردش نہیں کر سکتی ہے کہ زوال کے لیے صرف کسی جز کا اپنے مستقر و مکان سے ہٹنا اور سرکنا کافی ہے، پوری چیز کا اپنے مکان اصلی سے ہٹنا ضروری نہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین و آسمان سے حرکت کی نفی سے متعلق دو کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) فوز مبین در رد حرکت زمین۔ (۲) نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان۔

ان دونوں رسالوں میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاں پر چند آیات و کتب تفاسیر سے استدلال کیا ہے وہیں متعدّد احادیث کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے اس مسئلہ کو عرش تحقیق تک پہنچا دیا ہے۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"سعید بن منصور اپنی سنن اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن منذر اپنی تفاسیر میں شقیق سے راوی، قال:
قیل لابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهما: ان کعبا یقول: ان السماء تدور فی قطب مثل قطب الرحا فی عمود علی منکب ملك،قال:کذب کعب، ان الله یمسك السموت والارض ان تزولا وکفی بها زوالا ان تدور"

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا گیا کہ حضرت کعب کا کہنا ہے کہ آسمان چکی کے پاٹ کی طرح ایک کیل میں جو ایک فرشتے کے کندھے پر ہے گھوم رہا ہے، آپ نے فرمایا: کعب غلط کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ اس نے آسمان و زمین کو ٹلنے سے روک رکھا ہے اور حرکت کے لیے ٹلنا ضروری۔

عبد بن حمید قتادہ سے راوی: "ان کعبا کان یقول: ان السماء تدور علی نصب مثل نصب الرحا فقال حذیفة بن الیمان رضی الله تعالیٰ عنهما:کذب کعب ان الله یمسك السموت و الارض ان تزولا".

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۹۴-۱۹۵، تشریح ابدان

ترجمہ: حضرت کعب فرماتے تھے کہ آسمان چکی کی طرح کیلے پر گھوم رہا ہے، حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: کہ ہم نے آسمان و زمین کو ٹلنے سے روک رکھا ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعہ سیدنا عبداللہ بن مسعود اور حضرت صاحب سرّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عرض کی گئی کعب کہتے ہیں آسمان گھومتا ہے دونوں صاحبوں نے کہا کعب غلط کہتے ہیں اور وہی آیت کریمہ اس کے رد میں تلاوت فرمائی۔[1]

(۴)

"التحیات" والی حدیث سے ندائے "یا رسول اللہ" کے جواز پر استدلال:

رسالہ مبارکہ: "انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ" میں ایک مقام پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا کرنے کے جواز پر "التحیات" والی حدیث شریف سے بھی استدلال کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا کرنے کے عمدہ دلائل سے "التحیات" ہے جسے ہر نمازی ہر نماز کی دو رکعت پر پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے۔" السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ "سلام حضور پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں"۔[2]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۶۹، تشریح افلاک وعلم توقیت

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۱۱، رسالہ: انوار الانتباہ

تخریج احادیث

"الروض البھیج فی آداب التخریج" یہ رسالہ مبارکہ فن تخریج حدیث میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرّہ العزیز کی تصنیف لطیف ہے۔ اس مبارک و مسعود رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا رحمٰن علی صاحب ممبر کونسل آف ریاست ریواں مدھیہ پردیش نے لکھا:

"اگر پیش ازیں کتابے دریں فن نیافتہ شود پس مصنف راموجد تصنیف ہذا می تواں گفت"

ترجمہ: اگر فن تخریج حدیث میں اور کوئی کتاب نہ ہو تو مصنف کو اس تصنیف کا موجد کہا جاسکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے استفسار کیا کہ آپ نے حدیث شریف کی کون کون سی کتابیں درس کی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

مسند امام اعظم، مؤطا امام محمد، کتاب الآثار، کتاب الخراج، کتاب الحجج، شرح معانی الآثار، مؤطا امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام احمد، سنن دارمی، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، خصائص نسائی، منتقی ابن الجارود، علل متناہیہ، مشکوٰۃ، جامع کبیر، جامع صغیر، منتقی ابن تیمیہ، بلوغ المرام، عمل الیوم و اللیلہ، الترغیب والترہیب، خصائص کبریٰ، الفرج بعد الشدہ، کتاب الاسماء و الصفات وغیرہا۔ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس و تدریس اور مطالعہ میں رہیں۔ جب کہ تتبع و تلاش کے بعد یہ حقیقت نکھر کر سامنے آئی کہ آپ نے تقریباً چار سو کتب احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ جس پر مختلف علوم و فنون سے متعلق آپ کی بے شمار تصنیفات شاہد عدل ہیں۔

ان دونوں اقتباس سے یہ حقیقت واشگاف ہوگئی کہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا علم حدیث میں نہایت وسیع مطالعہ تھا، حدیث ذکر کرنے کے بعد جب اس کے مآخذ و مراجع کی نشان دہی کرتے تو محسوس ہوتا کہ شاید پورا دفتر حدیث آپ کے ذہن میں موجود ہے۔ جن لوگوں کو "الامن و العلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء" "جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ" "راد القحط و الوبا" "عطایا القدیر اور "الزھر الباسم فی حرمۃ الزکاۃ علی بنی ھاشم" کے مطالعہ کا شرف حاصل ہے ان سے یہ حقیقت مخفی نہیں۔ اس مقالہ

میں ہمارا منشود و مقصود چوں کہ فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم ہے اس لیے اسی کے حوالے سے فن تخریج حدیث میں امام احمد رضا کی مہارت کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ کریں!

(۱)-عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال:قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :ان احب الصیام الی اللہ تعالیٰ صیام داؤد واحب الصلاۃ الی اللہ عزوجل صلاۃ داؤد"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالیٰ کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔

اس حدیث پاک کی تخریج کرتے ہوئے مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :

رواہ الأئمۃ احمد والستۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما الا الترمذی فعندہ فضل الصیام وحدہ"۔

ترجمہ: اس حدیث پاک کو امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد سجستانی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام نسائی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی کتابوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ مگر یہ کہ امام ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذکر کردہ حدیث میں صرف روزے کی فضیلت کا ذکر ہے۔[۱]

(۲)-عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ،قال:قال رسول اللہ ﷺ : لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ "ترجمہ: خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرے۔

اس حدیث کے بارے میں مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :

"رواہ مسلم والنسائی عن امیر المومنین علی و نحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما "

ترجمہ: اس حدیث شریف کی روایت امام مسلم اور امام نسائی رضی اللہ تعالیٰ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے کی ہے ،جب کہ اسی کے مثل امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔[۲]

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۹۴

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۹۴

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

(۳)-" ان اول شيء خلق الله القلم و كان عرشه على الماء فارتفع بخار الماء ففتقت منه السمٰوٰت ثم خلق النون فبسطت الارض عليه والارض على ظهر النون فاضطرب النون فمادت الارض فاثبتت بالجبال ".

اس کی تخریج کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا :

"عبدالرزاق و فریابی و سعید بن منصور اپنی اپنی سنن اور عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ وابن ابی حاتم اپنی تفاسیر اور ابوالشیخ کتاب العظمہ اور حاکم بافادۂ تصحیح صحیح مستدرک اور بیہقی کتاب الاسماء اور خطیب تاریخ بغداد اور ضیاے مقدسی صحیح مختار میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی "۔ (۱)

(۴)-عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:أنا اولى الناس بعيسى بن مريم فى الدنيا والاخرة و ليس بينى و بينه نبى ".

ترجمہ: دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ عیسیٰ بن مریم کا ولی میں ہوں، مجھ میں اور ان میں کوئی نبی نہیں۔

اس حدیث کے بارے میں رقم طراز ہیں :

"رواه احمد والشيخان وابو داؤد عن ابی هريرة رضى الله تعالى عنه" یعنی امام احمد بن حنبل، امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم بن حجاج قشیری اور امام ابوداؤد سجستانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث پاک کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ (۲)

(۵)-عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: انا دعوة ابراهيم وكان آخر من بشر بى عيسىٰ بن مريم ".

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا: میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور سب میں پچھلے میری بشارت دینے والے عیسیٰ تھے۔ علیہم الصلاۃ والسلام"۔

اس حدیث کے بارے میں تحریر فرمایا :

"رواه الطيالسى وابن عساكر و غيرهما عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه" یعنی: امام طیالسی اور ابن عساکر وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۸۹، طبعیات

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۰۷، تفسیر

(۳) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۰۷

(٦)-رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث "

ترجمہ:گمان سے بچوکہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹ بات ہے۔

اس کی تخریج کرتے ہوئے مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحریر فرمایا:

"رواہ الائمۃ مالک والشیخان وابو داؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ".

ترجمہ: امام مالک، امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابو داؤد سجستانی اور امام ابو عیسیٰ ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت ابوہریرہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (۱)

(۷)-حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: "ان فاطمۃ احصنت فرجھا فحرمھا و ذریتھا علی النار " ترجمہ: یقینا فاطمہ [رضی اللہ تعالیٰ عنہا] نے اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی ذریت پر آتش جہنم حرام کردیا۔

اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"رواہ البزار و ابو یعلیٰ والطبرانی فی الکبیر والحاکم فی الصحیح و تمام فی فوائدہ .کلھم عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ .

ترجمہ: امام بزار، ابو یعلیٰ، امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام حاکم نے صحیح مستدرک میں اور تمام نے اپنے فوائد میں اس حدیث کی روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی ہے۔ (۲)

(۸)-ابوطالب کے بارے میں حضور اقدس سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ھو فی ضحضاح من نار و لو لا انا لکان فی الدرک الاسفل من النار و فی روایۃ: وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتہ الی ضحضاح "

اس حدیث شریف کے بارے میں تحریر فرمایا:

"اسی طرح صحیحین میں ابوسعید خدری اور مسند بزار و ابو یعلیٰ وابن عدی وتمام میں حضرت جابر بن عبد اللہ اور معجم کبیر طبرانی میں ام المومنین ام سلمہ سے ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔" (۳)

(۹)-رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۹۵

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۱٦، کتاب الشتی

(۳) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲٦۲، کتاب الشتی

"من بدل دینه فاقتلوه" یعنی جو شخص مرتد ہو جائے اسے قتل کر دو۔

اس کی تخریج کرتے ہوئے مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"رواه احمد والستة الا مسلما عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما. اس حدیث کو اصحاب ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے۔[1]

(۱۰)- حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز یوں کہے:

"اللهم انی اسئلك و اتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی هٰذه لتقضیٰ لی اللّهم فشفعه فی"۔

ترجمہ: الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں، یا رسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو، الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"امام نسائی و امام ترمذی و ابن ماجہ و حاکم و امام الائمہ ابن خزیمہ و امام ابو القاسم طبرانی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور ترمذی نے حسن صحیح غریب اور طبرانی و بیہقی نے صحیح اور حاکم نے بر شرط بخاری و مسلم کہا۔[2]

(۱۱)- "ان ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما خدرت رجله فقیل له اذکر احب الناس الیك فصاح یامحمداه فانتشرت"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا، کسی نے کہا انھیں یاد کیجیے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، حضرت نے بآواز بلند کہا: یا محمداہ! فوراً پاؤں کھل گیا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"امام طبرانی، امام منذری، امام بخاری کتاب المفرد میں اور امام ابن السنی و امام ابن بشکوال نے اس حدیث کو روایت کیا ہے" ملخصاً[3]

---

(۱)　فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۲

(۲)　فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۹۹-۱۰۰، رسالہ مبارکہ: انوار الانتباه فی حل نداء یا رسول الله.

(۳)　فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۰۱، رسالہ مبارکہ: انوار الانتباه فی حل نداء یا رسول الله.

(۱۲)-حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"قلت:یا رسول اللہ! ای الانبیاء کان اول ،قال: آدم ،قلت: یا رسول اللہ! و نبی کان؟قال: نعم نبی مکلم.

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں نقل کیا ہے۔[1]

(۱۳)-عن ابی وائل قال: جاء رجل الی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال من این جئت ؟ قال: من الشام ، فقال: من لقیت ؟ قال: لقیت کعباً ،فقال : ما حدثك کعب ،قال: حدثنی ان السمٰوات تدار علی منکب ملك ،فقال : صدقته أو کذبته ؟ فقال: ما صدقته و لا کذبته قال: لوددت انك افتدیت من رحلتك الیه براحلتك ورحلها کذب کعب ان اللہ یقول : ان اللہ یمسك السمٰوات والارض أن تزولا ولئن زالتا ان امسکهما من احد من بعده. "

اس حدیث پاک کے تحت مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :

"سعید بن منصور و عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر نے حضرت شقیق ابن سلمہ سے کہ زمانۂ رسالت پائے ہوئے تھے روایت کی اور یہ حدیث ابن جریر بسند صحیح بر جال صحیحین بخاری و مسلم ہے"۔[2]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۶۳، کتاب الشتی

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۸۱-۲۸۲، کتاب الشتی

راویان حدیث پر جرح وقدح

اسلاف کی طرح امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنی متعدّد مصنفات میں بڑی تعداد میں ایسے مجروح راویوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل نے واضح طور پر طعن و تشنیع کیا اور ان کی مرویات غیر مرضیہ سے اہل اسلام کو باخبر کیا ہے۔ "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین اور منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" میں مجروح راویوں کی کثرت سے نشان دہی کی گئی ہے، دیگر تصنیفات خصوصًا فتاویٰ رضویہ کی تقریبًا ہر جلد میں کچھ نہ کچھ اس نوعیت کے راویوں کا ذکر موجود ہے۔ سر دست فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم میں جن راویوں پر جرح وطعن کیا گیا ہے ان کا اختصاراً ذکر کیا جا رہا ہے۔

﴿۱﴾

زید اور ابن زید دونوں ضعیف ہیں: اضرار فی الوصیت کے حوالے سے سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث پاک موجود ہے:" من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة "

اس حدیث پاک کے روایوں میں زید اور ابن زید نام سے دو روای ہیں ، ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :

"بطور محدثین اس کی سند میں کلام ہے۔ زید ضعیف ہیں اور ان کے لڑکے اور ضعیف، اسی لیے امام سخاوی نے اس حدیث کو مقاصد حسنہ میں نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ حدیث بڑی ضعیف ہے اور مناوی نے تیسیر میں اور جریری نے سراج منیر میں منذری کے حوالے سے اس کو ضعیف کہا"۔ (۱)

﴿۲﴾

"مسیب بن شریک "ضعیف ہیں: رسالہ : نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال" میں ایک حدیث پاک ابونعیم اور ابن عساکر کے حوالے سے ہے، وہ حدیث یہ ہے :

"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال: حمل برسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی عاشوراء المحرم و ولد یوم الاثنین ثنتی عشرة من رمضان "

یعنی استقرار نطفہ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دسویں محرم الحرام کو ہوا جب کہ بارہ رمضان المبارک میں ولادت ہوئی۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۶۱

اس حدیث کے راویوں میں ایک مسیب بن شریک ہیں جن کو اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے کلمات یہ ہیں :

"اقول: فیه مسیب بن شریك ضعیف جدا" یعنی اس حدیث کے راویوں میں ایک مسیب بن شریک ہیں جو بہت ہی ضعیف ہیں۔ (۱)

﴿۳﴾

علی بن زید ضعیف، متروک اور منکر الحدیث ہیں: ثعلبہ نام سے دو شخص ہیں: (۱) ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری۔ یہ بدری صحابی ہیں، حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میمون میں جنگ احد میں شہید ہوئے۔ (۲) ثعلبہ ابن ابی حاطب۔ یہی وہ منافق ہے جس نے زکاۃ دینے سے انکار کیا اور امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نفاق پر مرا۔ اسی کے حق میں آیۂ کریمہ «وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۝» [التوبة: ۷۵] نازل ہوئی۔

تفسیر ابن جریر، بغوی، ثعلبی اور ابن شاہین میں ایک روایت ایسی ہے جس میں "ابن ابی حاطب" کی بجائے "ابن حاطب" کی صراحت ہے جب کہ ابن حاطب بدری صحابی ہیں جیسا کہ ابھی گزرا۔

اس روایت کے بارے میں مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"**اقول:** یہ حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس میں بجائے ابن ابی حاطب، ابن حاطب کہا، ابن جریر و بغوی و ثعلبی و ابن السکن و ابن شاہین و باوردی سب کے یہاں بطریق معاذ بن رفاعہ عن علی بن زید عن القاسم عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه ہے، اور علی بن زید میں کلام معلوم ہے۔ حافظ الشان نے "تقریب" میں فرمایا: ضعیف، امام دارقطنی نے فرمایا: متروك، امام بخاری نے فرمایا: منکر الحدیث، اور فرمایا: کل من اقول فیه منکر الحدیث لا تحل الروایة عنه، جسے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔ (۲)

"منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین" اور "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین" اور "نهج السلامه فی حکم تقبیل الابهامین فی الاقامه". ان تینوں مبارک و میمون رسالوں میں جن مجروح و مطعون راویوں کا ذکر ملتا ہے ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔

﴿۴﴾

نعیم بن حماد قابل احتجاج نہیں: فتاویٰ رضویہ میں ہے:

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۴، رسالہ: نطق الهلال بارخ ولاد الحبیب والوصال.

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۴۰، تفسیر

ابو الفتح ازدی نے کہا حدیثیں اپنے جی سے گڑھتا اور امام ابو حنیفہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا، امام ذہبی نے طبقات الحفاظ اور میزان الاعتدال میں اسے منکر الحدیث لکھا ہے اور یہ صراحت کی ہے کہ وہ قابل احتجاج نہیں۔(۱)

﴿۵﴾

عبد اللہ بن ابی نجیح یسار مکی مدلس ہیں: فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"تقریب میں اس کے لیے "رمی بالقدر" اور "ربما دلس" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔(۲)

﴿۶﴾

شبابہ بن سوار مبتدع تھا: اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا:

"امام احمد نے اسے ترک کیا، امام ابو حاتم رازی نے درجۂ حجیت سے ساقط بتایا"۔(۳)

﴿۷﴾

ابراہیم بن ابی یحییٰ رافضی قدری معتزلی جہمی متروک ہے: امام اجل یحییٰ بن سعید قطان و امام اجل یحییٰ بن معین و امام اجل علی بن مدینی و امام یزید بن ہارون و امام ابو داؤد وغیرہم اکابر نے فرمایا کذاب تھا، امام احمد نے فرمایا: ساری بلائیں اس میں تھیں، امام مالک نے فرمایا: وہ حدیث میں ثقہ ہے نہ دین میں، امام بخاری وغیرہ نے فرمایا: ائمۂ محدثین کے نزدیک متروک ہے۔(۴)

﴿۸﴾

خالد بن قاسم مدائنی بالاجماع متروک و مطعون بالکذب ہے: فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"اس کی عادت تھی کہ براہ مکر و حیلہ شیوخ پر ان کی ناشنیدہ روایتیں داخل کر دیتا۔(۵)

﴿۹﴾

یحییٰ بن محمد جاری متکلم فیہ ہیں: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"تقریب میں کہا" صدوق یخطئی " امام بخاری نے فرمایا: یتکلمون فیه " ائمۂ محدثین اس پر طعن کرتے ہیں۔(۶)

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۳۰۷
(۲) فتاویٰ رضویہ ج:۲، ص:۲۹۰
(۳) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۲۷۶
(۴) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۲۷۳
(۵) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۲۶۵
(۶) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۳۰۶

﴿۱۰﴾

ابو الزبیر مدلس ہیں: اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ صدوق تو ہیں مگر تدلیس بھی کرتے ہیں۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے: قال فی التقریب : صدوق الا انہ یدلس".[۱]

﴿۱۱﴾

علی بن عروہ دمشقی حدیث وضع کرتا تھا: فتاویٰ رضویہ میں امام جلیل الشان امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ہے:

"امام ابن حبان نے کہا: کہ وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔[۲]

﴿۱۲﴾

ابو عقال ہلال بن زید واضع ہے :فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"ابن حبان نے کہا وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موضوعات روایت کرتا۔[۳]

﴿۱۳﴾

کلبی شدید ضعیف ہیں: فتاویٰ رضویہ میں ہے :

ائمۂ شان نے اسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کہا۔"کذبہ ابن حبان والجوزجانی، وقال البخاری: ترکہ یحییٰ و ابن مھدی ،وقال الدار قطنی وجماعۃ: متروک ،لاجرم حافظ نے تقریب میں فرمایا: متھم بالکذب و رمی بالرفض".[۴]

﴿۱۴﴾

عمرو بن واقد متروک ہے۔[۵]

﴿۱۵﴾

ضحاک بن حجرہ ضعیف ہے۔[مصدر سابق]

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۳۰۸

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۴۴۳

(۳) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۴۴۳

(۴) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۴۷۶

(۵) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۳۴۹

مختلف اقوال میں ترجیح

بسا اوقات کچھ ایسے مسائل بھی در پیش ہوتے ہیں، جن کے بارے میں فقہاے کرام کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ایسے وقت میں ایک باکمال مفتی کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ فقہ کے اصول و قوانین کی کسوٹی پر مختلف اقوال کو تول کر راجح، مرجوح اور صحیح و سخیف کے درمیان امتیاز کرے اور قول راجح کی نشان دہی کرے۔ یہ تفقہ فی الدین کا ایک اہم عنصر ہے۔ جن ارباب فقہ وافتا کو مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بحر فقہ وافتا کے کچھ چھینٹے بطور خیرات ملے، ان کے فتاویٰ بھی اس خوبی سے مالا مال ہیں۔ فتاویٰ رضویہ سے اس نوعیت کی بحثوں کو اگر الگ کر لیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ مکمل فتاویٰ رضویہ چوں کہ میرے زیر بحث نہیں اس لیے صرف فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم کی روشنی میں اس کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿۱﴾

استقرار نطفۂ زکیہ کے دن سے متعلق مختلف اقوال میں ترجیح: اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ جس نطفۂ زکیہ سے حضور انور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی وہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلب سے حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رحم مبارک میں کس دن منتقل ہوا؟ اس سے متعلق متعدّد اقوال نقل کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شب جمعہ کو راجح قرار دیا ہے اور یہ واضح فرمایا ہے کہ شب جمعہ اسی وجہ سے شب قدر سے افضل ہے۔ زبیر بن بکار نے روز دوشنبہ کی صراحت کی ہے اور مجمع بحار الانوار میں اسی قول پر جزم کیا ہے مگر وہ سخیف و مرجوح ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

”کہا گیا روز دوشنبہ۔ ذکرہ الزبیر بن بکار وبہ جزم فی تکملۃ مجمع البحار اور اصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی اسی لیے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر و برکت و کرامت و سعادت جو اس میں اتری اس کے ہمسر نہ کبھی اتری نہ قیامت تک اترے وہاں تنزل الملئکۃ والروح فیھا ہے یہاں مولاے ملائکہ و آقاے روح کا نزول اجلال عظیم الفتوح ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مدارج النبوہ میں ہے: ”استقرار نطفہ زکیہ در ایام حج بر قول اصح دراوسط ایام تشریق

شب جمعہ بود وازیں جہت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لیلۃ الجمعہ را افضل تر از لیلۃ القدر دانستہ"۔(۱)

﴿۲﴾

استقرار نطفۂ زکیہ کس ماہ میں ہوا۔ اقوال اور ترجیح: ایک سوال یہ ہوا کہ حضور انور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ جس طیب و طاہر نطفہ سے ہوئی ہے وہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رحم مبارک میں کس مہینہ میں منتقل ہوا، تاریخ کیا تھی؟ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں جو تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

خطیب بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے پیش نظر کچھ علما نے غرۂ رجب کی تعیین فرمائی ہے، ایسا ہی سیدنا سہل تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

ابو نعیم اور ابن عساکر کی تخریج کردہ حدیث سے استناد کرتے ہوئے کچھ علما نے ماہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کی نشان دہی کی ہے۔

یہ دونوں قول سخیف و مرجوح ہیں، صحیح قول یہ ہے کہ ماہ حج کی بارہویں تاریخ تھی۔ شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کی تصحیح فرمائی ہے، ابن سعد اور ابن عساکر کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید و توثیق ہوتی ہے اور یہی قرین قیاس بھی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"بعض غرہ رجب کہتے ہیں: رواه الخطيب عن سيدنا سهل التسترى قدس سره اور بعض دہم محرم اخرج ابو نعيم وابن عساكر عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال حمل برسول الله صلى الله عليه و سلم فى عاشوراء المحرم وولد يوم الاثنين ثنتى عشرة من رمضان. اقول فيه مسيب بن شريك ضعيف جدا، اور صحیح یہ ہے کہ ماہ حج کی بارہویں تاریخ هكذا فى المدارج كما سيأتى.

أقول: اس کی مؤید ہے حدیث ابن سعد و ابن عساکر کہ زن خشعمیہ نے حضرت عبد اللہ کو اپنی طرف بلایا رمی جمار کا عذر فرمایا بعد رمی حضرت آمنہ سے مقاربت کی اور حمل اقدس مستقر ہوا پھر خشعمیہ نے دیکھ کر کہا کیا ہم بستری کی فرمایا ہاں کہا وہ نور کہ میں نے آپ کی پیشانی سے آسمان تک بلند دیکھا تھا نہ رہا آمنہ کو مژدہ دیجیے کہ ان کے حمل

(۱) فتاوی رضویہ ج:۱۲، ص:۲۴۰

میں افضل اہل زمین ہے قال ابن سعد انا وھب بن جریر ابن حازم ثنا ابی سمعت ابا یزید المدینی قال نبئت ان عبد الله(أبا رسول الله ﷺ أتی علی امرأة من خثعم، فرأت النور بین عینیه نورا ساطعا إلی السماء) فقالت هل لك فِيَّ؟ قال نعم حتی ارمی الجمرة-الحدیث- ظاہر کہ رمی جمار نہیں ہوتی مگر حج میں۔[1]

﴿۳﴾

حمل شریف کی مدت: ایک سوال حمل شریف کی مدت کے بارے میں بھی ہوا کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کتنے ماہ تک شکم آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جلوہ فگن رہے؟ اس سے متعلق اہل علم کے درمیان بہت زیادہ اختلاف ہے۔

کچھ علما نے چھ ماہ کی صراحت کی۔ کچھ علما نے سات ماہ لکھا، اور کچھ دس ماہ کے قائل ہیں، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مواہب لدنیہ اور زرقانی کے حوالے سے ان اقوال کی سخافت اور ضعف کی صراحت فرمائی ہے۔ اور یہ واضح کیا ہے کہ نو ماہ ہی صحیح و رجیح ہے، یہی اجلۂ علما کا قول مختار ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"دہ و نہ و ہفت و شش ماہ سب کچھ کہا گیا اور صحیح نو مہینے ہیں۔فی شرح الزرقانی للمواهب، اختلف فی مدة الحمل به صلی الله تعالیٰ علیه و سلم فقیل: تسعة اشهر کاملة وبه صدر مغلطائی قال فی الغرر:و هو الصحیح ".[2]

﴿۴﴾

ماہ ولادت طیبہ۔اقوال وترجیح: ماہ ولادت طیبہ سے متعلق بھی ارباب علم و دانش کے مابین از حد اختلافات ہیں۔ رمضان المبارک، رجب المرجب، محرم الحرام، صفر المظفر اور ربیع الآخر سب کچھ کہا گیا ہے مگر سب سے راجح ربیع الاول شریف ہی ہے۔ مدارج النبوہ، شرح الہمزیہ، مواہب لدنیہ، زرقانی، شرح ام القریٰ، تلقیح، نسیم الریاض وغیرہا کی تصریحات سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قول کی ترجیح ثابت فرمائی اور یہ بھی واضح فرمایا کہ علامہ ابن جوزی اور ابن جرار نے اس قول کے مجمع علیہ ہونے کی صراحت کی ہے۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

---

(۱) فتاوی رضویہ ج:۱۲، ص:۲۴

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۵

"رجب، صفر، ربیع الآخر، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح و مشہور و قول جمہور ربیع الاول ہے۔ مدارج میں ہے: مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود۔ شرح الہمزیہ میں ہے :"الا صح فی شهر ربیع الاول"۔ مواہب میں ہے: وهو قول جمهور العلماء پھر کہا :فی ربیع الاول علی الصحیح. شرح زرقانی میں ہے: "قال ابن کثیر و هو المشهور عند الجمهور" اسی میں ہے: وعليه العمل. علما باآں کہ اقوال مذکورہ سے آگاہ تھے محرم و رمضان و رجب کی نفی فرمائی۔ مواہب میں ہے: لم یکن فی المحرم ولا فی رجب ولا رمضان. شرح ام القریٰ میں ہے: لم یکن فی الاشهر الحرم او رمضان. یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی و ابن جرار نے اسی پر اجماع نقل کیا نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے: اتفقوا علی انه ولد یوم الاثنین فی شهر ربیع الاول اسی طرح ان کی صفوہ میں ہے :کما للزرقانی ثم عزاه ایضاالی ابن الجزار پس اس کا انکار اگر ترجیحات علما و اختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر"۔ (۱)

﴿۵﴾

تاریخ ولادت سے متعلق اقوال اور ان میں ترجیح: تاریخ ولادت طیبہ سے متعلق بھی اہل علم کے مابین شدت کا اختلاف ہے، اس بارے میں کل سات اقوال ہیں :

کچھ علمانے ربیع النور کی دوسری تاریخ بتایا، کچھ نے آٹھویں تاریخ، کچھ نے دسویں، کچھ نے سترہویں، کچھ نے اٹھارہویں اور کچھ نے بائیسویں تاریخ کی نشان دہی کی ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا بر کاتی قدس سرہ العزیز نے ان اقوال کو شدید ضعیف قرار دیا ہے اور مواہب لدنّیہ، زرقانی، شرح الہمزیہ، مدارج النبوہ، البدایہ والنہایہ کی صریح عبارتوں کی روشنی میں یہ واشگاف فرمایا ہے کہ ماخوذ و معتبر بارہویں تاریخ ہے، اور یہی قول جمہور ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"اس میں اقوال بہت مختلف ہیں دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس۔ سات قول ہیں مگر اشہر و اکثر و ماخوذ و معتبر بارہویں ہے مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں۔ کما فی المواهب و المدارج اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔ علامہ قسطلانی و فاضل زرقانی فرماتے ہیں: "المشهور انه صلی الله علیه و سلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وهو قول محمد بن اسحاق امام المغازی و غیره" شرح مواہب میں

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۵

امام ابن کثیر سے ہے :هو المشهور عند الجمهور اسی میں ہے :هو الذ ی علیه العمل،شرح الہمزیہ میں ہے :هو المشهور وعلیه العمل اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی :وان كان اكثر المحدثين والمورخين على ثمان خلون وعليه اجمع اهل الزيجات و اختاره ابن حزم و الحميدى وروى عن ابن عباس و جبير بن مطعم رضى الله تعالىٰ عنهم وبالاول صدر مغلطائى واعتمده الذهبى فى تذهيب التذهيب تبعا للمزى فى التهذيب و حكم المشهور بقيل وصحح الدميا طى عشرا خلت".(۱)

﴿۶﴾

"اولی الامر" سے کون لوگ مراد ہیں: آیۂ کریمہ: «اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ»[النسآء: ۵۹] میں " اُولِي الْاَمْرِ " سے مراد کون لوگ ہیں ؟اس کے بارے میں علما وفقہا کے درمیان قدرے اختلاف پایا جاتا ہے ۔کچھ علما " سلاطین اسلام " مراد لیتے ہیں تو کچھ " علما وفقہا " کے قائل ہیں ۔اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے ان مختلف اقوال میں ترجیح کے ساتھ وجہ ترجیح کی بھی صراحت فرمائی ہے ۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"اولی الامر میں اصح القول یہی ہے کہ اس سے مراد علمائے دین ہیں ۔كما نص عليه الزرقانى و غیرہ ۔نہ سلاطین جن کے بہت احکام خلاف شرع ہوتے ہیں ۔یزید پلید کے وقت میں بکثرت صحابہ و تابعین اعلام تھے وہی اولو الامر تھے نہ یزید علیه ما يستحقه.(۲)

(۱) فتاوی رضویہ،ج:۱۲،ص:۳۶

(۲) فتاویٰ رضویہ،ج:۱۲،ص:۳۸

دفع تعارض

﴿۱﴾

معراج سے متعلق دو متعارض حدیثوں میں تطبیق: اہل سنت و جماعت کا موقف یہ ہے کہ حضور انور سید عالم ﷺ کو جسمانی معراج ہوئی ہے۔ اس پر کثیر دلائل علماے اہل سنت خصوصًا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمائے ہیں۔ آیۂ کریمہ «سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ »[بنی اسرائیل: ۱] سے بھی اس مسئلہ پر استدلال کیا گیا ہے، حدیثِ اِسرا بھی علماے اہل سنت کی متدل بہ ہے جسے صحاح ستہ میں بالاتفاق نقل کیا گیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک حدیث میں روحانی معراج کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس لحاظ سے معراج سے متعلق احادیث باہم متعارض ہیں۔ ۱۲/ ربیع النور ۱۳۳۵ھ کو انہی احادیث کے ظاہری تعارض سے متعلق سوال ہوا تو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے دل نشیں اور دل پذیر انداز میں اس کے درمیان تطبیق و توفیق کی صورت پیش فرمائی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کو متعدّد بار معراج ہوئی ہے، ان میں کچھ معراج روحانی بھی ہیں۔ جسمانی معراج کے وقت چوں کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت صغیر السن تھیں اس لیے ان کی مرویات جسمانی معراج سے متعلق نہیں ہیں بلکہ بعد میں جو روحانی معراج ہوئی ہے، اس سے متعلق ہیں۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شب معراج تک خدمت اقدس میں حاضر بھی نہ ہوئی تھیں بہت صغیر السن بچہ تھیں وہ جو فرماتی ہیں حق فرماتی ہیں ان روحانی معراجوں کی نسبت فرماتی ہیں جو ان کے زمانے میں ہوئیں معراج جسمانی ان کی حاضری سے کئی سال پیش تر ہو چکی تھی“۔ (۱)

﴿۲﴾

قرآن حکیم کی ایک آیت اور حدیث پاک میں تعارض: قرآن حکیم میں ابولہب کے بارے میں

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۰۳-۲۰۴ کتاب الشتی

واضح حکم موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: «مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ(۲)»[اللھب: ۲] کہ اس کے مال اور اس کی کمائی نے اس کو کچھ بھی بے نیاز نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے اعمال سے اسے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ جب کہ ایک حدیث پاک میں یہ صراحت ہے کہ رسول گرامی وقار ﷺ کی ولادت طیبہ کی خوشی میں ابولہب نے اپنی باندی ثُوَیْبَہ کو آزاد کر دیا تھا، اس خوشی منانے کا اسے یہ فائدہ ملا کہ جب مرا تو اسے ایک شخص نے خواب میں دیکھا اور استفسار کیا کہ کس حال میں ہو؟ کہا کہ آگ میں ہوں مگر روز دوشنبہ ان دو انگلیوں سے پانی چوستا ہوں جن کے اشارے سے میں نے حضور ﷺ کی ولادت طیبہ کی خوشی میں اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے، علامہ جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسے اپنے رسالہ "میلاد" میں بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسے اس کے اس عمل نے فائدہ پہنچایا ہے۔ اس لیے بظاہر آیت کریمہ اور حدیث پاک میں تعارض ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ابولہب کو یہ فائدہ ولادت طیبہ کے موقع پر فرحت و مسرت کے اظہار کی وجہ سے ہوا، اور فرحت و شادمانی نہ تو ابولہب کا مال ہے اور نہ ہی کسب و فعل اختیاری۔ اس لیے دونوں میں ہرگز تعارض نہیں۔ جس طرح ابوطالب کو علاقہ اور نسبت کی وجہ سے فائدہ ہوا کہ علاقہ اور نسبت نہ تو ان کا مال ہے اور نہ ہی ان کا کسب۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک و مسعود کلمات یہ ہیں:

"یہ روایت صحیح بخاری شریف میں ہے ائمہ نے اسے مقبول رکھا اور اس میں قرآن عظیم کی اصلاً مخالفت نہیں. قطع نظر اس سے کہ یہ اغنا نہ ہوا اس کا سبب حضور پر نور رحمت عالم ﷺ سے علاقہ۔ حضور کی ولادت کریمہ پر خوشی کہ یہ نہ اس کا مال ہے نہ اس کا کسب و فعل اختیاری۔ یہ تو کیا ایسا فائدہ ہے حضور اقدس ﷺ سے علاقہ۔ ابوطالب کو ایسا کام آیا کہ سراپا آگ میں غرق تھے حضور انور ﷺ نے پایاب آگ میں کھینچ لیا کہ اب صرف تلووں میں آگ ہے حالاں کہ کفار کے حق میں اصل حکم یہ ہے کہ لایخفف عنهم العذاب ولاهم ينصرون نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ کوئی ان کی مدد کرے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: هو فى ضحضاح من نار ولولا انا لكان فى الدرك الاسفل من النار وفى رواية وجدته فى غمرات من النار فاخرجته الى ضحضاح،، اسی طرح صحیحین میں ابوسعید خدری اور مسند بزار و ابویعلی و ابن عدی و تمام میں حضرت جابر بن عبد اللہ اور معجم کبیر طبرانی میں ام المومنین ام سلمہ سے ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ امام عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: "فان قلت اعمال الكفرة هباء منثور لافائدة فيها قلت هذا النفع من بركة رسول الله صلى الله

تعالیٰ علیه وسلم وخصائصه" امام ابن حجر کی فتح الباری شرح بخاری میں ہے : "یو ید الخصوصیة انه بعد ان امتنع شفع له حتی خفف له العذاب بالنسبة لغیره" اسی طرح مجمع بحارالانوار وغیرہ میں ہے ان سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ نفع کافر کے عمل سے نہ ہوا بلکہ حضور رحمت اللعالمین ﷺ کی برکت سے اور یہ خصائص علیہ حضور اکرم ﷺ سے ہے۔ (۱)

﴿۳﴾

مساجد میں عورتوں کے جانے سے متعلق دو متعارض حدیثوں میں تطبیق: صحیح حدیث سے ثابت ہے:"لا تمنعوا اماء الله مساجد الله".

ترجمہ: اللہ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو۔

دوسری حدیث پاک میں ہے: "قالت ام المو منین الصدیقة رضی اللی تعالیٰ عنها: لو رأی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ما احدث النساء لمنعهن المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل".

ترجمہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں نے جو نئی باتیں پیدا کرلی ہیں اگر رسول اللہ ﷺ انھیں دیکھتے تو ان کو ایسا ہی مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں۔

پہلی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا مساجد میں جانا جائز ہے اور دوسری حدیث سے عدم جواز کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ بظاہر ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔

دراصل کسی بھی چیز سے ممانعت کی دو صورتیں ہیں: (۱) ذاتی: یعنی نفس ذات کے لحاظ سے اس شَے میں قبح ہو اور اسی وجہ سے حکم ممانعت ہو۔ (۲) عرضی: یعنی نفس شَے میں تو کوئی قبح نہ ہو مگر کسی عارض خارج کی وجہ سے اور سدباب معصیت کے لیے ممانعت کا حکم ہو۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ باعتبار ذات کسی چیز میں قبح نہ ہو اور اس کی اجازت ہو مگر کسی عارض کی وجہ سے اسی شَے کی ممانعت کا بھی حکم ہو۔ اس میں اگر چہ ظاہراً تعارض محسوس ہو گا مگر حقیقۃً تعارض نہیں کہ دونوں کے اعتبارات مختلف ہیں۔ اسی طرح باعتبار ذات عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت ہے مگر باعتبار عارض خارج حکم ممانعت ہے۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

" شَے کے لیے حکم دو قسم ہے۔ **ذاتی:** کہ اس کے نفس ذات کے لحاظ سے ہو۔ اور **عرضی:** کہ بوجہ عروض

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۶۲، کتاب الشتی

عوارض خارجیہ ہو۔ تمام احکام کہ بنظر سد ذرائع دیے جاتے ہیں جو مذہب حنفی میں بالخصوص ایک اصل اصیل ہے اسی قسم دوم سے ہیں۔ یہ دونوں قسمیں باآں کہ نفی واثبات میں مختلف ہوتی ہیں ہرگز متنافی نہیں کہ مناشی جدا جدا ہے اس کی مثال حضور نساء فی المساجد ہے کہ نظر بذات ہرگز ممنوع نہیں بلکہ ان کا روکنا ممنوع ہے۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہوا: "لا تمنعوا اماء الله مساجد الله " ترجمہ: اللہ کی باندیوں کو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ اور نظر بحال زناں ممنوع۔ کما صرح به الفقهاء الكرام.[1]

☆☆☆

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۶۳، شرح کلام علما

حل اشکالات

﴿۱﴾

آیت علوم ارحام پر ایک قوی اشکال: قرآن حکیم میں ہے:«اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ »[الرعد: ۸] ترجمہ: اللہ جانتا ہے جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہے ہر ماں اور جتنے سمٹتے ہیں پیٹ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنین مذکر ہو یا مونث، اس کا علم صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور یہی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ بھی ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو اور اللہ کی عطا سے حضور انور سید عالم ﷺ کو ہے۔ جب کہ بعض آلات ایسے بھی ہیں جن کے ذریعہ ڈاکٹروں کو بھی اس کا علم ہو جاتا ہے۔ یہ قرآن حکیم کی مذکورہ آیۂ کریمہ پر بہت بڑا اشکال ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مسئلہ کی تفہیم اور اشکال کے حل کے لیے مستقل ایک چشم کشا رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس کا نام الصمصام علی مشکك فی آیة علوم الارحام ہے۔ اب پوری گفتگو خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں!

"اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے: **اوّل:** علم کا ذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔ **دوم:** علم کا غنا کہ کسی آلہ جارحہ و تدبیر و فکر و نظر و التفات و انفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔ **سوم:** علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔ **چہارم:** علم کا وجوب کہ کبھی کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔ **پنجم:** علم کا ثبات و استمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر و تبدل، فرق و تفاوت کا امکان نہ ہو۔ **ششم:** علم کا اقصی غایات کمالات پر ہونا کہ معلوم کی ذات ذاتیات اعراض احوال لازمہ مفارقہ ذاتیہ اضافیہ ماضیہ آتیہ موجودہ ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہو سکے۔ ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل و علا سے خاص اور اس کے غیر سے قطعاً مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں جو کسی غیر الٰہی کے لیے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ ان تمام وجوہ کی طرف آیات کریمہ میں باطلاق کلمہ " یعلم " اشارہ فرمایا کہ یہاں علم کو مطلق رکھا اور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف اور علم کامل بلکہ علم حقیقی حق الحقیقہ وہی ہے جو ان وجوہ ستہ کا جامع ہو۔

وعلی ھذا القیاس. اب آلۂ محدثہ کی طرف چلیے، فقیر اس پر مطلع نہ ہوا، نہ کسی سے اس کا کچھ حال سنا، ظاہراً ایسی صورت میسر نہیں کہ جنین رحم میں بحال و فی ظلمٰت ثلث تین اندھیریوں میں رہے اور بذریعہ آلہ مشہود ہوجائے اس کا جسم بالتفصیل آنکھوں سے نظر آئے کہ بعد علوق فم رحم سخت منضم ہوجاتا ہے جس میں میل سرمہ بدقت جائے اور اس جاے تنگ و تار میں جنین محبوس ہوتا ہے وہ بھی یوں نہیں بلکہ خود اس پر تین غلاف اور چڑھے ہوتے ہیں اور ایک غشاے رقیق ملاقی جسم مبین جس میں اس کا فضلہ عرق جمع ہوتا ہے اس پر ایک اور حجاب اس سے کثیف تر مسمّٰی بہ غشاے لفافی جس میں فضلہ بول مجتمع رہتا ہے اس پر ایک اور غلاف اکثف کہ سب کو محیط ہے جسے مَشِیمہ کہتے ہیں، ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے، توظاہراً آلے کا محصل صرف بعض علامات وامارات ممیزہ من جملہ خواص خارجیہ کا بتانا ہوگا جن سے ذکورت وانوثت کا قیاس ہوسکے، جیسے رحم کی تجویف ایمن یا ایسر میں حمل کا ہونا یا اور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کیے گئے ہوں، اگر اسی قدر ہے جب تو کوئی نئی بات نہیں، پہلے بھی مجربین قیاسات فارقہ رکھتے تھے، جیسے دہنی یا بائیں طرف جنین کی بیش تر جنبش، یا حاملہ کی پستان راست یا چَپ کے حجم میں افزائش، یا سرہاے پستان میں سرخی یا ادواہٹ آنا، یا رنگ روے زن پر شادابی یا تیرگی چھانا، یا حرکات زن میں خفت یا ثقل پانا، یا قارورے میں اکثر اوقات حمرت یا بیاض غالب رہنی، یا عورت کے خلاف عادت بعض اطعمہ جیدہ یا ردیہ کی رغبت ہونی، یا پشم کبود میں زراوند مدقوق بعسل سرشتہ کا صبح علی الریق حمول اور ظہر تک مثل صائم رہ کر مزۂ دہن کا امتحان کہ شیریں ہوا یا تلخ، الی غیر ذٰلك مما یعرفه اهل الفن ولکل شروط یراعیها البصیر فیصیب الظن.(۱)

﴿۲﴾

ہاروت و ماروت سے متعلق ایک اشکال: بریلی شریف کے رہنے والے عالی جناب منشی قاضی عبد الحق صاحب نے ہاروت و ماروت کے بارے میں یہ اشکال پیش کیا کہ انھیں فرشتوں میں سے شمار نہیں کیا جاسکتا کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں جب کہ ان سے سحر و کفر جیسے عظیم گناہوں کا صدور ہوا ہے۔ جن یا انسان بھی نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ جن و انس کی عمر اتنی دراز نہیں ہوتی ہے، جیسا کہ کچھ نصوص کے مطالعہ اور شب و روز کے احوال کے مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے۔

بلاشبہہ ہاروت و ماروت فرشتگان عظام سے ہیں، یہی مذہب جمہور ہے اور اسی کی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے صراحت فرمائی ہے، ان سے سحر و کفر کا ہرگز ہرگز صدور نہ ہوا، بلکہ وہ ابتلاے خلق کے لیے بھیجے گئے تھے۔ مگر از

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۴۴۳- ۴۴۵

قبیل جن وانس ماننے پر یہ اشکال کہ جن وانس کی عمر اتنی دراز نہیں ہوتی ہے۔ یہ درست نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خضر، حضرت الیاس اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کے حوالے سے یہ واشگاف فرمایا کہ یہ نفوس قدسیہ بھی تو از قبیل انس ہیں، اور ہزاروں برس سے باحیات ہیں۔ ابلیس لعین جن سے مگر اس کے باوجود اس کی عمر بہت دراز ہے، بلکہ اس کی درازگیِ عمر کی صراحت قرآن حکیم میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: «فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝»[الحجر: ۳۷] اب پوری گفتگو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

”ان کو جن یا انس مانا جائے جب بھی درازیِ عمر مستبعد نہیں۔ سیدنا خضر و سیدنا الیاس و سیدنا عیسی صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم انس ہیں اور ابلیس جن ہے۔

اور راجح یہی ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں، جن کو رب عزوجل نے ابتلاے خلق کے لیے مقرر فرمایا کہ جو سحر سیکھنا چاہے اسے نصیحت کریں کہ «إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ»[البقرۃ: ۱۰۲] ہم تو آزمائش ہی کے لیے مقرر ہوئے ہیں تو کفر نہ کر۔ اور جو نہ مانے اپنے پاؤں جہنم میں جائے اسے تعلیم کریں تو وہ طاعت میں ہیں نہ کہ معصیت میں۔ به قال اکثر المفسرین علی ماعزاالیهم فی الشفاء الشریف.[1]

﴿۳﴾

کیا ولادت طیبہ کی تاریخ ۱۲؍ ربیع النور ہے؟

جمہور کا مذہب ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کی تاریخ ۱۲؍ ربیع النور شریف ہے۔ اذاقۃ الآثام، مولود برزنجی، مفتی عنایت احمد کاکوروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تواریخ حبیب الٰہ اور کثیر معتمد کتابوں میں اسی کی صراحت ہے۔ ایک سائل نے کتاب رحمۃ للعالمین“ اور شبلی نعمانی کے حوالے سے یہ اشکال پیش کیا کہ علم ہیئت و زیجات سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخ ولادت طیبہ ۱۲؍ ربیع النور کی بجاے ۹؍ ربیع النور ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ شبلی نعمانی اور کتاب رحمۃ للعالمین کی روایت از قبیل واہیات ہے۔ علم ہیئت و زیجات سے تاریخ ولادت ۹؍ ربیع النور کی بجاے ۸؍ ربیع النور ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ قول چوں کہ مذہب جمہور کے خلاف ہے اس لیے غیر مقبول اور لا یعبأ به ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات یہ ہیں:

(۱) فتاوی رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۰

”شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لیے وقعت عظیم ہے اور مشہور عندالجمہور ۱۲؍ ربیع الاول ہے اور علم ہیئت و زیجات کے حساب سے روز ولادت شریف ۸؍ ربیع الاول ہے۔ کما حققناہ فی فتاوانا. یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹؍ ربیع الاول لکھی، کسی حساب سے صحیح نہیں۔ تعامل مسلمین حرمین شریفین و مصر و شام بلاد اسلام و ہندوستان میں ۱۲؍ ہی پر ہے اس پر عمل کیا جائے۔“ (۱)

﴿۴﴾

حضور اقدس ﷺ کی وفات طیبہ کی تاریخ کے بارے میں ایک قوی اشکال: حضور اقدس سید عالم ﷺ کی وفات طیبہ کے دن کے بارے میں جمہور علما نے دوشنبہ کی نشان دہی فرمائی ہے۔ اس پر ایک قوی اشکال لازم آتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس ربیع الاول سے پہلے جو ماہ ذوالحجہ تھا اس کی پہلی تاریخ روز پنج شنبہ تھی ،اس لحاظ سے ۱۰ھ کے ماہ ذوالحجہ کی ۲۹؍ تاریخ بھی روز پنج شنبہ ہی تھی۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو اب کسی بھی صورت میں ربیع الاول ۱۱ھ کی بارہویں تاریخ دوشنبہ کو نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ اگر ذوالحجہ، محرم الحرام اور صفر المظفر یہ تینوں مہینے کامل مانے جائیں، تو غرۂ ربیع الاول چہار شنبہ کو ہوگا اور روز دوشنبہ ربیع الاول کی چھٹی اور تیرہویں تاریخ ہوگی، ۱۲؍ تاریخ ہرگز نہ ہوگی۔ اگر ان میں سے ایک کو ناقص اور دو کو کامل سمجھیں تو ربیع الاول کی پہلی تاریخ سہ شنبہ کو ہوگی اور روز دوشنبہ ساتویں اور چودھویں تاریخ ہوگی، بارہویں تاریخ روز دوشنبہ ہرگز نہیں ہوگی۔ اور اگر ایک کامل اور باقی دو ماہ ناقص مانیں تو ربیع الاول کی پہلی، آٹھویں اور پندرہویں تاریخ دوشنبہ کے روز ہوگی۔ بہر حال روز وفات دوشنبہ متعیّن کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ یہ ایک بہت ہی قوی اشکال ہے جو قول جمہور پر لازم آتا ہے۔ اس اشکال کو امام سہیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لاینحل سمجھ کر تاریخ وفات یکم ربیع الاول بتایا جب کہ امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ربیع الاول کی دوسری تاریخ کی نشان دہی فرمائی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام ابن کثیر اور امام فخر الدین رازی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال کی روشنی میں قول جمہور پر وارد ہونے والے اس قوی اشکال کا جو حل تحریر فرمایا ہے وہ قابل صد رشک ہے۔ حل اشکال کے ساتھ اس اشکال کو بھی ذکر کیا جا رہا ہے جسے امام سہیلی وغیرہ نے لاینحل سمجھ کر قول جمہور سے عدول کر لیا ہے۔ اب آپ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی وہ توجیہات ملاحظہ فرمائیں:

”جب ذی الحجہ ۱۰ھ کی ۲۹؍ روز پنج شنبہ تھی تو ربیع الاول ۱۱ھ کی ۱۲؍ کسی طرح روز دوشنبہ نہیں آتی کہ اگر ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینے ۳۰؍ کے لیے جائیں تو غرۂ ربیع الاول روز چہار شنبہ ہوتا ہے اور پیر کی چھٹی

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۹۶

اور تیرہویں، اور اگر تینوں ۲۹ر کے لیں تو غرۂ روز یک شنبہ پڑتا ہے اور پیر کی دوسری اور نویں، اور اگر ان میں کوئی سا ایک ناقص اور باقی دو کامل لیجیے، تو پہلی سہ شنبہ کی ہوتی ہے اور پیر کی ساتویں چودھویں، اور اگر ایک کامل دو ناقص مانیے تو پہلی پیر کی ہوتی ہے پھر پیر کی آٹھویں پندرہویں، غرض بارہویں کسی حساب سے نہیں آتی، اور ان چار کے سوا پانچویں کوئی صورت نہیں، قول جمہور پر یہ اشکال پہلے امام سہیلی کے خیال میں آیا اور اسے لاحل سمجھ کر انھوں نے قول یکم اور امام ابن حجر عسقلانی نے دوم کی طرف عدول فرمایا۔

فی المواھب بعد ذکرالقول المشھور (استشکله السھیلی وذٰلك انھم اتفقوا علی ان ذا الحجة کان اوله یوم الخمیس) للاجماع ان وقفة عرفة کانت الجمعة (فمھما فرضت الشھور الثلٰثة توام او نواقص اوبعضھا لم یصح) ان الثانی عشر من ربیع الاول یوم الاثنین (قال الحافظ ابن حجر وھو ظاھر لمن تامله وقد جزم سلیمٰن التیمی احد الثقات بان ابتداء مرضه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان یوم السبت الثانی و العشرین من صفر ومات یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول فعلی ھذا یکون صفر ناقصا ولایمکن ان یکون اول صفر السبت الا ان یکون ذوالحجه والمحرم ناقصین فیلزم منه نقص ثلٰثة اشھر متوالیة) وھی غایة مایتوالی قال الحافظ واما من قال مات اول یوم من ربیع الاول فیکون اثنان ناقصین وواحد کاملا ولذارجحه السھیلی(والمعتمد ما قاله ابومخنف) الاخباری الشیعی قال فی المیزان وغیره کذاب تالف متروك، وقد وافقه ابن الکلبی (انه توفی ثانی ربیع الاول وکان سبب غلط غیره انھم قالوا مات فی ثانی شھر ربیع الاول فغیرت فصارت ثانی عشر واستمرالوھم بذٰلك یتبع بعضھم بعضا من غیرتامل.اھ. مختصرا.مزیدا من الشرح.

أقول: ویظھر لمن تامل ھذا الکلام منشأ اختلاف نظرالامامین فی المیل الی القولین فکأن السھیلی نظر ان قول ابی مخنف لایتأتی الا أن تتوالی الاشھر الثلثة ذوالحجة ومحرم وصفر نواقص وھذا فی غایة الندرة بخلاف القول الاول فان علیه یکون شھر کاملا وشھران ناقصین وھذا کثیر فترجح ذٰلك فی نظره مع انه اشد ثبوت بالنسبة الی ذٰلك وکأن الحافظ نظران علی القول الاول لایبقی للجمھور عذر فی الباب فالمیل الٰی مایکون فیه ابداء عذرلھم کما ذکر من وقوع تصحیف شھر بعشر احسن او امتن.

مواہب لدنیہ میں قول مشہور کے ذکر کے بعد ہے۔ سہیلی نے اس پر اعتراض وارد کیا ہے وہ یہ ہے کہ علما ذوالحجہ کے جمعرات کو شروع ہونے پر متفق ہیں کیوں کہ وقوف عرفہ بروز جمعہ ہونے پر اجماع ہے۔ تو اب اگر تینوں مہینے

کامل فرض کیے جائیں یا تینوں ناقص فرض کیے جائیں یا بعض کامل اور بعض ناقص فرض کیے جائیں، کسی صورت میں یہ صحیح نہ ہوگا کہ بارہ ربیع الاول شریف پیر کے دن ہو۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ اشکال اس شخص پر ظاہر ہے جو تامل کرے۔ سلیمان تیمی نے - جو کہ ثقہ ہیں - قطعی طور پر کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کا آغاز بائیس صفر بروز ہفتہ ہوا اور آپ کا وصال دو ربیع الاول شریف کو ہوا، اس حساب سے ماہ صفر ناقص ہوگا اور جب تک ذوالحجہ اور محرم ناقص نہ ہوں صفر کا آغاز ہفتہ کے روز ہونا ممکن نہیں۔ اس طرح تین مسلسل مہینوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا جو کہ مسلسل ناقص ہونے کی آخری حد ہے۔ حافظ نے فرمایا: جس شخص نے کہا ہے کہ آپ کا وصال یکم ربیع الاول کو ہے تو اس حساب سے دو مہینے ناقص اور ایک کامل ہوگا۔ اسی لیے سہیلی نے اس کو ترجیح دی ہے۔ اس باب میں ابو مخنف مؤرخ شیعہ کا قول معتمد ہے۔ میزان وغیرہ میں ہے کہ وہ کذاب، تالف اور متروک ہے۔ ابن کلبی نے اس کی موافقت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ۲؍ ربیع الاول کو ہوا۔ ابو مخنف کے غیر کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ علما نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال شہر کی ثانی کو ہے، اس میں تغیر کر دیا گیا تو یہ اس طرح ہو گیا کہ آپ کا وصال ربیع الاول کی ثانی عشر کو ہے پھر یہ وہم چلتا رہا اور اس میں بعض علما بعض کی بلا تامل پیروی کرتے رہے۔ اھ۔ مختصراً۔ شرح سے کچھ اضافے کے ساتھ۔

أقول: اس کلام میں تامل کرنے والے پر دونوں اماموں کے دو قولوں کی طرف میلان کے بارے میں نقطہ نظر کے اختلاف کا منشا ظاہر ہو جاتا ہے، سہیلی نے دیکھا کہ ابو مخنف کا قول تب ہی متحقق ہو سکتا ہے جب تینوں مہینے یعنی ذوالحجہ، محرم اور صفر پے در پے ناقص ہوں اور یہ انتہائی نادر ہے بخلاف قول اول کے کہ اس پر ایک مہینہ کامل اور دو ناقص ہوتے ہیں اور یہ کثیر الوقوع ہے۔ چناں چہ سہیلی کی نظر میں یہ راجح ہے باوجودے کہ یہ ثبوت میں اس کی بنسبت اقوی ہے، جب کہ حافظ نے اس بات کو ملحوظ رکھا کہ قول اول پر جمہور کے لیے اس باب میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ چناں چہ اس قول کی طرف میلان کرنا جس میں ان کے لیے عذر کا اظہار ہو زیادہ بہتر اور زیادہ قوی ہے جیسا کہ لفظ شہر کے لفظ عشر کے ساتھ تبدیل ہو جانے کا ذکر گزر چکا ہے۔

مگر امام بدر بن جماعہ نے قول جمہور کی یہ تاویل کی کہ اثنی عشر خلت سے بارہ دن گزرنا مراد ہے نہ کہ صرف بارہ راتیں، اور پُر ظاہر کہ بارہ دن گزرنا تیرہویں ہی تاریخ پر صادق آئے گا اور دوشنبہ کی تیرہویں بے تکلف صحیح ہے جب کہ پہلے تینوں مہینے کامل ہوں کما علمت، اور امام بارزی و امام ابن کثیر نے یوں توجیہ فرمائی کہ مکہ معظمہ میں ہلال ذی الحجہ کی رویت شام چار شنبہ کو ہوئی پنج شنبہ کا غرہ اور جمعہ کا عرفہ مگر مدینہ طیبہ میں رویت دوسرے دن ہوئی تو ذی الحجہ کی پہلی جمعہ کی ٹھہری اور تینوں مہینے ذی الحجہ، محرم، صفر تیس تیس کے ہوئے تو غرہ ربیع الاول پنج شنبہ اور بارہویں دوشنبہ آئی۔ ذکرھا الحافظ فی الفتح.[1]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۸-۲۹

﴿۵﴾

قرآن حکیم کی روایت بالمعنیٰ کے عدم جواز پر اشکال:

روایت حدیث کے دو طریقے ہیں۔(۱) روایت باللفظ، یعنی جو کلمات حضور اقدس سید عالم ﷺ کی زبان اقدس سے صادر ہوئے، روایت کرنے میں ان الفاظ کی مکمل رعایت کرنا۔(۲) **روایت بالمعنیٰ**۔ یعنی حدیث پاک کے مفہوم و مقصود کو عربی زبان میں اپنے ہی الفاظ میں بیان کرنا۔ روایت باللفظ کے جواز بلکہ استحسان پر سب کا اتفاق ہے ۔ روایت بالمعنیٰ کے بارے میں گوکہ اختلاف ہے تاہم جمہور علمائے کرام جواز ہی کے قائل ہیں اور یہی ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب مہذب ہے ۔اس مقام پر بلیا کے رہنے والے عالی جناب حکیم عبد الشکور صاحب نے یہ اشکال پیش کیا کہ اس کی روشنی میں تو قرآن حکیم کی بھی روایت بالمعنیٰ جائز ہونا چاہیے؟

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اشکال کا یہ حل پیش فرمایا کہ حدیث اور قرآن میں فرق ہے ۔ حدیث کا مفہوم گوکہ تعبدی ہے مگر اس کے الفاظ تعبدی نہیں ،اس لیے اگر الفاظ حدیث کی رعایت نہ ہو سکے مگر مفہوم ادا ہو جائے تو جائز ہے ۔جب کہ قرآن حکیم کے نظم و حکم دونوں تعبدی ہیں ۔ اس لیے اس کی روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ۔ اب یہ مبارک و مسعود گفتگو خود مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں !

’’روایت حدیث کے دو نوں طریقے ہیں ،روایت باللفظ ،روایت بالمعنیٰ ،خود حضور اقدس ﷺ نے تحدیث بالمعنیٰ کی اجازت فرمائی ہے ،قرآن عظیم کے نظم کریم و حکم عظیم دونوں کے ساتھ تعبد ہے اس میں نقل بالمعنیٰ جائز نہیں ،حدیث کے حکم کے ساتھ تعبد ہے ،جو الفاظ کریمہ جوامع الکلم سے ارشاد ہوئے ہیں وہ بعینہا منقول ہیں اور باقی میں لفظ پر اقتصار موجب ضیق و عسر تھا،اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿ وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍؕ ﴾[الحج: ۷۸] .[1]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۰۸، کتاب الشتی

اغلاط کی نشان دہی

﴿۱﴾

کچھوا امام شافعی کے مذہب صحیح میں بھی حرام ہے: ایسے مسائل کی بھی کثرت ہے جن میں ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف پایا جاتا ہے، ایک ہی چیز کے بارے میں کبھی کوئی امام حلت کا حکم دیتا ہے تو دوسرا امام اس کی حرمت کا قائل ہوتا ہے اگر چاروں مذاہب حق پر ہیں تو لازم آئے گا کہ ایک ہی شَے حلال و حرام دونوں ہو جائیں اور یہ ممکن نہیں ہے۔ اسی نوعیت کا ایک سوال اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، سائل نے سوال میں کچھوا کی مثال پیش کی اور یہ کہا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب مہذب میں کچھوا کی حرمت کی صراحت ہے جب کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی حلت کے قائل ہیں۔

دراصل کچھوے کے بارے میں امام اعظم اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حرمت کے قائل ہیں، امام شافعی کے صحیح مذہب میں کچھوا حرام ہی ہے۔ اس لحاظ سے سائل سے سوال میں خطا ہوئی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل سوال کے جواب کے بعد اس غلطی کی بھی نشان دہی فرمائی۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”سائل نے کچھوے کی مثال صحیح نہیں لکھی۔ کچھوا امام شافعی کے صحیح مذہب میں بھی حرام ہے۔ ہاں اور اشیا ہیں کہ ان کے نزدیک حلال ہمارے نزدیک حرام ہیں۔ جیسے متروک التسمیہ عمداً اور ضب، اور بعض شافعیہ کے نزدیک کچھوا بھی۔ بہر حال دونوں برحق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ہر امام مجتہد کا اجتہاد جس طرف مؤدی ہوا اس کے اور اس کے مقلدوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وہی حکم ہے۔ شافعی المذہب اگر متروک التسمیہ عمداً کھائے گا اس کی عدالت میں فرق نہ آئے گا نہ دنیا میں اسے تعزیر دی جائے نہ آخرت میں اس سے اس کا مؤاخذہ ہو۔ اور حنفی المذہب کہ اسے حرام جانتا ہے اور اس کا ارتکاب کرے گا تو اس کی عدالت بھی ساقط ہوگی اور دنیا میں مستحق تعزیر اور آخرت میں قابل مواخذہ ہوگا۔ یوں ہی بالعکس جو چیز ہمارے نزدیک حلال ہے اور ان کے نزدیک حرام، سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”کل مجتهد مصيب والحق عندا لله واحد وقد يصيبه وقدلا“ ہر مجتہد مصیب ہے، لیکن عنداللہ حق ایک ہی ہے جس کو مجتہد کبھی پہنچتا ہے اور کبھی نہیں پہنچتا. امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں:"احدبه واقبل شهادته یرید شارب المثلث نقلها فی فواتح الرحموت" میں مثلث پینے والے پر حد بھی جاری کروں گا اور گواہی دے تو اس کی گواہی بھی قبول کروں گا۔[1]

﴿۲﴾

رجفہ" کا ترجمہ "کڑکڑانا" غلط ہے: آیۂ کریمہ: ﴿ فَلَمَّآ اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ ﴾[الاعراف: ۱۵۵] میں رجفہ کا ترجمہ ایک شخص نے "کڑکڑانا" کیا ہے اور کہتا ہے کہ درایت اسی کو چاہتی ہے کہ رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہوں اور یہی ہیں، کیوں کہ ان کا کڑکڑانا عذاب کا سبب ہوا تھا، اس واسطے رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہیں۔ اس شخص سے اس مقام پر دو طرح سے غلطی ہوئی ہے، رجفہ کا ترجمہ کڑکڑانا، کرنا بھی باطل و بے اصل ہے کہ اس پر نہ لغت کی کوئی کتاب شاہد ہے اور نہ ہی تفسیر کی کسی کتاب میں اس کی صراحت ہے۔ اور اسی معنی کا حصر کرنا دوسری فاحش غلطی ہے جو حضرت حق جل وعلا پر افترائے عظیم ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"رجفہ کے معنی یہ کڑکڑانا محض باطل و بے اصل ہے جس پر نہ لغت شاہد نہ تفسیر، تو یہ ضرور تفسیر بالرای ہے اور اس کا حصر کرنا کہ یہی ہیں حضرت عزت پر افترا، اور اس کا استدلال کہ وہ سبب (سبب عذاب)، آیت میں دوسری تحویل اور لفظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف تبدیل ہے کہ اخذ عذاب حقیقت ہے اور سبب کی طرف اسناد مجاز یا بحذف مضاف تقدیر وبال کی جائے، بہر حال محض بلا وجہ بلکہ بلا مجال وہی عدول بہ مجاز ہے کہ باطل و نا مجاز ہے۔ اسی قصہ میں دوسری جگہ "فاخذتكم الصاعقة" فرمایا صاعقہ کے معنی میں بھی اسی دلیل سے یہی کڑکڑانا ہوگا بلکہ جہاں جہاں قرآن عظیم نے اقوال کفار پر نار یا حمیم یا غساق وغیرہا کا ذکر فرمایا ہے ان سب کے معنی میں یہی کڑکڑانا آئے گا کہ یہی اس عذاب کا سبب ہوا ایسی بات علم تو علم عقل سے بعید ہے۔"[2]

﴿۳﴾

آیت کریمہ کارڈ میں لکھنا جائز نہیں: عالی جناب عبد اللہ صاحب، امام مسجد منہاران، سہارن پور کا ایک سوال ہے کہ یٰسٓ شریف کے وسط میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک اسم شریف ہے، جس میں کل پانچ کلمات اور سولہ حروف ہیں۔ چار حروف منقوط ہیں، ان میں سے دو کے اوپر اور دو کے نیچے نقطے ہیں۔ (یعنی دو فوقانی اور دو تحتانی ہیں)۔ وہ اسم شریف کون سا ہے؟ اس کی نشان دہی فرمادیں!

(۱) فتاوی رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۲۳

(۲) فتاوی رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۸۶-۱۸۷

سائل سے سوال میں کچھ غلطیاں صادر ہوئیں، اسی لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے ان کی نشان دہی فرمائی، پھر اصل جواب رقم فرمایا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس اسم شریف میں ایک لفظ "سلام" ہے جسے مصحف شریف میں بغیر الف کے لکھا جاتا ہے اس لیے اس میں ۱۶/ حروف کی بجائے پندرہ ہی حروف ہیں۔ نیز سائل نے جن چار حروف کو منقوط شمار کیا ہے وہ یہ ہیں: ق، ن، ب، ی۔ ان میں سے ایک تو بلا شبہہ فوقانی اور دو تحتانی ہیں۔ مگر نون کو فوقانی بتانا درست نہیں کہ اس کے جوف میں نقطہ ہے۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"وہ سورہ مبارکہ کی ایک پوری آیت ہے کارڈ میں آیت نہیں لکھی جاسکتی اس کا اول س ل م اور آخر ر ح ی م۔ اس سائل نے ۱۶/ حرف یوں بتائے کہ سلام میں چار حرف سمجھے یہ غلط ہے مصحف کریم میں یہ لفظ بے الف ہے تو پندرہ ہی حرف ہیں اس میں چار حرف منقوط ہیں ق ن ب ی، مگر نون کے اوپر نقطہ کہنا نہ چاہیے کہ وہ جوف میں ہے فقط۔"(۱)

﴿۴﴾

اللہ تعالیٰ کی شان میں لفظ غصہ کا استعمال: مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن حکیم کا ترجمہ کیا ہے، جس کی متعدّد بار "ترجمۂ قرآن" کے نام سے اشاعت بھی ہوئی ہے۔ اس میں «غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۟» [الفاتحۃ: ۷] کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے: "جن پر تو غصہ ہوا، یا تو نے غصہ کیا"۔ اس کے بارے میں سوال ہوا تو مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس ترجمہ کو شان الوہیت کے لیے نامناسب بتایا اور اس میں ترمیم کا حکم دیا۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمال پاس رہے، مثلاً غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا یہ ترجمہ کہ جن پر غصہ ہوا یا تو نے غصہ کیا، فقیر کو سخت ناگوار ہے۔ غصہ کے اصل معنی اُچھّو کے ہیں یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا، جیسے طعامًا ذاغصۃ فرمایا۔ اس سے استعارہ کرکے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کرسکے، گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائق کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں۔ مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علما پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہوا: "نہ ان کی جن پر تو نے غضب فرمایا، یا جن پر تیرا غضب ہے، یا جن پر غضب ہوا، یا جو غضب میں ہیں" خیال کرنے سے ان کے ترجمہ میں اس کی بہت سی نظائر معلوم ہو سکتی ہیں۔"(۲)

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۵۰-۲۵۱

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۳۴

روایات باطلہ کی تردید

(۱)

حضرت حسین بن منصور حلاج سے متعلق ایک باطل وعاطل روایت: عالی جناب سید احمد علی صاحب، نور محل، بھوپال، نے حضرت سیدنا حسین بن منصور حلاج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق کچھ روایتیں لکھ کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفتا کیا تھا، جن میں ان کے کفروارتداد، دعوائے الوہیت، اور قتل کا ذکر ہے۔ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ واشگاف فرمایا ہے کہ حضرت حسین بن منصور سے متعلق جو روایات معروف و مشہور ہیں وہ سب باطل وعاطل اور حقیقت کے یک سر خلاف ہیں۔ اس بارے میں حق وصواب کیا ہے؟ مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ملاحظہ فرمائیں!

"حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں منصور ان کے والد کا نام تھا اور ان کا اسم گرامی حسین۔ اکابر اہل حال سے تھے ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبہ ولایت و معرفت میں زائد تھیں۔ وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوتیں ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا گھر میں ہر جگہ تلاش کیا پتانہ چلا نہ ان کو وسوسہ گزرا دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے وہ اپنے وقت پر اٹھ کر چلیں یہ آہستہ پیچھے ہو لیے دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیریں یاقوت کا جام اترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آلگا. انھوں نے پینا شروع کیا ان سے صبر نہ ہوسکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اٹھے کہ بہن تمھیں اللہ کی قسم کہ میرے لیے تھوڑا چھوڑ دو انھوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا۔ انھوں نے پیا اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در و دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے انھوں نے کہنا شروع کیا: "انا الاَحق" بے شک میں سب سے زیادہ اس کا سزاوار ہوں لوگوں کے سننے میں آیا: "انا الحق،، وہ دعوائے خدائی سمجھے اور یہ کفر ہے اور مسلمان ہوکر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"من بدل دينه فاقتلوه رواه احمد والستة الامسلما عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما" جو اپنا دین بدلے اسے قتل کرو اس حدیث کو اصحاب ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب

نے اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا۔ (۱)

﴿۲﴾

کیا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے حنفی تھے؟

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور پیروکار تھے، ایک بار خواب میں حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو امام احمد بن حنبل نے یہ گزارش کی کہ آپ کے میرے حلقۂ تقلید میں آنے سے میرے مذہب کو تقویت ملے گی، اس لیے آپ حنفیت ترک کر کے حنبلیت اختیار فرمالیں، غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ گزارش قبول فرمائی اور قلادۂ حنفیت اتار کر، حنبلیت کے رنگ میں رنگ گئے۔ اس روایت کی صحت وسقم سے متعلق دریافت کیا گیا تھا۔

مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واشگاف فرمایا کہ یہ روایت نہ صرف موضوع اور من گھڑت ہے بلکہ ان دونوں جلیل الشان نفوس قدسیہ پر افترائے عظیم بھی ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصل کلمات یہ ہیں :

"یہ روایت صحیح نہیں حضور ہمیشہ سے حنبلی تھے اور بعد کو جب عین الشریعۃ الکبریٰ تک پہنچ کر منصب اجتہاد مطلق حاصل ہوا مذہب حنبلی کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے مطابق فتویٰ دیا کہ حضور محی الدین، اور دین متین کے یہ چاروں ستون ہیں لوگوں کی طرف سے جس ستون میں ضعف آتا دیکھا اس کی تقویت فرمائی۔" (۲)

﴿۳﴾

زلزلہ کی حقیقت کے بارے میں ایک موضوع روایت: زلزلہ کی حقیقت وماہیت سے متعلق یہ مشہور ہے کہ زمین ایک شاخ گاؤ پر ہے اور گائے ایک مچھلی پر کھڑی رہتی ہے، جس وقت اس گائے کا سینگ تھک جاتا ہے تو بدل کر دوسرے سینگ پر رکھ لیتی ہے، اس عمل سے زمین میں جو جنبش وحرکت ہوتی ہے اسی کو زلزلہ کہتے ہیں۔ اس روایت کی صحت وسقم سے متعلق عالی جناب احمد شاہ صاحب نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفتا کیا تھا۔

مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ کو بے اصل وبے حقیقت قرار دیتے ہوئے اسے از قبیل واہیات وخرافات شمار فرمایا، نیز زلزلہ کی اصلی حقیقت وماہیت کی نشان دہی کرتے ہوئے اس کے اصلی باعث کی بھی وضاحت فرمائی۔ اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مبارک ومسعود فتویٰ چشم بینا سے بار بار پڑھیں،

---

(۱) فتاوی رضویہ ج:۱۲، ص:۲۱-۲۲

(۲) فتاوی رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۲۷، کتاب الشتیٰ

ان شاء اللہ الرحمن قلب و جگر کو تازگی ملے گی:

''زلزلہ کا سبب مذکور زبان زد عام محض بے اصل ہے۔'' (۱)

نیز فرمایا:

''اصلی باعث آدمیوں کے گناہ ہیں اور پیدا یوں ہوتا ہے کہ ایک پہاڑ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے زمین کے اندر اندر سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں جیسے بڑے درخت کی جڑیں دور تک اندر اندر پھیلتی ہیں جس زمین کو معاذاللہ زلزلہ کا حکم ہوتا ہے وہ پہاڑ اپنے اس جگہ کے ریشے کو جنبش دیتا ہے زمین ہلنے لگتی ہے۔'' (۲)

نیز فرمایا:

''خاص خاص مواضع میں زلزلہ آنا دوسری جگہ نہ ہونا اور جہاں ہونا وہاں بھی شدت و خفت میں مختلف ہونا اس کا سبب وہ نہیں جو عوام بتاتے ہیں سبب حقیقی تو وہی ارادۃ اللہ ہے اور عالم اسباب میں باعث اصلی بندوں کے معاصی؛ «وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ۝» [شوری: ۳۰] الآیۃ. تمھیں جو مصیبت پہنچتی ہے تمھارے ہاتھوں کی کمائیوں کا بدلہ ہے اور بہت کچھ معاف فرما دیتا ہے اور وجہ وقوع کوہ قاف کے ریشہ کی حرکت ہے حق سبحانہ و تعالی نے تمام زمین کو محیط ایک پہاڑ پیدا کیا جس کا نام قاف ہے کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کے ریشے زمین میں نہ پھیلے ہوں جس طرح پیڑ کی جڑ بالائے زمین تھوڑی سی جگہ میں ہوتی ہے اور اس کے ریشے زمین کے اندر اندر بہت دور تک پھیلے ہوتے ہیں کہ اس کے لیے وجہ قرار ہوں اور آندھیوں میں گرنے سے روکیں پھر پیڑ جس قدر بڑا ہوگا اتنی ہی زیادہ دور تک اس کے ریشے گھیریں گے جبل قاف جس کا دور تمام کرہ زمین کو اپنے پیٹ میں لیے ہے اس کے ریشے ساری زمین میں اپنا جال بچھائے ہیں کہیں اوپر ظاہر ہو کر پہاڑیاں ہو گئے کہیں سطح تک آکر تھم رہے جسے زمین سنگلاخ کہتے ہیں کہیں زمین کے اندر ہے قریب یا بعید ایسے کہ پانی کی چوان سے بھی بہت نیچے ان مقامات میں زمین کا بالائی حصہ دور تک نرم مٹی رہتا ہے جسے عربی میں سہل کہتے ہیں ہمارے قرب کے عام بلاد ایسے ہی ہیں مگر اندر اندر قاف کے رگ و ریشہ سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ جس جگہ زلزلہ کے لیے ارادۂ الہی عزوجل ہوتا ہے۔والعیاذ برحمته ثم برحمة رسوله جل وعلا وصلی الله تعالیٰ علیه وسلم- قاف کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وہاں کے ریشے جنبش دیتا ہے۔ صرف وہیں زلزلہ آئے گا جہاں کے ریشے کو حرکت دی گئی پھر جہاں خفیف کا حکم ہے اس کے محاذی ریشہ کو آہستہ ہلاتا ہے اور جہاں شدید کا امر ہے وہاں بقوت یہاں تک کہ بعض جگہ صرف ایک دھکا سا لگ کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی وقت دوسرے قریب مقام کے

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۸۹، طبعیات

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۸۹، طبعیات

درو دیوار جھونکے لیتے اور تیسری جگہ زمین پھٹ کر پانی نکل آتا ہے یا عنف حرکت سے مادۂ کبریتی مشتعل ہو کر شعلے نکلتے ہیں چیخوں کی آواز پیدا ہوتی ہے والعیاذ باللہ تعالی زمین کے نیچے رطوبتوں میں حرارت شمس کے عمل سے بخارات سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور بہت جگہ دخانی مادہ ہے جنبش کے سبب منافذ زمین متسع ہو کر وہ بخار و دخان نکلتے ہیں طبعیات میں پاؤں تلے کی دیکھنے والے انھیں کے ارادہ خروج کو سبب زلزلہ سمجھنے لگے، حالاں کہ ان کا خروج بھی سبب زلزلہ کا مسبب ہے امام ابوبکر ابن ابی الدنیا کتاب العقوبات اور ابوالشیخ کتاب العظمہ میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی ”قال:خلق الله جبلا يقال له قاف محيط بالعالم وعروقه الى الصخرة التي عليها الارض فاذا اراد الله ان يزلزل قرية امر ذلك الجبل فحرك العرق الذى يلى تلك القرية فيزلزلها ويحركها فمن ثم تحرك القرية دون القرية.“

ترجمہ: اللہ عزوجل نے ایک پہاڑ پیدا کیا جس کا نام قاف ہے وہ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے اس چٹان تک پھیلے ہیں جس پر زمین ہے جب اللہ عزوجل کسی جگہ زلزلہ لانا چاہتا ہے اس پہاڑ کو حکم دیتا ہے وہ اپنے اس جگہ کے متّصل ریشے کو لرزش و جنبش دیتا ہے یہی باعث ہے کہ زلزلہ ایک بستی میں آتا ہے دوسری میں نہیں۔ (۱)

﴿۴﴾

کیا فارسی زبان کی کتابوں کے آغاز کا دن، جمعہ ہے؟

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں فارسی زبان کی کتابوں کے آغاز سے متعلق کچھ جگہوں پر یہ رسم جاری تھی کہ لوگ اسے جمعہ کے دن شروع کرتے تھے اور اسے اس کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ عالی جناب چراغ علی صاحب نے اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے استفتا کیا تھا۔ مجدد اعظم امام احمد رضا نے اس رسم کو محض بے اصل قرار دیتے ہوئے یہ صراحت فرمائی کہ صدر اول میں یہ محض کفار کی زبان سمجھی جاتی تھی، اور اس کے بولنے سے احتراز کیا جاتا تھا، اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یا صحابۂ کرام سے اس کی تخصیص منقول ہو۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کے کلمات یہ ہیں :

”ابتدائے فارسی کے لیے جمعہ کے دن کی تخصیص بے اصل ہے اور نہ اس بارے میں کچھ وارد۔ بلکہ صدر اول میں تو فارسی سے مخالفت تھی کہ وہ اس وقت کفار کی زبان تھی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: ”اياكم و رطانة الاعاجم فانه يورث النفاق“.(۲)

(۱) فتاوی رضویہ۔ ج:۱۲، ص:۱۸۹-۱۹۱

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۶۰، فوائد حدیثیہ

﴿۵﴾

کیا حضور اکرم ﷺ کی دجال سے ملاقات ہوئی ہے؟

دجال سے متعلق ایک روایت کے بارے میں محمد حافظ علی صاحب اتر دیناج پور، بنگال نے استفسار کیا تھا، روایت یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ کی دجال سے ایک بار ملاقات ہوئی، اس وقت وہ اپنی اصلی ہیئت پر تھا، حضور ﷺ کے ساتھ حضرت عمر بھی تھے اور اسے اپنی تلوار سے مارنا چاہ رہے تھے، حضور انور ﷺ نے منع فرمایا مگر باوصف ممانعت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دجال پر وار کر ہی دیا، اتفاق ہے کہ وہ تلوار دجال کی بجائے خود فاروق اعظم کی جبین مبارک میں لگی جس سے از حد خون بہنے لگا اور بعد میں بھی اس کا نشان باقی رہا۔

امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس واقعہ کو موضوعات و مخترعات کے قبیل سے گردانتے ہوئے یہ صراحت فرمائی ہے کہ یہ رافضیوں کی خود ساختہ روایات سے ہے، نیز اس میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات پر افترائے عظیم بھی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”ایں کذب وافترائے محض است مانا کہ از مختلقات اہل رفض است“
﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝﴾[التوبۃ: ۳۰] (۱)

﴿۶﴾

نماز غفیر کی حقیقت: حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ انھوں نے یزید پلید کی مغفرت کے لیے اس کو ایک نماز پڑھنے کی ترکیب بتائی تھی، جسے ”نماز غفیر“ کہا جاتا ہے۔ یہ روایت ”ذکر الشہادتین“ نامی کتاب میں موجود ہے۔ مرزا احسان بیگ نے اسی روایت کے بارے میں مجدد اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفسار کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بھی محض بے اصل اور بے سروپا قرار دیا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”یہ روایت محض بے اصل ہے، حضرت نے کوئی نماز اس پلید کی مغفرت کے لیے اس کو تعلیم نہ فرمائی“(۲)

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۱۶، کتاب الشتی
(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۹۰۔ کتاب الشتی

﴿۷﴾

ہاروت و ماروت سے متعلق موضوع روایت: ہاروت و ماروت کے بارے میں کچھ کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ آسمان میں ایک دروازہ ہے، اور اس دروازہ کے بیچ میں ایک فرشتہ طوق و زنجیر پہنے ہوئے ہے، اور ایک ندا کرنے والا ان کے بارے میں یہ ندا کرتا ہے کہ اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی جس کی وجہ سے اس کو سزا ملی ہے۔ اس روایت کی صحت و سقم سے متعلق امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بریلی شریف کے رہنے والے عالی جناب قاضی عبد الحق صاحب نے استفسار کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدّد علما و فقہا کے حوالے سے یہ واشگاف فرمایا کہ ہاروت و ماروت سے متعلق یہ اور اس کے مثل کثیر روایات محض بے اصل و بے سند اور قرآن و احادیث کے یک سر خلاف ہیں، ان کا اصل ماخذ یہودیوں کی کتابیں ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاکیزہ کلمات یہ ہیں:

"قصۂ ہاروت و ماروت جس طرح عام میں شائع ہے ائمۂ کرام کو اس پر سخت انکار شدید ہے جس کی تفصیل شفا شریف اور اس کی شروح میں ہے یہاں تک کہ امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: "ھٰذہ الاخبار من کتب الیھود و افتراءاتھم" یہ خبریں یہودیوں کی کتابوں اور ان کی افتراؤں سے ہے۔ راجح یہی ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہیں جن کو رب عزوجل نے ابتلاے خلق کے لیے مقرر فرمایا کہ جو سحر سیکھنا چاہے اسے نصیحت کریں کہ " انما نحن فتنة فلا تکفر ". ہم تو آزمائش ہی کے لیے مقرر ہوئے ہیں تو کفر نہ کرو اور جو نہ مانے، اپنے پاؤں جہنم میں جائے، اسے تعلیم کریں تو وہ طاعت میں ہیں نہ کہ معصیت میں۔ بہ قال اکثر المفسرین علی ما عزا الیھم فی الشفاء الشریف.[1]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۹۰۔ کتاب الشتی

اصلاح وموعظت کا عنصر

قرآن حکیم میں ہے: «اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَ الۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ»[النحل: ۱۲۵]
ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے۔

اس آیت کریمہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ ایک درّاک اور متدین مفتی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سائلوں کی غلطیوں پر قدغن لگاتے ہوئے ان کی اس انداز سے اصلاح کرے کہ وہ قبول حق پر آمادہ ہو جائیں، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر عیاں ہے کہ آپ کی تحریرات اس خوبی سے کس قدر مالا مال ہیں، جسے "تمہید ایمان" کے مطالعہ کا شرف حاصل ہے اس پر یہ حقیقت تو آفتاب نیم روز سے زیادہ روشن ہے، امت مسلمہ کی احسن طریقہ پر اصلاح کرنا اور سب کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کا اسیر بنا دینا ہی آپ کی حیات طیبہ کا مقصود و منشود ہے۔ صرف فتاویٰ رضویہ سے اگر ایسی بحثیں الگ کی جائیں تو ایک کامل اور ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔ سر دست فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم سے اس کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں!

﴿۱﴾

کسی ولی کامل کے لیے حکم پوچھنا کمال بے ادبی ہے: ایک سائل نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک موضوع روایت نقل کی، جس میں دریا پار کرتے وقت ایک شخص کو یا اللہ یا اللہ کہنے کی ممانعت اور یا جنید یا جنید کہنے کا ذکر ہے۔ اس کی صحت وسقم کے ساتھ سائل نے حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی حکم دریافت کیا تھا (کہ انھوں نے مرید کو یا اللہ کی جگہ یا جنید بتایا، تو ان کا کیا حکم ہے؟)۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب تحریر کرنے کے بعد اس کی اصلاح فرمائی اور لکھا:

"حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حکم پوچھنا کمال بے ادبی وگستاخی و دریدہ دہنی ہے۔"[1]

﴿۲﴾

بدشگونی و بدگمانی حرام ہے: کچھ علاقوں میں تینترا لڑکا (وہ بیٹا جو تین بیٹیوں کے بعد پیدا ہو) کو

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۹۵، کتاب الشتی

خوش نصیب تصور کیا جاتا تھا، جب کہ تینتری لڑکی بد نصیب سمجھی جاتی تھی۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے باطل محض قرار دیتے ہوئے اسے ہندوانہ خیالات میں سے شمار فرمایا، اور ان کی پیروی کو ناجائز و حرام و گناہ قرار دیا۔ از راہ خیر خواہی ان کے دفع وساوس کے لیے قرآن واحادیث سے کچھ دعائیں بھی تحریر فرمائیں۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

”یہ محض باطل اور زنانے اوہام اور ہندوانہ خیالات شیطانیہ ہیں ان کی پیروی حرام ہے... اس قسم کے خطرے ،وسوسے جب کبھی پیدا ہوں ان کے واسطے قرآن کریم و حدیث شریف سے چند مختصر و بے شمار نافع دعائیں لکھتا ہوں انھیں ایک ایک بار خواہ زائد آپ اور آپ کے گھر میں پڑھ لیں اگر دل پختہ ہو جائے اور وہم جاتا رہے بہتر ورنہ جب وسوسہ پیدا ہو ایک ایک دفعہ پڑھ لیجیے اور یقین کیجیے کہ اللہ اور رسول کے وعدے سچے ہیں اور شیطان ملعون کا ڈرانا جھوٹا چند بار میں بعونہ تعالیٰ وہ وہم بالکل زائل ہو جائے گا۔ اور اصلاً کبھی اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔“ (یہ دعائیں اسی مقالہ میں مذکور ہیں) [1]

﴿۳﴾

عوام کا اپنے مبلغ سے اونچی باتوں میں تبادلۂ خیال کرنا باعث ہلاکت ہے:

آیۂ کریمہ: «ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝»[النجم : ۸-۹]اور نور مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم وحدوث سے متعلق دو شخصوں کے درمیان تنازع ہوا۔ ان میں سے ایک کا کہنا تھا کہ نور مصطفی علیہ التحیۃ والثنا قدیم ہے اور قرب سے مراد قرب خداوندی ہے۔ جب کہ دوسرا شخص اس بات کا قائل تھا کہ نور محمدی حادث ہے اور قرب سے مراد قرب خداوندی نہیں بلکہ بلبل سدرہ حضرت سیدنا جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام کا قرب مراد ہے۔ واضح رہے کہ یہ تنازع اہل تحقیق کے مابین نہیں تھا بلکہ یہ دو عامی شخصوں کا جھگڑا تھا۔ اس سے متعلق جب سوال ہوا تو مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصل جواب سے اعراض کرتے ہوئے از راہ پند و نصیحت یہ تاکید فرمائی کہ عوام مسلمین کو فرائض دینیہ کے علم سے آگاہ ہونا چاہیے اور اپنے مبلغ سے اونچی باتوں میں تبادلۂ خیالات سے احتراز واجتناب چاہیے کہ یہ راہ ہلاکت ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

”عوام مسلمین کو نماز، روزے، وضو، غسل، قراءت کی تصحیح فرض ہے جس سے روز قیامت ان پر مطالبہ و مواخذہ ہوگا۔ اپنے مرتبہ سے اونچی باتوں میں کچہریاں جمانا اور کھچڑیاں پکانا اور رائیں لگانا گمراہی کا پھاٹک ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۶۷، کتاب الشتی

والعیاذ باللہ تعالی.[۱]

﴿۴﴾

طرز بیان سے تعظیم توہین میں بدل جاتی ہے: مدرسہ حفاظت الاسلام، میرٹھ کے ایک مدرس منشی محمود علی صاحب نے یہ سوال کیا کہ "قرآن مجید، احادیث نبویہ اور کتب فقہ حنفی میں جو بعض شرم ناک مسائل مذکور ہیں مثلاً حیض، نفاس، جماع، طلاق وغیرہا۔ ان کا اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرنا اور عوام کے روبرو کرنا جائز ہے یا نہیں؟"

مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر سائل کو بڑے دل نشیں انداز میں ہدایت فرمائی۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"ایسے سوال میں قرآن عظیم کا شامل کرنا سوء ادب ہے اللہ و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہماری ہر حاجت کے متعلق حق و باطل، نفع و ضرر پر ہمیں مطلع فرمایا، یا جس طرح ہمیں نماز، روزہ سکھایا، یوں ہی جماع واستنجا تعلیم فرمایا مگر امور شرم کا ذکر طرز بیان مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے ایک ہی مسئلہ اگر حیا کے پیرایہ میں بیان کیا جائے تو کواری لڑکی کو اس کی تعلیم ہو سکتی ہے اور بے حیائی کے طور پر ہو تو کوئی مہذب آدمی مردوں کے سامنے بھی بیان نہیں کر سکتا خصوصاً ترجمہ کہ وہ گویا متکلّم کی طرف سے اس کی زبان کا بیان ہوتا ہے تو نہایت ضرور ہے کہ اس کی عظمت و شان ملحوظ رہے وہ لفظ لکھے جائیں جو اس کے کہنے کے ہوں... غرض ایک ہی بات اختلاف طرز بیان سے تعظیم سے توہین تک بدل جاتی ہے جیسے نوش فرمائیے، تناول فرمائیے، نوش جاں فرمائیے اور کھاؤ، نگلو، ٹھورو، زہر مار کرو، تعظیم و توہین میں کس قدر مختلف ہیں۔"[۲]

﴿۵﴾

طالب دوسرے شیخ سے استفادہ کرے تو اسے بھی فیض شیخ ہی تصور کرے: ایک مقام پر مرید اور طالب کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے طالب کو یہ نصیحت فرمائی کہ اگر وہ اپنے شیخ کے علاوہ کسی دوسرے شیخ سے استفادہ کرے تو اسے بھی اپنے شیخ ہی کا فیض تصور کرے، ورنہ یہ اس کی ہلاکت کا سبب ہوگا۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک و مسعود کلمات یہ ہیں :

"مرید غلام ہے اور طالب وہ کہ غیبت شیخ میں بضرورت یا باوجود شیخ کسی مصلحت سے، جسے شیخ جانتا ہے یا

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۲۸، دینیات

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۲۰، کتاب الشتی

مرید شیخ غیر شیخ سے استفادہ کرے اسے جو کچھ اس سے حاصل ہو وہ بھی فیض شیخ ہی جانے۔ ورنہ دو دَر [ایک در کی بجاے دو جگہ سے قلبی ربط رکھنے والا] کبھی فلاح نہیں پاتا۔ اولیاے کرام فرماتے ہیں: لا یفلح مرید بین شیخین ۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: «ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۹» [الزمر: ۲۹]۔[1]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۵۰، مسائل شتی متعلقہ ب "تصوف"

حوالوں کی کثرت

رسالہ مبارکہ: انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ: یہ رسالہ مبارکہ ۱۴؍صفحات پر مشتمل ہے ، مجدد اعظم امام احمد رضا نے ۴۰؍ سے زائد معتمد و مستند کتابوں سے وہابیہ دیابنہ کے باطل و فاسد عقائد کی بیخ کنی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو پیارے القاب سے پکارنے کا جواز ثابت فرمایا ہے۔

رسالہ: طرد الافاعی عن حمی ھاد رفع الرفاعی: یہ رسالہ تقریباً ۱۲؍صفحات پر مشتمل ہے مجدد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز نے تقریباً ۵؍آیات قرآنیہ، کثیر اقوال فقہا و مفسرین اور تقریباً ۱۱؍ احادیث کریمہ کی روشنی میں یہ ثابت فرمایا ہے کہ حضرت سید نا غوث اعظم اپنے وقت کے غوث اور قطب الاقطاب تھے پھر ان کی غوثیت کا انکار کر کے حضرت سیدنا کبیر رفاعی کو غوث ثابت کرنا صحیح نہیں۔

رسالہ: نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان: یہ رسالہ مبارکہ ۸؍صفحات پر پھیلا ہوا ہے، مجدد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز نے تقریباً ۲۵؍آیات قرآنیہ، ۲۰؍اقوال مفسرین، ۱۵؍ احادیث مبارکہ اور کثیر کتب لغت کے حوالے سے اس مسئلہ کو عرش تحقیق و تنقیح تک پہنچا دیا ہے کہ زمین و آسمان کی گردش اور حرکت کا قول کرنا باطل و عاطل ہے، یہ دونوں ساکت اور جامد ہیں، ذرہ برابر بھی اپنی جگہ سے نہ زمین ہل سکتی ہے نہ آسمان حرکت کر سکتا ہے ان دونوں کے جمود و سکوت کا انکار ایک امر حتمی قطعی، غیر متزلزل کا انکار ہے۔

رسالہ: نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال: یہ رسالہ مبارکہ ۹؍صفحات پر مشتمل ہے اس میں چھ مسائل مذکور ہیں، مجدد اعظم امام احمد رضا خان قادری برکاتی قدس سرہ العزیز نے ۵۰؍ سے زائد معتمد و مستند کتابوں سے ان چھ مسئلوں کا جواب دے کر تاریخ پر لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

رسالہ: الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام: یہ رسالہ مبارکہ تقریباً ۱۴؍صفحات پر پھیلا ہوا ہے مولانا مولوی قاضی محمد عبد الوحید صاحب حنفی فردوسی متوطن عظیم آباد (پٹنہ) نے آلۂ محدثہ (جس سے جنین کے مذکر و مؤنث ہونے کا علم ہوتا ہے) سے متعلق بھیجا تھا، مجدد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ العزیز نے کثیر آیات قرآنیہ و احادیث مبارکہ اور اقوال فقہاے امت سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ آلۂ محدثہ سے جنین کے مذکر و مؤنث ہونے کا علم نہیں ہو سکتا ہے۔

رسالہ: اقامة القيامه على طاعن القيام لنبي تهامة : یہ رسالہ مبارکہ ۳۷؍صفحات کو محیط ہے مصطفی آباد (رام پور) سے آئے ہوئے سوالات کثیرہ کے ضمن میں ایک سوال مجلس میلاد میں رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کے وقت قیام سے متعلق تھا جس کو وہابیہ دیابنہ خذلهم الله فی الدنيا و الآخرة نے بس یہ کہہ کر کہ یہ قرون ثلاثہ میں نہ تھا، بدعت و حرام قرار دیا ہے مجدّد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرّہ العزیز نے تقریباً ۴۰؍کتب معتمدہ و اسفار مستندہ کی عبارات، بیس بلاد عظمٰی کے موقر و معظم علمائے کرام کے اقوال، چودہ نکتے اور سات مثالوں سے وہابیہ، دیابنہ کے ہفوات کے پرخچے اڑاکر خلق خدا کے سامنے اس حقیقت کو آفتاب نیم روز سے کہیں زیادہ روشن و تاباں کر دیا ہے کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کے وقت قیام ملائکہ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مجتہدین و اخیار امت کی سنت اور عام مسلمانوں کا معمول ہے۔

رسالہ: سبل الاصفيا فی حكم الذبح للاوليا: یہ رسالہ مبارکہ ۶؍صفحات پر پھیلا ہوا ہے مجدد اعظم امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرّہ العزیز نے اولیائے کرام کے نام پر چھوڑے گئے جانور کے بارے میں فرمایا کہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ ذبیحہ کی حلّت و حرمت میں ذابح کے حال و قول اور نیت کا اعتبار رہے نہ کہ مالک کا۔ قرآن حکیم، احادیث نبویہ، اور کثیر کتب فقہیہ کی ۴۰؍سے زائد عبارتوں سے اسے مبرہن کیا ہے۔

☆...☆...☆

کچھ اہم اصول و قوانین

﴿۱﴾

اردو زبان میں لو، امر کا صیغہ ہے اور اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے:

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

«وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ» [الحشر : ۷]

ترجمہ: جو کچھ رسول تمھیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

أقول: لو صیغہ امر کا ہے اور امر وجوب کے لیے ہے تو پہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی اور باز رہو نہی ہے اور نہی منع فرمانا ہے یہ دوسری قسم ممنوعات شرعیہ ہوئی۔'' (۱)

﴿۲﴾

جس چیز کا ادب و تعظیم میں دخل ہوتا ہے وہ بہتر ہوتی ہے:

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

''امور تعظیم وادب میں سلف صالحین سے آج تک برابر ائمۂ دین کا یہی داب رہا کہ ورود و عدم ورود خصوصیات پر نظر نہ کی بلکہ تصریحاً قاعدہ کلیہ بنایا:

''کل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسناً''.

ترجمہ: جس بات کو نبی ﷺ کے ادب و تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے۔

''کما صرح به الامام المحقق علی الاطلاق فقیه النفس سیدی کمال الملة والدین محمد فی فتح القدیر و تلمیذه الشیخ رحمه الله السندی فی المنسک المتوسط واقره الفاضل القاری فی المسلك المتقسط واثره فی العالم کیرية و غیرها''.(۲)

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۵۶، رسالہ مبارکہ: اقامة القيامة على طاعن القيام لنبي تهامة .

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۸۷، رسالہ میمونہ: اقامة القيامة على طاعن القيام لنبي تهامة.

یہ وہ جلیل الشان اصلِ کلی ہے جس کی روشنی میں کثیر مسائل حل کیے جاسکتے ہیں۔ میلاد، سلام وقیام، جلوس محمدی، اسم رسالت مآب سن کر انگوٹھوں کا چومنا، اذان واقامت سے قبل درود شریف پڑھنا اور اس نوعیت کے کثیر مسائل کا اس قاعدۂ کلیہ کی روشنی میں بھی نہ صرف جواز بلکہ استحسان ثابت ہوتا ہے۔

﴿۳﴾

اصل اشیا میں اباحت ہے:

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

''جس کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت اور اس کی برائی پر دلیل شرعی ناطق وہی تو ممنوع و مذموم ہے باقی سب چیزیں جائز و مباح رہیں گی، خاص ان کا ذکر جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو''۔ (۱)

﴿۴﴾

ممانعت پر دلیل شرعی نہ ہونا دلیل جواز ہے:

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

''ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے... **امام عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی فرماتے ہیں:**

''ليس الاحتياط فى الافتراء على الله باثبات الحرمة والكراهة الذين لا بد لهما من دليل بل فى الاباحة التى هى الاصل''.

ترجمہ: یہ کچھ احتیاط نہیں کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افترا کرو کہ حرمت و کراہت کے لیے دلیل در کار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔''(۲)

﴿۵﴾

اہل حق سے لغزش واقع ہو تو اس کا اخفا واجب ہے:

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

''اہل سنت سے بتقدیر الٰہی جو ایسی لغزش فاحش واقع ہو، اس کا اخفا واجب ہے کہ معاذ اللہ لوگ ان سے بد اعتقاد ہوں گے، تو جو نفع ان کی تحریر اور تقریر سے اسلام و سنت کو پہنچتا تھا اس میں خلل واقع ہوگا، اس کی اشاعت

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۵۷۵

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۵۷۵، رسالہ مبارکہ:اقامة القيامة على طاعن القيام لنبى تهامة.

اشاعتِ فاحشہ ہے اور اشاعت فاحشہ بنص قطعی قرآن عظیم حرام ہے۔"[۱]

﴿۶﴾

اصل ارادت فعل قلب ہے: اس اصل کی روشنی میں بیعت و ارادت کی جملہ جدید شکلوں کا حکم بآسانی ثابت کیا جاسکتا ہے۔، خط و کتابت، موبائل، ٹیلی فون، ای میل، میسیج، ٹیلی گرام، فیس بک، چیٹنگ وغیرہا ربط و تعلق کے ان تمام جدید طریقوں سے کسی جامع شرائط پیر سے بیعت ہونے کا جواز اسی اصل سے ثابت ہے، البتہ موبائل اور ٹیلی فون کے علاوہ دیگر صورتوں میں حکم یہ ہے کہ حلقۂ ارادت میں داخل ہونے والا شخص اپنی درخواست اپنے شیخ کے پاس بھیج دے اور شیخ اپنے قبول کی اسے اطلاع دے دے۔

اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

"بیعت بذریعہ خط و کتابت بھی ممکن ہے یہ اسے درخواست لکھے وہ قبول کرے اور اپنے قبول کی اس درخواست دہندہ کو اطلاع دے اور اس کے نام کا شجرہ بھی بھیج دے، مرید ہوگیا کہ اصل ارادت فعل قلب ہے"۔[۲]

﴿۷﴾

حلت و حرمت ذبیحہ میں حال و قول و نیت ذابح کا اعتبار ہے: کچھ لوگ اولیاے کرام کے نام پر جانور چھوڑتے ہیں، اس عمل سے ان کا مقصود اولیا کو اس کا ثواب ہدیہ کرنا ہوتا ہے، جانور اللہ ہی کے نام سے "بسم اللہ اللہ اکبر" پڑھ کر ذبح کیا جاتا ہے، وہابیہ دیابنہ اس جانور کو بھی ناجائز و حرام کہتے ہیں، اس عظیم الشان قانون سے ان کے اس باطل و عاطل خیال کی تردید ہوتی ہے کہ جب ذبیحہ کی حلت و حرمت میں ذابح کے حال و قول اور نیت کا اعتبار ہوتا ہے تو پھر وہ جانور جسے مسلمان، اللہ کی نیت سے وقت ذبح اس کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں وہ محض ذبح سے پہلے کسی بزرگ کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے کیوں حرام ہو جاتا ہے۔ بلاشبہہ وہ جانور حلال ہے۔ کوئی سنی صحیح العقیدہ شخص غوث و خواجہ کا نام لے کر جانور ذبح نہیں کرتا بلکہ وقت ذبح رب تعالیٰ ہی کا نام لیتا ہے۔ اس لیے اسے حرام کہنا شرع مطہر پر افتراے عظیم ہے۔[۳]

﴿۸﴾

اضافت معنیٔ عبادت میں منحصر نہیں: اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا :

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۳۰

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۱۵۵، مسائل تصوف

(۳) ماخوذ از فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۹۳، رسالہ: سبل الاصفیا فی حکم الذبح للاولیا .

”اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نہ خواہی مدار کے مرغ یا چہل تن کی گاے کے معنی ٹھہرا لیے جائیں کہ وہ مرغ و گاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لیے دی جائے گی۔ اضافت کو ادنیٰ علاقہ کافی ہوتا ہے۔ ظہر کی نماز، جنازہ کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیر کا روزہ، اونٹوں کی زکاۃ، کعبہ کا حج۔ جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر و شرک و حرمت در کنار نام کو کراہت بھی نہیں آتی۔ تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گاے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خدا کے لیے حلال کیے ہوئے جانور کیوں جیتے جی مردار اور سور ہوگئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہوسکتے، یہ شرع مطہر پر سخت جرأت ہے“۔ [1]

﴿۹﴾

عموم و اطلاق سے استدلال شائع و ذائع ہے:

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

”عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے آج تک علما میں شائع و ذائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ہمیشہ محمود ہی رہے گی تاوقتے کہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے۔ مثلاً مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضروری نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت۔ غرض جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاج دلیل ہے۔

مسلم الثبوت میں ہے: شاع و ذاع احتجاجهم سلفا و خلفاً بالعمو مات من غير نكير.

اسی میں ہے: العمل بالمطلق يقتضى الاطلاق. [2]

﴿۱۰﴾

متکلّم عموم کلام سے خارج ہوتا ہے: یہ قاعدہ کلیہ نہیں، بلکہ جزئیہ ہے، کچھ مقامات میں متکلّم حکم کلام سے خارج ہوتا ہے اور کچھ مقامات میں داخل اور شامل۔ مثلاً ایک شخص نماز، روزہ، حج وغیرہا فرائض و واجبات

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۹۴، رسالہ مبارکہ: سبل الاصفيا فى حكم الذبح للاولیا.

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۷۶، اقامة القيامة على طاعن القيام لنبى تهامة.

کی تعلیم دے تو اس وقت اس کلام کے حکم میں وہ بھی داخل ہو گا۔ اگر ان چیزوں کا اعتبار اس طور پر کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان چیزوں کی بجا آوری کا حکم دیا ہے اور وہی متکلّم حقیقی ہے تو ظاہر کہ وہ اس کلام کے حکم میں داخل نہیں۔

مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص: ۱۳۳، پر اس قاعدہ کی صراحت فرمائی ہے، اور متعدّد مقامات پر اس سے استدلال کیا ہے۔

﴿۱۱﴾

من افتی فی کل ما استفتی فھو مجنون:

"من افتی فی کل ما استفتی فھو مجنون" **ترجمہ:** جو ہر استفتا کا جواب دے وہ مجنون ہے۔

یہ افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الراشدین حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ذی سعود ہے۔

سوالات چوں کہ متعدّد انواع واقسام کے ہوتے ہیں، کچھ کا جواب فوری طور پر دینا واجب ہوتا ہے، کچھ فرصت و تحقیق کے متقاضی ہوتے ہیں اور کچھ تو ایسے ناقابل اعتبار کہ ان کا جواب دینا ہی فضول و عبث ہوتا ہے۔ مجھے اس موقع پر شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے، غالباً مقالات شارح بخاری میں بھی اس کی صراحت ہے، واقعہ یہ ہے کہ جس وقت حضرت بریلی شریف میں رہتے اور فتویٰ نویسی کرتے تھے، اس وقت ایک صاحب یہ سوال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ بریلی شریف کے اطراف میں دو لوگوں کا قتل ہو گیا تھا، حسن اتفاق ہے کہ ایک ولی کامل سے ملاقات ہو گئی، انھوں نے کٹی ہوئی گردنوں کو جسموں سے جوڑ دیا تو وہ دونوں زندہ ہو گئے مگر گڑبڑی یہ ہوئی کہ سروں کو جوڑنے میں چوک ہو گئی، مثلاً زید کا سر بکر کے جسم میں اور بکر کا سر زید کے جسم میں جڑ گیا، تو ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کو حقیقت سے نہ کوئی علاقہ ہے اور نہ ہی اس کے جواب دینے میں کوئی فائدہ۔ اس لیے حضرت نے فرمایا: اسی پیر کو تلاش کیا جائے اور سروں کو بدلنے کے لیے کہا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اسی نوعیت کے سوالات سے متعلق ہے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قول کی روشنی میں ارشاد فرمایا:

"بعض ضروری و فوری ہوتے ہیں، بعض مہلت و فرصت کے، بعض ایسے کہ جواب دینا ہی بے کار یا ضروریات کے آگے ناقابل اعتبار۔ غرض فتاویٰ کہ پوچھے جاتے ہیں ان کی حالتیں بہت مختلف ہیں، لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے ہر استفتا کا جواب ملنا شرعاً لازم ہے اور وہ بھی تحریری اور حضرت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے

ہیں:"من افتی فی کل ما استفتی فھو مجنون".[۱]

﴿۱۲﴾

پیر ہونے کے لیے سید ہونا ضروری نہیں: ہمارے علما وفقہا نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ پیری کے لیے چار شرطیں ہیں۔

(۱)- سنی صحیح العقیدہ ہونا۔(۲)- فقہ کی اتنی جانکاری ہونا کہ اپنی حاجت کے سب مسائل جانتا ہو اور حاجت جدید پیش آئے تو کتابوں سے اس کا حکم نکال سکے۔(۳)- اس کا سلسلہ حضور اقدس سید عالم ﷺ تک صحیح اور متّصل ہو۔(۴)- فاسق معلن نہ ہو۔

جو شخص ان چاروں شرطوں کا حامل ہو بلا شبہہ وہ پیر ہو سکتا ہے، سید ہو یا نہ ہو۔ جو لوگ کسی کے فضل وکمال اور بزرگی کا صرف یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ وہ سید نہیں ہیں، ایسوں کی تردید کے لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فقرہ بہت حد تک کافی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"پیر ہونے کے لیے وہی چار شرطیں درکار ہیں، سادات کرام سے ہونا کچھ ضرور نہیں۔ ہاں ان شرطوں کے ساتھ سید بھی ہو تو نور علی نور۔ باقی اسے شرط ضروری ٹھہرانا تمام سلاسل طریقت کا باطل کرنا ہے سلسلۂ عالیہ قادریہ سلسلۃ الذہب میں سیدنا امام علی رضا اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جتنے حضرات ہیں کوئی سادات کرام سے نہیں اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں تو امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بعد ہی سے امام حسن بصری ہیں کہ نہ سید نہ قریشی نہ عربی اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا آغاز ہی حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اسی طرح دیگر سلاسل"۔[۲]

☆...☆...☆

(۱) فتاویٰ رضویہ ،ج:۱۲،ص:۲۱۱،کتاب الشتی.

(۲) فتاویٰ رضویہ ،ج:۱۲،ص: ۲۱۲ ،کتاب الشتی.

رسمِ قرآنی، قواعد زبان، لغت

﴿۱﴾

رسم قرآنی میں جمع مذکر سالم سے الف کا حذف: جمع مذکر سالم میں اگر الف ہو اور اس پر مد نہ ہو نیز وہ کثیر الدور ہو تو اس سے الف حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے صابر ین سے صٰبرین، قانتین سے قٰنتین وغیرہ۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ (۲) اگر جمع مذکر سالم میں الف ہو، اور کثیر الدور ہونے کے ساتھ اس پر مد ہو یعنی الف کے بعد ہمزہ اور حرف مشدد ہو تو الف حذف نہیں کیا جاتا بلکہ ثابت رکھا جاتا ہے۔ جیسے سائلین، قائلین، ظانین، عادین، حافین وغیرہا۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”اول مطردہ: ہر جمع مذکر سالم کثیر الدور محذوف الالف ہے، جب کہ اس الف پر مد نہ ہو، دوم: اکثری یہ کہ الف پر مد ہو یعنی اس کے بعد ہمزہ یا حرف مشدد آئے تو ثابت الالف ہے، مگر ذوات الہمزہ میں حذف بھی بکثرت پایا گیا ہے“۔ [۱]

جمع مذکر سالم کے ان احکام کو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام ابو عمرو دانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ”مقنع“ اور محمد بن عیسیٰ کی کتاب ”ھجاء المصاحف“ کی متعدّد عبارتوں کی روشنی میں ثابت فرمایا ہے۔

﴿۲﴾

جمع مونث سالم سے الف حذف کرنے کا حکم:

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”جمع مونث سالم تو مطلق محذوف الالف والالفین ہے اگرچہ قلیل الدور ہو، اگرچہ الف ممدود ہو“۔ [۲]

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۱۵.
(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص: ۱۱۵.

امام ابو عمرو دانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب " مقنع "اور محمد بن عیسیٰ کی کتاب "ھجاء المصاحف" کی متعدّد عبارتیں حوالے میں پیش کی گئی ہیں۔

﴿۳﴾

وہ جمع مذکر سالم جو قلیل الدور و عدیم المد ہو اس کا کیا حکم ہے: وہ جمع مذکر سالم جس میں الف تو ہو مگر قلیل الدور ہو اور الف پر مد نہ ہو اس کی کتابت کا کوئی متعیّن ضابطہ نہیں ہے۔ ذکر بھی کیا جاسکتا ہے اور حذف بھی۔ جیسے فارھین، حاذرون وغیرہ۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"اس کے سوا جمع مذکر سالم قلیل الدور و عدیم المد کے لیے کوئی ضابطہ نہیں۔" (۱)

﴿۴﴾

کسی کلمہ پر اگر لام استغراق ہو تب بھی الفاظ تاکید سے اسے مؤکد کیا جاسکتا ہے: وہ کلمات جن پر لام استغراق نہ ہو ان کو الفاظ تاکید سے مؤکد کرنا درست اور مسلمات سے ہے، قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کے متعدّد نصوص سے یہ بھی ثابت ہے کہ لام استغراق کی صورت میں بھی اس کی تاکید لائی جاسکتی ہے بلکہ متعدّد تاکیدات سے مؤکد کرنا بھی صحیح بلکہ واقع ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیۂ کریمہ: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰﴾[الحجر: ۳۰] سے اسے ثابت کیا ہے۔ (۲)

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"رب عزوجل نے متعدّد تاکیدوں سے مؤکد فرمایا: ﴿فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰﴾[الحجر: ۳۰] تمام، جمیع، سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔ فاللام للاستغراق و اکدت بکل واکد باجمعون۔ یعنی لام استغراق کے باوجود لفظ کل اور جمیع سے اسے مؤکد کیا گیا ہے۔" (۳)

﴿۵﴾

لفظ "دون" دس معانی کے لیے بولا جاتا ہے: ۱۲/ جمادیٰ الآخرہ ۱۳۱۱ھ کو حضرت حافظ سید عبدالجلیل مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک سوال یہ کیا تھا کہ آیۂ کریمہ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[الحجر:

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۱۶، رسم قرآنی کی بحث۔
(۲) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۱۶، رسم قرآنی کی بحث۔
(۳) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۳۶.

۳۰] کو اگر کوئی شخص خطبہ میں پڑھے اور وسعھا سے پہلے لفظ "دون" کا اضافہ کر دے تو کیا حکم ہے؟

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

آیۂ کریمہ بدون "دون" ہے خطبہ میں اگر چہ نہ وہ آیت ہونا ضروری، نہ قرآن عظیم سے اقتباس محذور مگر زیادت موہومہ خلاف مراد محذور۔"

اس کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ "دون" کے دس معانی دلائل کے ساتھ بیان فرمائے۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"دون" زبان عرب میں دس معانی پر مشتمل ہے:

(١)غير-آلهة دون الله تريدون .أي: غيره. (٢)تحت-و منا دون ذلك. (٣)فوق-فهي اذن من الاضداد كما افاده المجد.(٤)اقل-ليس فيما دون خمس اواق صدقة.(٥-٦) وراء، امام. یعنی اس پار یا اس پار۔

كيف الوصول الى السعاد و دونها قلل الجبال دونهن حتوف

وفى الحديث: من قتل دون اهله فهو شهيد أي امامهم فى حفظهم والدفاع عنهم .**و فى الحديث:** ليس دونه تعالىٰ منتهىٰ أي ورائه.(٧)حقير-و يقنع بدون من كان دونا (٨)شريف-حكاه بعض النحاة وقال المجد عليه ضد. (٩)-نزدیک تر چیزے بہ نسبت مضاف الیہ۔«وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ»[القصص: ٢٣] (١٠)-مقارب مضاف الیہ مکاناً و مکانۃً۔ هٰذا دونك أي قريب منك ."[1]

﴿٦﴾

اضافت کی ایک قسم اضافت تشریفی بھی ہے: فقہاے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: من اثبت لله تعالىٰ المكان كفر. یعنی جو شخص اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے مکان ثابت کرے وہ کافر ہے۔ جیسا کہ رد المحتار، فتاویٰ عالم گیری اور عقائد و فقہ کی سیکڑوں کتابوں میں اس کی صراحت ہے۔ جب کہ قرآن حکیم، احادیث نبویہ میں متعدّد مقامات پر اللہ تعالیٰ کی طرف کعبہ معظمہ وغیرہ کی اضافت بھی کی گئی ہے۔ اس کی وضاحت علماے کرام نے یہ فرمائی ہے کہ یہ اضافت تشریفی ہے یعنی اس سے مکان ثابت کرنا مقصود نہیں بلکہ مکان کی عظمت بتانا ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

---

(١) فتاوىٰ رضويه، ج:١٢، ص: ٣٨، تفسير.

یہ گھر یہ در ہے اس کا جو گھر در سے پاک ہے مژدہ ہو بے گھرو کہ صلا اچھے گھر کی ہے

فتاویٰ رضویہ میں بھی اس اضافت کا ذکر موجود ہے۔

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث پاک: "ان الله خلق آدم علی صورته" کے تحت ارشاد فرمایا:

"یہ حدیث صحیح ہے اور اضافت شرف کے لیے ہے، جیسے: بیتی اور ناقة الله." (۱)

﴿۷﴾

فعل قوۃ نکرہ میں ہوتا ہے: قاعدہ ہے کہ فعل اگر محل نفی میں ہو تو وہ مفید عموم ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ فعل قوۃ نکرہ میں ہوتا ہے اور نکرہ جب تحت نفی ہو تو وہ عام ہوتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں اس کی بھی صراحت ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

تزول فعل ہے اور محل نفی میں وارد ہے اور علم اصول میں مصرح ہے کہ فعل قوۃ نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوتا ہے"۔ (۲)

﴿۸﴾

نکرہ تحت نفی ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے: قرآن حکیم میں ہے: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾[الاحزاب: ٤] یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی کے دو دل نہ بنائے۔ اس سے صراحۃً ثابت ہوا کہ ایک انسان کے دو دل نہیں ہو سکتے، ایک شخص نے کچھ ڈاکٹروں کی ایک جانچ کی رپورٹ پر اعتماد کرتے ہوئے اس حقیقت کا انکار کیا اور آیۂ کریمہ کی یہ توجیہ کی کہ یہ ایک خاص شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدّد نقلی و عقلی دلائل کی روشنی میں یہ واشگاف فرمایا ہے کہ یہ حکم کسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب کو عام ہے، ہمارے مقصد سے جو گفتگو متعلق ہے وہ یہ ہے:

"آیۂ کریمہ میں "رجل" نکرہ ہے اور تحت نفی داخل ہے تو مفید عموم و استغراق ہے یعنی اللہ عزوجل نے کسی کے دو دل نہ بنائے نہ کہ فقط اس شخص خاص کی نسبت انکار فرمایا ہو۔" (۳)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص: ۱۶۰، فوائد حدیثیہ.

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۲۸۱، رسالہ: نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان.

(۳) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۹۴، تشریح ابدان.

﴿۹﴾

اردو زبان میں بھی ایک موصوف کی کثیر صفتیں ہو سکتی ہیں: یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ عربی زبان میں ایک موصوف کی کثیر صفتیں اور ایک مبتدا کی متعدّد خبریں ہو سکتی بلکہ ہوتی ہیں، اسی طرح یہ چیز اردو زبان میں بھی صحیح و درست ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریرات و تصنیفات میں تو اس کا ایک سمندر موجود ہے، تفہیم کے لیے یہاں پر چند نظائر ملاحظہ کریں!

(۱) اعلیٰ حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"اللہ عزوجل نے شریعت غرا، بیضا، زہرا، عامہ، تامہ، کاملہ، شاملہ اتاردی۔"[۱]

نیز ایک دوسرے مقام پر ہے:

"افضل السلاسل سلسلۂ علیہ، عالیہ، صحیحہ، متصلہ، قادریہ، طیبہ، مبارکہ۔"[۲]

ان دونوں مبارک و مسعود جملوں میں لفظ سلسلہ، اور لفظ شریعت موصوف ہیں اور بقیہ تمام کلمات اس کی صفتیں ہیں، جن کی تعداد دونوں جگہ سات سات ہے۔ واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اس طرح کی ترکیبیں بہت نفیس اور عمدہ سمجھی جاتی تھیں مگر اب جدید اردو میں اتنی لمبی ترکیب سے عموماً بچا جاتا ہے۔

☆☆☆

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۵۵، رسالہ مبارکہ: اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامۃ.

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۴۹، مسائل شتی.

منطقی جواہر پارے

یہ سچ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منطق و فلسفہ کے ان قوانین و مسائل کا رد بلیغ فرمایا ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف اور متصادم ہیں ۔ جیساکہ "مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید" کا مطالعہ کرنے والے اہل علم پر یہ حقیقت آفتاب نیم روز سے زیادہ واضح ہے ۔ لیکن منطق و فلسفہ کے وہ اصول و مباحث جو شرع مطہر کے خلاف نہیں ہیں، انھیں آپ نے بھی اپنایا اور اپنی تصنیفات میں جابجا اس کی روشنی میں گفتگو بھی فر مائی ۔ اس کی کچھ نظیریں فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں !

﴿۱﴾

مریدی اور جبر میں تباین کی نسبت ہے:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جبراً مرید کرنے کا حکم دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا :

"مریدی اپنے دل کی ارادت سے ہے نہ کہ دوسرے کے جبر سے ۔ ایسا جبر وہ کرتے ہیں جنھیں مریدوں سے کچھ تحصیل کرنا ہوتا ہے یا کثرت مریدین سے اپنی شہرت ۔"

اس کے بعد اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مریدی اور جبر کے درمیان کی نسبت واضح فرمائی ۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے :

"مریدی اور جبر دونوں متبائن ہیں، جمع نہیں ہوسکتے ۔" (۱)

﴿۲﴾

سعید اور مسلمان میں تساوی کی نسبت ہے: حضرت قاضی عبد الوحید صاحب فردوسی، عظیم آباد (پٹنہ) کا چند سوالات پر مشتمل ایک استفتا اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچا، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ منیر الدین نام رکھنا کیسا ہے ؟ اور کیا سعید و صالح کی طرح یہ بھی تفاول خیر کی نیت سے رکھا جاسکتا ہے ؟

اس سوال کے جواب کے ضمن میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سعید اور مسلمان کے درمیان نسبت بھی

(۱) فتاویٰ رضویہ ،ج:۱۲،ص: ۱۵۵،کتاب الشتی.

بیان فرمائی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”حق سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾[النجم: ۳۲] رسول اللہ ﷺ جن کی شان کریم تھی ”کان یحب الفال الحسن“ برّہ نام سے منع فرمایا اور اسے بدل کر جمیلہ کر دیا۔ اور اس میں محذور شرعی وہی تزکیۂ نفس ارشاد کیا، کیا برّہ کو تفاول پر حمل نہیں کر سکتے تھے، ضرور محمول ہو سکتا تھا، مگر اس کا ظاہر تزکیۂ نفس تھا اور وہ حرام ہے لہٰذا منع فرمایا اور بدل دیا۔ پھر منیر الدین و امثالہ میں برّہ سے کہیں زیادہ تزکیہ ہے، نکوکاری ایک عام بات ہے کہ فساق کے سوا سب کو حاصل۔ مگر اس مرتبۂ عظیمہ پر پہنچنا کہ دین ان صاحب کے نور سے منور ہو جائے سخت مشکل، تو ایسا شدید تزکیۂ نفس کیوں کر جائز ہوگا۔ بخلاف سعید و امثالہ، کہ ان کا حاصل صرف مسلم ہے، ہر مسلمان سعید ہے اور ہر سعید مسلمان ہے آیۂ کریمہ: ﴿ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ ﴾[ہود: ۵] میں دو ہی قسمیں ارشاد ہوئیں اور ان سے کافر و مومن مراد ہوئے۔“(۱)

﴿۳﴾

خلاف رضا اور عدم رضا میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے:

عالی جناب شمس الدین، ضلع فرید پور، بنگال نے یہ سوال کیا کہ خلاف رضامندی و بلا رضامندی میں کیا فرق ہے؟

اس نوعیت کے سوال مہمل اور بے حاصل ہیں، اور احادیث میں اس سے ممانعت بھی وارد ہے، حدیث پاک ہے: نهی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم عن قیل وقال واضاعة المال و کثرة السؤال. اسی لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے اسے مہمل و بے معنی قرار دیا پھر جواب رقم فرمایا۔

چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”مہمل و بے حاصل سوال ہے، خلاف رضا و عدم رضا میں عموم خصوص مطلق ہے، وہ بات جس کی طرف نہ رغبت نہ نفرت خلاف رضا نہیں بلا رضا ہے۔“ (۲)

﴿۴﴾

”لایموت فیها ولا یحیٰ“ میں ارتفاع نقیضین نہیں بلکہ تقابل تضاد ہے:

آیۂ کریمہ: ﴿ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ﴾[الاعلیٰ: ۱۳] کے بارے میں ایک سوال یہ ہوا کہ موت اور حیات ایک دوسری

(۱) فتاویٰ رضویه، ج: ۱۲، ص: ۱۶۶، ۱۶۷، شرح کلام علما.
(۲) فتاویٰ رضویه، ج: ۱۲، ص: ۱۸۶، زبان و بیان.

کی ضد ہیں اور جس طرح اضداد کا اجتماع نہیں ہو سکتا اسی طرح ان میں سے کسی کے ثبوت و وجود کے بعد ارتفاع بھی محال ہے، پھر آیۂ کریمہ میں دونوں کی نفی کیوں کر دی گئی ہے۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

”قرآن عظیم محاورۂ عرب پر اترا، **قال تعالیٰ:** «فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ» [الذاریت: ۲۳] اور عرب بلکہ تمام عرب و عجم کا محاورہ ہے کہ ایسی کرب شدید و مصیبت مدید کی زندگی کو یوں ہی کہتے ہیں کہ نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں، نہ زندوں میں نہ مردوں میں ”لا حی فیرجی و لا میت فیرثی“ اس کا بیان دوسری آیت کریمہ میں ہے کہ «یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ» [ابراھیم: ۱۷] اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور مرے گا نہیں۔ ”یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ“ لا یحییٰ ہوا، اور ماھو بمیت“ یہ لایموت فیھا ہوا اور موت و حیات نقیضین نہیں کہ انسان نہ موت ہے نہ حیات بلکہ ان میں تقابل تضاد ہے۔“ (۱)

﴿۵﴾

ولی اور متقی میں تساوی اور عموم و خصوص مطلق دو نوں نسبت ہیں: مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ مومن اور متقی میں کون سی نسبت ہے؟ اس کے سائل مانک تلہ، کلکتہ نمبر ۲۴۷، کے رہنے والے عالی جناب منصور علی میاں ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا بہت ہی جامع اور قدرے مفصل جواب تحریر فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ ولایت کی دو قسم ہیں۔(۱)-ولایت عامہ۔(۲)-ولایت خاصہ۔ اگر ولایت عامہ مراد ہو تو دونوں میں تساوی کی نسبت ہوگی اور اگر ولایت خاصہ مراد ہو تو عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی۔ اب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک و مسعود کلمات بچشم خود ملاحظہ فرمائیں:

”اگر ولایت عامہ مراد ہے تو تساوی۔ «اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا» [البقرۃ: ۲۵۷] اور خاصہ تو عموم خصوص مطلق۔ «اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ» [الانفال: ۳۴]“. (۲)

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص: ۱۸۶، زبان و بیان.
(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص:۲۶۱.

علم الاعداد

ایک رافضی نے امیر المومنین حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، امیر المومنین حضرت سیدنا فاروق اعظم اور امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان رفیع میں بڑی شدید گستاخی کی اور یہ کہا کہ آیۂ کریمہ: «اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾»[السجدۃ: ۲۲] کے عدد ۱۲۰۲؍ ہیں اور یہی عدد ''ابو بکر، عمر، عثمان'' کے ہیں۔ یعنی دبے الفاظ میں وہ یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ آیۂ کریمہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ تینوں مجرم ہیں جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ بروز محشر انتقام لے گا۔ (معاذ اللہ)

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فاسد و باطل استدلال کا تین طرح سے رد بلیغ فرمایا ہے:

(یہ طرز استدلال قطعاً درست نہیں، ورنہ)

☆ ہر آیت عذاب کے عدد اسماے اخیار سے مطابق کر سکتے ہیں اور ہر آیت ثواب کے عدد اسماے کفار سے کہ اسما میں وسعت وسیعہ ہے۔

☆ امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے تین صاحبزادوں کے نام ابو بکر و عمر و عثمان ہیں ، رافضی نے آیت کو اُدھر پھیرا، کوئی ناصبی ادھر پھیر دے گا اور دونوں ملعون ہیں۔

☆ رافضی نے عدد غلط بتائے۔ امیر المومنین عثمان غنی رض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پاک میں الف نہیں لکھا جاتا تو عدد بارہ سو ایک ہیں نہ کہ دو۔

یہاں تک تو اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا ایک مختصر خلاصہ تھا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دوا علاج کا مرض کی نوعیت کے مطابق ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ اگر دونوں کا آپس میں کوئی علاقہ نہ ہو تو ایسا علاج کار آمد ثابت نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح معترض کا اعتراض جس نوعیت علم سے متعلق ہو جواب بھی اسی نوعیت علم سے متعلق ہونا چاہیے۔ کوئی شخص اگر فلسفیانہ طرز پر اعتراض کرے تو اس کا جواب بھی فلسفیانہ انداز ہی سے ہونا چاہیے۔ یہ زیر کرنے کا عمدہ طریقہ ہوتا ہے۔ نیز الزامی جواب کبھی کبھی تحقیقی جواب سے بھی زیادہ زود اثر اور مسکت ثابت ہوتا ہے۔ شیخین اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں رافضیوں نے جو علم الاعداد کے سہارے گستاخی کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اس کا جواب بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی کی روشنی میں دیا ہے۔ اور اس مقام پر الزامی جواب کی تو بہتات ہے۔ مناسب ہے کہ ان الزامی جوابات کی کچھ جھلکیاں نذر قارئین کر دیے جائیں:

﴿۱﴾

قرآن حکیم میں ہے: «اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴿۲۲﴾»[السجدة: ۲۲] یقیناً ہم مجرموں سے بدلہ لیں گے۔ اس آیۂ کریمہ سے رافضیوں نے شیخین اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں گستاخی کی اور یہ کہا کہ ان حضرات کے ناموں کے اعداد اور آیۂ کریمہ کے اعداد برابر ہیں۔ اولاً ان نفوس قدسیہ کے ناموں کے اعداد کا مجموعہ ۱۲۰۲/ نہیں بلکہ ۱۲۰۱/ ہے۔ جب کہ آیت کے اعداد کا مجموعہ، ۱۲۰۲/ ہے۔ ہاں! رافضیوں کے سردار ابن سبا رافضہ، کے اعداد کا مجموعہ ۱۲۰۲/ ضرور ہے۔ یہ بات بڑی فرحت بخش ہے کہ رافضیوں کے اس خود ساختہ قاعدہ سے اس کا سردار بھی محفوظ نہ رہا اور اس کا بھی مجرم ہونا اسی آیت سے ثابت ہو گیا۔ تسلی کے لیے ذیل کا نقشہ ملاحظہ کریں!

ا	ب	ن	س	ب	ا	ر	ا	ف	ض	ہ	مجموعۂ حروف	ابن سبا رافضہ
1	2	50	60	2	1	200	1	80	800	5	مجموعۂ اعداد	1202

﴿۲﴾

ابھی ماقبل میں گزرا کہ آیت: «اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ﴿۲۲﴾»[السجدة: ۲۲] کے اعداد کا مجموعہ ۱۲۰۲/ ہے۔ لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ ابلیس، یزید، ابن زیاد، شیطان الطاق کلینی، ابن بابویہ قمی اور طوسی حلی جو رافضیوں کے سردار ہیں ان سب شرار خلق کے اعداد کا مجموعہ بھی ۱۲۰۲/ ہے، اور ان کا مجرم ہونا اسی آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ طمانیت قلب کے لیے ذیل کا نقشہ ملاحظہ کر لیں!

ابلیس:

ا	ب	ل	ی	س	مجموعۂ حروف	ابلیس
1	2	30	10	60	مجموعۂ اعداد	103

یزید:

ی	ز	ی	د	مجموعۂ حروف	یزید
10	7	10	4	مجموعۂ اعداد	31

ابن زیاد:

ا	ب	ن	ز	ی	ا	د	مجموعۂ حروف	ابن زیاد
1	2	50	7	10	1	4	مجموعۂ اعداد	75

شیطان:

ش	ی	ط	ا	ن	مجموعۂ حروف	شیطان
300	10	9	1	50	مجموعۂ اعداد	370

الطاق کلینی

ا	ل	ط	ا	ق	ک	ل	ی	ن	ی	مجموعۂ حروف	الطاق کلینی
1	30	9	1	100	20	30	10	50	10	مجموعۂ اعداد	261

ابن بابویہ قمی:

ا	ب	ن	ب	ا	ب	و	ی	ہ	ق	م	ی	مجموعۂ حروف	ابن بابویہ قمی
1	2	50	2	1	2	6	10	5	100	40	10	مجموعۂ اعداد	229

طوسی حلی:

ط	و	س	ی	ح	ل	ی	مجموعۂ حروف	طوسی حلی
9	6	60	10	8	30	10	مجموعۂ اعداد	133

ان اشرار کے ناموں کے اعداد کا مجموعہ:103+31+75+370+261+229+133=1202

(۳)

قرآن حکیم میں ہے: « اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ »[الانعام:۱۵۹]
ترجمہ: بے شک جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے اے نبی تمھیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔ اس آیۂ کریمہ کے اعداد کا مجموعہ ۲۸۲۸ / ہے اور یہی عدد" رفاض، اثنا عشریہ، شیطنیہ، اسمعیلیہ" کے بھی ہیں۔ شرح صدر کے لیے ذیل کی یہ جدول ملاحظہ کریں!

رفاض:

ر	ف	ا	ض	مجموعۂ حروف	رفاض
200	80	1	800	مجموعۂ اعداد	1081

اثنا عشریہ:

ا	ث	ن	ا	ع	ش	ر	ی	ہ	مجموعۂ حروف	اثنا عشریہ
1	500	50	1	70	300	200	10	5	مجموعۂ اعداد	1137

شیطنیہ:

ش	ی	ط	ن	ی	ہ	مجموعۂ حروف	شیطنیہ
300	10	9	50	10	5	مجموعۂ اعداد	384

اسمعیلیہ:

ا	س	م	ع	ی	ل	ی	ہ	مجموعۂ حروف	اسمٰعیلیہ
1	60	40	70	10	30	10	5	مجموعۂ اعداد	226

ان چاروں ناموں کے اعداد کا مجموعہ: 2828=226+384+1137+1081

قرآن حکیم میں ہے: « لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ »[الرعد: ۲۵] **ترجمہ:** ان کے لیے لعنت اور ان کے لیے ہے برا گھر۔ اس آیۂ کریمہ کے اعداد کا مجموعہ: ۶۴۴/ ہے۔ اور شیطان، الطاق اور طوسی حلی ان تینوں کے اعداد کا مجموعہ بھی اتنا ہی ہے۔ تقریب فہم کے لیے ذیل کا نقشہ ملاحظہ کریں۔

شیطان:

ش	ی	ط	ا	ن	مجموعۂ حروف	شیطان
300	10	9	1	50	مجموعۂ اعداد	370

الطاق:

ا	ل	ط	ا	ق	مجموعۂ حروف	الطاق
1	30	9	1	100	مجموعۂ اعداد	141

طوسی حلی:

ط	و	س	ی	ح	ل	ی	مجموعۂ حروف	طوسی حلی
9	6	60	10	8	30	10	مجموعۂ اعداد	133

اعداد کا مجموعہ: 644=133+141+370

قرآن حکیم میں ہے: « اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ »[الحدید: ۱۹]

ترجمہ: وہی اپنے رب کے یہاں صدیق اور شہید ہیں، ان کے لیے ان کا ثواب ہے۔ اس آیۂ کریمہ کے حروف کے اعداد کا مجموعہ ۱۴۴۵ر ہے اور یہی تعداد درج ذیل نفوس قدسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے گرامی کے حروف کی بھی ہے۔

(۱)-ابوبکر (۲)-عمر (۳)-عثمان (۴)-علی (۵)-سعد

ابوبکر:

ا	ب	و	ب	ک	ر	مجموعۂ حروف	ابوبکر
1	2	6	2	20	200	مجموعۂ اعداد	231

عمر:

ع	م	ر	مجموعۂ حروف	عمر
70	40	200	مجموعۂ اعداد	310

عثمان:

ع	ث	م	ن	مجموعۂ حروف	عثمان
70	500	40	50	مجموعۂ اعداد	660

علی:

ع	ل	ی	مجموعۂ حروف	علی
70	30	10	مجموعۂ اعداد	110

سعد:

س	ع	د	مجموعۂ حروف	سعد
60	70	6	مجموعۂ اعداد	134

تمام اسمائے گرامی کے اعداد کا مجموعہ: 231+310+660+110+134=1445 [1]

(۱) فتاوی رضویہ، ج ۱۲، ص ۲۷۱.

دفع مصائب میں خلق خدا کی اعانت

﴿۱﴾

نسیان کا علاج: ”دفع نسیان کو ۱۷/ بار سورۂ الم نشرح ہر شب سوتے وقت پڑھ کر سینہ پر دم کرنا اور صبح ۱۷/ بار پڑھ کر پانی پر دم کر کے قدرے پینا، اور چینی کی رکابی پر یہ حروف: ”ا ھ ظ م ف ش ذ“ لکھ کر پلانا نافع ہے اور چالیس روز سفید چینی پر مشک و زعفران و گلاب سے لکھ کر آب تازہ سے محو کر کے پئیں، تسمیہ اس کے بعد: فسهل يا الٰهى كل صعب بحرمة سيد الابرار سهل. يامحى الدين اجب، ياجبرئيل بحق يا بدوح .[1]

﴿۲﴾

برے خواب کا علاج: وہ خواب جو شیطان کی جانب سے القا ہوتا ہے اور زیادہ تر خوف ناک بھی، شیطان انسان کو از حد ڈراتا اور اس کے ساتھ کھیلتا ہے۔ اس کا حکم بیان کرتے ہوئے اس سے بچنے کا علاج بھی تحریر فرمایا: **فتاویٰ رضویہ میں ہے:**

”دوسرا خواب القاے شیطان ہے اور وہ اکثر وحشت ناک ہوتا ہے، شیطان آدمی کو ڈراتا یا خواب میں اس کے ساتھ کھیلتا ہے۔ اس کو فرمایا کہ کسی سے ذکر نہ کرو کہ تمھیں ضرر نہ دے گا۔ ایسا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھوک دے اور اعوذ پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے۔“[2]

﴿۳﴾

بدشگونی اور بدگمانی کا علاج: ایک مقام پر بدشگونی اور بدگمانی کے علاج کے طور پر ارشاد فرمایا:

”مسلمان کو ایسی جگہ چاہیے کہ ”اللهم لاطير الا طيرك و لا خير الاخيرك ولا اله غيرك“ پڑھ لے اور اپنے رب پر بھروسا کرے۔“[3]

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۱۵۷، اوراد و وظائف.
(۲) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۲۱۷، کتاب الشتی.
(۳) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۲، ص: ۲۲۷، کتاب الشتی.

﴿۴﴾

شیطانی وساوس کا علاج: وسوسہ، شیطانی خیال، منکرات و واہیات کو دل و ماغ سے نکالنے کے لیے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ علاج تحریر فرمایا:

"اس قسم کے خطرے وسوسے جب کبھی پیدا ہوں ان کے واسطے قرآن کریم و حدیث شریف سے چند مختصر و بے شمار نافع دعائیں لکھتا ہوں انھیں ایک ایک بار خواہ زائد آپ اور آپ کے گھر میں پڑھ لیں اگر دل پختہ ہو جائے اور وہ وہم جاتا رہے بہتر۔ ورنہ جب وہ وسوسہ پیدا ہوا ایک ایک دفعہ پڑھ لیجیے اور یقین کیجیے کہ اللہ و رسول کے وعدے سچے ہیں اور شیطان ملعون کا ڈرانا جھوٹا، چند بار میں بعونہ تعالیٰ وہ وہم بالکل زائل ہو جائے گا اور اصلاً کبھی کسی طرح اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

وہ دعائیں یہ ہیں:

«لَّنْ يُّصِيْبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَاۚ هُوَ مَوْلٰىنَاۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝» [آل عمران: ۱۷۳]

ترجمہ: ہمیں نہ پہنچے گی مگر جو ہمارے لیے اللہ نے لکھ دی وہ ہمارا مولیٰ اور اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسا کرنا لازم ہے۔

«حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۝» [آل عمران: ۱۷۳]

ترجمہ: اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کام بنانے والا۔

"اللهم لا ياتى بالحسنات الا انت و لا يذهب السيأت الا انت و لا حول ولا قوة الا بك".

ترجمہ: الٰہی اچھی باتیں کوئی نہیں لاتا تیرے سوا، اور بری باتیں کوئی دور نہیں کرتا تیرے سوا۔ اور کوئی زور و طاقت نہیں مگر تیری طرف سے۔

"اللهم لاطير الا طيرك و لا خير الاخيرك ولا اله غيرك".

ترجمہ: الٰہی! تیری ہی فال فال ہے اور تیری ہی خیر خیر اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں"[1]

﴿۵﴾

قوت حافظہ مضبوط کرنے کا بہترین طریقہ: اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ جس شخص کو دینی دنیوی باتیں یاد نہ رہتی ہوں، وہ کیا پڑھے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۲، ص: ۲۶۸، کتاب الشتی.

آپ نے ارشاد فرمایا:

"سپید چینی کی تشتری پر لکھے:" بسم اللہ الرحمن الرحیم ا ھ ط م ف ش ذ .اور اسے ذرا سے پانی سے دھو کر اس پر ۹۹۸/ بار اور نہ ہو سکے تو ۴۰۰ یا ۱۰۰ / ہی بار: یا حفیظ " پڑھ کر دم کرے اور وہ پانی پی لے۔ روز ایسا ہی کرے اور سوتے وقت ۱۷/ بار سورۂ الم نشرح شریف پڑھ کر سینے پر دم کر لیا کرے اور کلنگ ذبح کر کے ذبح کی گرمی میں اس کا مغز نکال کر ۴۰/ بار اس پر "یا حفیظ" دم کر کے کھالے۔ "[1]

راقم نے جلد دوازدہم سے متعلق پہلے جو لکھا تھا، اسے ترک کر کے از سر نو یہ تعارف اسی ماہ صفر ۱۴۴۰ھ / اکتوبر ۲۰۱۸ء میں لکھا ہے، امید کہ یہ پہلے سے زیادہ جامع اور بہتر ہو گا۔

محمد عارف حسین مصباحی (دیناج پوری)

۱۴/صفر ۱۴۴۰ھ

۲۴/اکتوبر ۲۰۱۸ء

(۱) فتاویٰ رضویہ ،ج:۱۲،ص: ۲۹۹،کتاب الشتی.

ضمیمہ

امام احمد رضا
اور
عربی زبان و ادب

از
مولانا نفیس احمد مصباحی (بارہ بنکوی)
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور

اس مقالے میں مجھے **"عربی زبان وادب میں امام احمد رضا کی مہارت"** کے عنوان پر کچھ گفتگو کرنی ہے۔ مقررہ عنوان پر لب کشائی سے پہلے مناسب یہ ہے کہ کچھ ادب اور اس کی اقسام واصناف کو بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔

ادب:

عربی ادب کی تاریخ کے مختلف مراحل میں ادب کی مختلف تعریفیں کی جاتی رہی ہیں، کبھی اس میں اتنی وسعت دی گئی کہ سارے علوم وفنون کو اس میں جمع کر دیا گیا، اور کبھی اس کا دامن اتنا تنگ کر دیا گیا کہ صرف نظم ونثر کی ایک مخصوص قسم کے اندر "ادب" سمٹ کر رہ گیا۔ چناں چہ تاریخ ادب کے ابتدائی مرحلوں میں ادب سے مراد وہ علوم لیے جاتے تھے جن کے ذریعہ سے تہذیب نفس کا کام لیا جائے جس کے نتیجے میں آدمی کے اندر اچھے اخلاق، بلند کردار، بے داغ سیرت اور معاملہ وبرتاؤ میں صفائی اور ستھرائی پیدا ہوتی ہے۔ مگر جب عربی معاشرہ میں وسعت اور عربی فکر ونظر میں جِلا اور گہرائی پیدا ہونے لگی تو ادب کے مذکورہ دائرہ میں "تعلیم" کو بھی شامل کر لیا گیا، چناں چہ "مُؤَدِّب" یا "مُعَلِّم" اس شخص کو کہا جانے لگا جو تعلیم کو بطور پیشہ اختیار کر کے اس سے اپنی روزی کماتا ہو اور ادب میں وہ سارے علوم شامل کیے جانے لگے جو یہ "مُؤَدِب" یا "مُعَلِّم" اپنے شاگردوں کو سکھاتا تھا۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا:

يا رسول الله نحن بنو أب واحد ونراك تكلم وفود العرب بما لا نفهم أكثره .

(یعنی اے اللہ کے رسول! ہم سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ عربوں کے وفود سے ایسی زبان میں گفتگو کرتے ہیں جس کا بیش تر حصہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔)

تو سرکار نے فرمایا:

أَدَّبَني رَبِّي فأَحْسَنَ تَأديبي، وَرُبِّيتُ في بني سَعْد .

(مجھے میرے رب نے تعلیم دی ہے اور بہترین تعلیم دی ہے، پھر میں نے قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی ہے۔)

"**بنوسعد**" حلیمہ سعدیہ کے خاندان کا نام ہے جو اس زمانے میں قبائلِ عرب کے درمیان فصاحت وبلاغت میں نمایاں اور ممتاز تھا۔ غور کیجیے یہاں سرکار نے "**أَدَّبَني**" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی بہر حال ادب یا تہذیب سکھانے کے نہیں ہیں کیوں کہ خود قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" (یعنی آپ بڑے بلند اخلاق کے مالک ہیں) بلکہ یہاں "**أَدَّبَني**" کا معنی ہے: "اللہ نے مجھے تعلیم دی، سکھایا"۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صدر اسلام میں "**تادیب**" تعلیم کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور "مؤدّب" معلم کے معنی میں بولا

جاتا تھا، اور عہد اموی میں بھی ممتاز اساتذہ کی جماعت کو "مُؤدِّبین" کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ اس زمانے کے دستور کے مطابق نظم ونثر اور اخبار و وقائع کی تعلیم روایت کے طریقے سے دیتے تھے۔[۱]

ادب کا یہ مفہوم صدر اسلام اور پہلی صدی ہجری تک قائم رہا بعد میں جب اسلامی معاشرہ میں اور وسعت پیدا ہوئی اور علم وفن میں ترقی کے ساتھ انھیں شاخوں میں تقسیم کیا گیا اور باضابطہ ان کی اصطلاحات مقرر ہوئیں تو نحو وصرف، بلاغت، معانی، بیان، بدیع، لغات وغیرہ فنون بھی اس کی وسعت کے دائرہ میں داخل ہو گئے اور ادب "مجموعہ فنون" ہو گیا۔ اس زمانے کے مایہ ناز ادیب اور ممتاز دانشور "جاحظ" نے اعلان کر دیا "الأدب هو الأخذ من كل فن بطرف".[۲] (تمام مروجہ فنون میں سے تھوڑے کو بقدر ضرورت استعمال کرنے کو ادب کہتے ہیں۔)

جاحظ نے ادیب کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ جملہ فنون کے اصول اور مبادی اسے ضرور آنے چاہئیں تاکہ وہ حسبِ ضرورت ان سے مدد لے سکے۔

اور اب "کسی زبان کے شعرا و مصنفین کا وہ نادر کلام جس میں نازک خیالات و جذبات کی عکاسی اور باریک معانی و مطالب کی ترجمانی کی گئی ہو اس زبان کا "ادب" کہلاتا ہے"۔

اسی ادب کی بدولت نفس انسانی میں شائستگی، اس کے افکار و خیالات میں جلا، اس کے احساسات میں نزاکت وحسن اور زبان میں سلاست وزور پیدا ہوتا ہے۔ ادب کا اطلاق ان تصانیف پر بھی ہوتا ہے جو کسی علمی یا ادبی شعبے میں تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ اس لحاظ سے گویا لفظ ادب ان تمام تصانیف کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے جو محقق علما کے انکشافات، مضمون نگاروں کے افکار، شاعروں کے انوکھے تخیلات اور نازک تصورات پر مشتمل ہوں۔[۳]

عربی زبان کا ادب دنیا کی دوسری تمام زبانوں کے ادب کے مقابلہ میں زیادہ مالا مال ہے، اس لیے کہ اس کا آغاز انسان کی پیدائش ہی سے ہوتا ہے اور اس کی انتہا عربی تمدن کے مٹ جانے پر ہوگی۔ خاندانِ مُضَر کی یہ زبان اسلام پھیلنے کے بعد صرف ایک قوم کی ہی زبان نہ رہی بلکہ ان تمام اقوام عالم کی زبان بن گئی جو وقتاً فوقتاً اسلام کی دعوت قبول کرتی رہیں، یہ دعوت قبول کرنے والے بھی اپنی زبانوں کے اسرار و غوامض، انوکھے تصورات و خیالات اور اچھوتے مطالب و معانی کا اس زبان میں اضافہ کرتے رہے اور آگے چل کر یہ زبان حاملِ دین و ادب، داعیِ علم و تمدّن بن کر زمین کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور اس نے ہر اس زبان کو جو اس سے نبرد آزما ہوئی زیر کر لیا، اس طرح اس زبان نے یونانیوں، ایرانیوں، یہودیوں، عیسائیوں، ہندیوں اور حبشیوں کے قدیم علوم وآداب اپنے اندر جذب کر لیے۔ اور زمانے کی سخت گردشوں کے باوجود ان درمیانی صدیوں میں یہ بخیر وخوبی محفوظ رہی۔ اس نے

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: * "اللغة والادب" از محمد حسین ہیکل * "فی الأدب الجاهلی" از ڈاکٹر طہ حسین * "أسس النقد الأدبي عند العرب" از ڈاکٹر احمد بدوی۔
(۲) دیکھیے البيان والتبيين، ج:۱۔
(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: "تاريخ الادب العربي" از احمد حسن زیات۔

اپنے گرد و پیش کی کئی زبانوں کو تباہ و برباد ہوتے دیکھا مگر یہ بہادری کے ساتھ، پر وقار طریقے پر سر اونچا کیے تمام مذہبی فلسفوں اور ادبی افکار و خیالات کو اپنے اندر سمیٹتے ہوئے سلامتی کے ساتھ نکل آئی۔

پھر کلام کی دو قسمیں ہے: (۱) نثر (۲) نظم

نثر:

وہ کلام کہلاتا ہے جو وزن و قافیہ کی قید سے آزاد ہو۔

یہ کسی بھی زبان میں تبادلۂ خیالات کے لیے کلام کی سب سے پہلی وجود پذیر ہونے والی قسم ہے، اس لیے کہ یہ آسان اور بے قید ہونے کے ساتھ ساتھ سب کی ضرورت کی چیز ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) مُسَجَّع (۲) مُرسَل۔

نثر مُسَجَّع: وہ نثر ہے جس کے فقروں کے آخری کلمات ہم قافیہ ہوں۔

نثر مرسل: وہ ہے جس میں سادگی ہو، قافیہ بندی نہ ہو۔

طبعی قوت، موروثی ذہانت اور عجمیوں سے بہت کم اختلاط کے باعث عربوں کی نثر نہایت شستہ، پاکیزہ، آسان اور سلجھی ہوئی ہوتی تھی۔ البتہ صرف طبعی وجوہ و اسباب کی بنا پر تلفظ اور حروف کی مخارج سے ادائگی میں اختلاف ہوتا تھا۔

نظم: اس کلام کو کہتے ہیں جس کا کوئی خاص وزن اور قافیہ ہو۔

شعر: ماہرین عروض نے شعر کی تعریف یوں کی ہے کہ شعر موزون و مقفّٰی کلام کو کہتے ہیں۔

مگر یہ تعریف ناقص ہے کیوں کہ اس طرح ہر قسم کا کلام جس میں وزن اور قافیہ ہو شعر ہو جائے گا حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ کیوں کہ ناقدین کہتے ہیں کہ اگر جغرافیہ کے مسائل یا صرف و نحو کے قواعد یا تاریخی واقعات یا اقتصادی مسائل کو وزن و قافیہ کے قالب میں ڈھال دیا جائے تو بھی ہم اسے شعر نہیں کہیں گے۔ وہ منظوم فن یا موضوع تو ہو سکتا ہے مگر اسے شعر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی خیال یا حقیقت کو صرف نظم کر دینا شعر ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، بلکہ اس میں کچھ اور خصوصیات کا ہونا بھی ضروری ہے، وہ خصوصیات کیا ہیں؟ ”اچھوتے خیالات و افکار، لطیف جذبات و احساسات کی ایک خاص طریقے سے تعبیر“۔ چناں چہ ناقدین، شعر کی یہ تعریف کرتے ہیں:

”شعر وہ فصیح و بلیغ کلام ہے جس میں وزن کے علاوہ نادر اور اچھوتے خیالات اور لطیف جذبات و احساسات کی عکاسی اس طرح کی گئی ہو کہ انسان کے دل و دماغ پر براہ راست اس کا اثر پڑے۔“

ان ناقدین کے نزدیک شعر کے اجزاے ترکیبی میں ندرت خیال، لطافت جذبات و احساسات اور وزن

کے ساتھ اثراندازی کو اولیت حاصل ہے۔ لیکن انسانی جذبات و احساسات میں اس وقت تک ہیجان یا بیداری پیدا نہیں ہو سکتی جب تک شاعر اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر خوب صورت اور چیدہ الفاظ اور وزن و قافیہ کے تانے بانے سے معانی میں ہم آہنگی پیدا کر کے سامع یا قاری کے دل کے تاروں کو جھنجنا نہ دے۔[1]

عربی زبان و ادب اور اس کے تعلقات کے بارے میں بنیادی گفتگو کے بعد اب ہم برصغیر میں چودھویں صدی کی سب سے باکمال اور بے مثال شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں جس نے اپنے نثری شہ پاروں اور شعری فن پاروں کا ایک تسلسل قائم فرما کر عربی زبان وادب میں بھی اپنے تفوق و کمال اور لیاقت و مہارت کا لوہا منوالیا ہے اور برصغیر ہندو پاک کے ماہرین لسانیات کے علاوہ عرب ارباب علم و دانش اور رجال فکر و فن نے بھی ایک روشن حقیقت کے طور پر اس کا اعتراف کیا ہے جس کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہ ہندستان کے مشہور شہر بریلی (یوپی) میں ۱۰/شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴جون ۱۸۵۶ء کو ایک خوش حال، متمول، علمی و روحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد، تاریخی نام ''المختار'' اور جد کریم مولانا رضا علی خاں بریلوی علیہ الرحمۃ نے ''احمد رضا'' نام رکھا، اور اسی نام سے مشہور بھی ہوئے۔ اللہ تعالی نے آپ کو وہ ذہانت و فطانت عطا فرمائی تھی کہ چار سال کی عمر ہی میں ناظرہ قرآن مجید ختم کر لیا، چھ سال کی عمر میں ایک نووارد عرب سے فصیح عربی میں گفتگو کی۔ آٹھ سال کی عمر میں درس نظامی کی مشہور کتاب ''هداية النحو'' کی عربی زبان میں شرح لکھی اور دس سال کی عمر میں ''مسلم الثبوت'' پر عربی میں حاشیہ لکھا۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ آٹھ اور دس سال کی عمر میں جب کہ آپ ابھی سنّ بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے عربی زبان میں کتابیں لکھنا اس بات کا اشارہ کر رہا ہے کہ اس صغر سنی کے عالم میں ہی علمی و فنی اور ادبی و لسانی حیثیت سے بالغ نظر ہو چکے تھے۔ اور عربی زبان وادب سے آپ کو ذہنی مناسبت ہو چکی تھی۔ اور علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت کے بعد دیگر علوم و فنون کے ساتھ عربی زبان وادب میں وہ علمی کارنامے انجام دیے اور وہ فنی شہ پارے یادگار چھوڑے کہ جنھیں دیکھ کر ارباب علم و دانش کی عقلیں حیران ہیں، اور اپنوں کے ساتھ پرائے بھی انھیں خراج عقیدت پیش کرتے نظر آتے ہیں۔

اردو، ہندی، ملیالم، عربی اور انگریزی جیسی زبانوں پر بھرپور دست رس رکھنے والے اہل حدیث فاضل ڈاکٹر محی الدین الوائی استاذ جامعہ ازہر مصر اپنے ایک عربی مقالے میں لکھتے ہیں:

''قديما قيل: إن التحقيق العلمي الأصيل والخيال الذهني الخصيب لا يجتمعان في

(۱) شعر کی تعریف اور اس کی ماہیت سے متعلق تفصیلات کے لیے دیکھیے (۱) «العمدة" از ابن رشیق قیروانی۔ (۲)''نقد الشعر'' از قدامہ بن جعفر۔ (۳)''الشعر والشعراء'' از ابن قتیبہ۔ (۴) ''عیار الشعر'' از ابن طباطبا۔ (۵)''اسس النقد الأدبی عند العرب'' از ڈاکٹر احمد جاوید بدوی۔

شخص واحد، ولكن مولانا أحمد رضا كان قد برهن على عكس هذه النظرية التقليدية، فكان شاعرا ذا خيال خصيب، وتشهد له بذلك دواوينه الشعرية باللغات الفارسيّة والأردية والعربية. (۱)

(یعنی پرانا مشہور مقولہ ہے کہ علمی تحقیق اور نازک خیالی دونوں بیک وقت شخص واحد میں یک جا نہیں ہوتیں، لیکن مولانا احمد رضا اس روایتی نظریہ کے خلاف دلیل ہیں، آپ (ایک محقق عالم ہونے کے ساتھ) ایک بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے، جس پر آپ کے فارسی، اردو اور عربی شعری دیوان گواہ ہیں۔)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے عربی نثر اور نظم دونوں میں اپنے تفوق وکمال اور صلاحیت ومہارت کے جلوے دکھائے۔ اور آپ نے عربی زبان وادب کی دونوں صنفوں میں عظمت وجلالت کے اَن مِٹ نقوش چھوڑے جو رہتی دنیا تک درخشندہ وتابندہ رہیں گے۔

عربی زبان میں آپ کی علمی وادبی خدمات درج ذیل خانوں میں بٹی ہوئی نظر آتی ہیں۔

(الف) منثور کتابیں اور رسائل. (ب) قصائد اور اشعار (ج) خطبات ومقدمات (د) اسانید واجازات (ہ) کتابوں کے نام۔(و) تواریخ ولادت ووفات۔

اب ہم ذیل میں ان پر اجمالی نظر ڈالتے ہیں:

(الف) منثور کتب ورسائل:

ڈاکٹر احمد ادریس مصری نے اپنے مقالہ ''الأدب العربي في شبه القارة الهندية'' میں لکھا:

''نواب صدیق حسن خاں قنوجی (متوفی: ۱۳۰۶ھ) کی عربی زبان میں چھپن کتابیں ہیں، مولانا عبدالحی بن عبدالحلیم فرنگی محلی (متوفی: ۱۳۰۴ھ) کی چھیاسی، اشرف علی تھانوی (متوفی: ۱۳۶۲ھ) کی تیرہ اور مولانا احمد رضا بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) کی تین سو تصنیفات ہیں''۔ (۲)

ذیل میں ان میں سے بعض عربی تصانیف کی فہرست پیش خدمت ہے:

۱- الدولة المكية بالمادة الغيبية -۲- كفل الفقيه الفاهم في أحكام قرطاس الدراهم -۳- جد الممتار على رد المحتار (۵/ جلدیں) - ٤ -المعتمد المستند بناء نجاة الأبد -٥ - حسام الحرمين على منحر الكفر والمين - ٦ - أجلى الإعلام أن الفتوى مطلقا على قول الإمام -۷-

(۱) امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ قاری دہلی، شمارہ ۱۲، جلد: ۵، ص: ۷۶-۴۔

(۲) حولية الجامعة الإسلامية العالمية، العدد الرابع، عام ١٩٩٦م، ص١٥٩.

شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر -۸- الكشف شافيا حكم فونوجرافيا -۹ - الزلال الأنقى من بحر سبقة الأتقى - ۱۰ - مدارج طبقات لحديث . -۱۱ - صيقل الرين عن أحكام مجاورة الحرمين- ۱۲ - التاج المكلل فى إنارة مدلول كان يفعل-۱۳ - فتاوى الحرمين برجف ندوة المين -١٤ - أطايب الصيّب على أرض الطيب-١٥ - أزهار الأنوار مِن صَبَا صَلاةِ الأسرار -١٦ - الصافية الموحية لحكم جلد الأضحية -١٧ - هادي الأضحية بالشاة الهندية -١٨ - الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة .[1]

(ب) خطبات و مقدمات:

امام احمد رضا نے عربی زبان میں شان دار، وقیع اور بیش قیمت خطبے لکھے جن میں قدر مشترک کے طور پر زور بیان، متانت اسلوب، قوت تاثیر، حلاوت الفاظ، آیات قرآنی واحادیث نبوی کے اقتباسات وحوالہ جات، مطلب سمجھانے اور ذہن نشین کرانے کے لیے قرآن کے طرز بیان کی پیروی وغیرہ اوصاف پائے جاتے ہیں. خیال رہے کہ یہ اوصاف خاص طور سے آپ کے ان خطبوں میں پائے جاتے ہیں جو جمعہ وعیدین کے مواقع پر مسجدوں اور عید گاہوں کے منبروں پر دیے جاتے ہیں، جنھیں عربی زبان میں "خطب المنابر" کہا جاتا ہے۔ ساتھ ہی آپ نے اپنی تصانیف کے آغاز میں رواں اور بے تکلف عربی زبان میں گراں قدر خطبے لکھے ہیں جنھیں عربی میں "خطب الدفاتر" کہا جاتا ہے۔

اس طرح آپ کے خطبے دو طرح کے ہوئے۔ خطب المنابر یعنی جمعہ وعیدین کے خطبے۔ (۲) کتابوں کے خطبے۔ اب ذیل میں ہم ان کے منتخب نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ براہ راست انھیں دیکھیں، جانچیں، اور پرکھیں اور امام احمد رضا کی عربی زبان وادب میں مہارت کو سلام عقیدت پیش کریں۔

قسم اول کا نمونہ:

عید الفطر کے ایک خطبے کا نمونہ درج ذیل ہے:.

الحمدلله حمد الشاكرين، الحمد لله كما نقول، وخيرا مما نقول، الحمد لله قبل كل شيء، الحمد لله بعد كل شيء، الحمدلله مع كل شيء، الحمد لله كما ينبغي لجلال وجهه الكريم، الحمد لله كما حمده الأنبياء والمرسلون، والملائكة المقربون، وعباد الله الصالحون، الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد ... فيا أيها المؤمنون رحمنا

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے المصنفات الرضویۃ۔ از مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

ورحمکم الله ، اعلموا أن یومکم هذا یوم عظیم، ألا وللصائم فرحتان : فرحة عند الإفطار، وفرحة عند لقاء الرحمن، ألا وإن فی الجنة بابا یقال له الریان ، لایدخله إلا الصائمون شهر رمضان.

قسم دوم کا نمونہ:

اب ہم ذیل میں بطور نمونہ فتاوی رضویہ جلد اول کا خطبہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو فصاحت وبلاغت کا پیکر محسوس ہے، دل کش اشارات، واضح تلمیحات، خوش نما تشبیہات، خوب صورت استعارات پر مشتمل اس خطبہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے جملہ لوازم ومناسبات (اللہ تعالی کی حمد وثنا، رسول اللہ ﷺ اور ان کی آل پر درود وسلام، حضور اکرم ﷺ کی نعت اور صحابہ کرام کی مدح وثنا) کو کتب فقہ اور ائمۂ فقہ کے ناموں سے ادا کیا گیا ہے، کتب فقہ کے ناموں اور ائمۂ کرام کے اسمائے گرامی کو اس انداز سے ترتیب دیا گیا ہے کہ کہیں حمد الہی کی خوشبو مہکتی ہے، کہیں نعت رسول کے گلشن لہلہاتے ہیں، کہیں درود وسلام کی رعنائیاں دعوت نظارہ دیتی ہیں، تو کہیں مدح صحابہ واہل بیت کی جلوہ سامانیاں ہوتی ہیں۔

اس خطبے میں براعت استہلال، رعایت سجع اور دیگر صنائع وبدائع اور محاسن بلاغت کا بے تکلف استعمال ہے، مگر کمال یہ ہے کہ ان سب کی رعایت کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں کہیں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آتا، نہ جملوں کی معنویت، الفاظ کی بندش اور تراکیب کی برجستگی میں کوئی فرق محسوس ہوتا ہے، وہ خطبہ یہ ہے:

"الحمد لله هو الفقه الأکبر، والجامع الکبیر لزیادات فیضه المبسوط الدرر والغرر، به الهدایة، ومنه البدایة، وإلیه النهایة، بحمده الوقایة، ونقایة الدرایة، وعین العنایة، وحسن الکفایة، والصّلاة والسلام علی الإمام الاعظم للرسل الکرام، مالکی وشافعی احمد الکرام، یقول الحسن بلاتوقف، محمد الحَسَنُ ابو یوسف، فانه الاصل المحیط، لکل فضل بسیط، ووجیز ووسیط، البحرالزخار، والدر المختار، وخزائن الاسرار، وتنویر الابصار ، وردالمحتار، علٰی منح الغفار، وفتح القدیر، وزاد الفقیر، وملتقی الابحر، ومجمع الانهر، وکنز الدقائق، وتبیین الحقائق، والبحرالرائق، منه یستمد کل نهرفائق، فیه المنیة، وبه الغنیة، ومراقی الفلاح، وامداد الفتاح، وایضاح الاصلاح، ونور الایضاح، وکشف المضمرات، وحل المشکلات، والدر المنتقی، وینابیع المبتغی، وتنویر البصائر، وزواهر الجواهر، البدائع النوادر، المنزه وجوبا عن الاشباه والنظائر، مغنی السائلین،

ونصاب المساكين، الحاوى القدسى، لكل كمال قد سى وإنسى، الكافى الوافى الشافى، المصفى المصطفى المستصفى المجتبى المنتقى الصافى، عُدة النوازل، وانفع الوسائل، لاسعاف السائل، بعيون المسائل، عمدة الاواخر وخلاصة الاوائل، وعلىٰ اٰلهٖ وصحبهٖ، وأهله وحزبه، مصابيح الدّجى، ومفاتيح الهدى، لاسيما الشيخين الصاحبين، الأخذين من الشريعة والحقيقة بكلا الطرفين، والختنين الكريمين، كل منهما نورالعين، ومجمع البحرين، وعلىٰ مجتهدى ملته، وائمة امته، خصوصا الاركان الاربعة، والانوار اللامعة، وابنه الاكرم، الغوث الاعظم، ذخيرة الاولياء، وتحفة الفقهاء، وجامع الفصولين، فصول الحقائق والشرع المهذب بكل زين، وعلينا معهم، وبهم ولهم، ياارحم الرحمين، أمين أمين، والحمدلله رب العٰلمين." (۱)

صنعتِ تلمیح اور اقتباس کے کامیاب استعمال کے لیے حضرت امام احمد رضا کے خطبے کے درج ذیل جملے ملاحظہ کیجیے اور ان کی لسانی مہارت، زبان وبیان کی قدرت کے جلووں کا سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیجیے:

"أمابعد فهذه - بحمدالله، ورفدالله، وعون الله، وصون الله، تبارك الله، وبارك الله، ماشاء الله، لاقوّة الابالله، وحسبناالله ونعم الوكيل، نعم المولى ونعم النصير- جنات عالية، قطوفهادانية، فيها سررمرفوعة، واكواب موضوعة، ونمارق مصفوفة، وزرابى مبثوثة، من مسائل الدين الحنيفى، والفقه الحنفى، تجدفيها ان شاء الله عينا جارية من عيون تحقيقات السلف الكرام، مع رفرف خضروعبقرى حسان من تمهيدات الخلف الاعلام، وعرائس نفائس كانهن الياقوت والمرجان، لم يطمثهن قبلى انس ولاجان." الخ (۲)

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اپنی اکثر وبیش تر تصنیفات کے خطبوں میں اللہ تعالی کی حمد وثنا اور درود شریف کے ساتھ ساتھ وہ مسئلہ بھی بیان فرما دیتے ہیں جسے بعد میں اصل کتاب کے اندر تفصیلی دلیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں، مقدموں اور خطبوں میں محاسنِ بلاغت اور صنائع بدائع کا بے تکلف اور برمحل استعمال کوئی ان سے سیکھے۔

کتابوں کے نام:

امام احمد رضا قدس سرہٗ کے عربی زبان وادب میں کمال مہارت کا منہ بولتا ثبوت ان کی تصنیفات کے نام بھی ہیں، کیوں کہ آپ نے اکثر رسائل وتصنیفات کے عربی میں ایسے حسین نام تجویز فرمائے ہیں جو نہایت موزوں، مناسب اور واقع

(۱) العطايا النبوية فى الفتاوى الرضوية، ج:۱ .
(۲) العطايا النبوية فى الفتاوى الرضوية، ج:۱ .

کے عین مطابق ہوتے ہیں جنھیں پڑھنے کے بعد باذوق قاری پھڑک اٹھتا ہے، اور حضرت امام کی ادبی ولسانی دست رس پر حیران وششدر رہ جاتا ہے، اکثر ناموں میں مندرجہ ذیل خصوصیات قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہیں۔

(۱) نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے، بلکہ دونوں فقروں کے آخری کلمات ہم وزن ہوتے ہیں۔ اور اس طرح سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔

(۲) ہر نام اسم با مسمی ہوتا ہے۔ نام ہی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس رسالہ کا موضوع کیا ہے۔

(۳) اس سے حروف ابجد کے اعداد کے حساب سے سالِ تصنیف بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

درج ذیل ناموں پر غور فرمائیں تو یہ حقائق آفتاب نیم روز کی طرح روشن و تاباں نظر آئیں گے:

● کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن (۱۳۳۰ھ) ● الدولة المكية بالمادة الغيبية (۱۳۲۳ھ) ● الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة (١٣٢٤ھ) ● الهاد الكاف، في حكم الضعاف (۱۳۱۳ھ) ● إعلام الاعلام بأن هندوستان دارالاسلام (١٣٠٦ھ) ● إقامة القيامة على طاعن القيام لنبي تهامة. (١٢٩٩ھ) ● جمل النور في نهي النساء عن زيارة القبور (۱۳۳۹ھ) ● أعالى الإفادة فى تعزية الهند و بيان الشهادة. (١٣٢١ھ) ● بدر الأنوار فى آداب الآثار (١٣٢٦ھ) ● الكشف شافيا حكم فونوجرافيا (۱۳۲۸ھ) ● كفل الفقيه الفاهم فى أحكام قرطاس الدراهم (١٣٢٤ھ) ● الزبدة الزكية فى تحريم سجود التحية (۱۳۳۷ھ). وغیرہ

تواریخ ولادت ووفات:

تاریخ گوئی میں بھی اعلی حضرت کو حد درجہ کمال حاصل تھا، آپ فارسی زبان کی طرح عربی میں بھی تاریخیں کہا کرتے تھے جس سے فن تاریخ گوئی میں حیرت انگیز قدرت کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں مہارت کا پتا چلتا ہے، اعلی حضرت کی تاریخ گوئی کی مثالیں تو بے شمار ہیں لیکن ہم یہاں وہ تواریخِ ولادت اور تواریخ وفات نذرِ قارئین کرتے ہیں جو آپ نے اپنے والد ماجد علامہ نقی علی خان علیہ الرحمۃ والرضوان کی تصنیف "جواهر البيان فى أسرار الأركان" میں مصنف کی سوانح کے آخر میں درج فرمائی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(**تواريخ ولادت**) جاء و لي نقي الثياب علي الشان (١٢٤٦ھ)، رضى الأحوال بهي المكان (١٢٤٦ھ)، وهو أجل محققى الأفاضل (١٢٤٦ھ)، شهاب المدققين الأماثل (١٢٤٦ھ)، قمرفى برج الشرف (١٢٤٦ھ)، بريء من الخسوف والكلف (١٢٤٦ھ)، أفضل سباق العلماء (١٢٤٦ھ) أقدم حذاق الكرماء.

(**تواريخ وفات**) كان نهاية جمع العظماء (١٢٩٧ھ)، خاتم أجلة الفقهاء (١٢٩٧ھ)،

أمين الله في الأرض أبدا (١٢٩٧ھ)، إن موتةَ العالِمِ موت العالَم .(١٢٩٧ھ) ، وفاة عالم الإسلام ثلمة في جمع الأنام (١٢٩٧ھ)، خلل في باب العبادة لاينسد إلى يوم القيامة (١٢٩٧ھ) ، ياغفور (١٢٩٧ھ)، كمِّل له ثوابك يوم النشور (١٢٩٧ھ) ، امنحه جنة أعدت للمتقين، (١٢٩٧ھ) ، صلى الله تعالى على سيدنا محمد وآله وأهله أجمعين (١٢٩٧ھ). [1]

اسلوب بیان:

مافی الضمیر کی ادائگی اور اپنی بات دوسرے تک پہنچانے کے لیے ایک ادیب جو طریقِ ادااور طرزِ تعبیر اختیار کرتا اور جس خاص روش کو اپناتا ہے اسے ''اسلوب'' کہتے ہیں۔

اسلوب کی تین قسمیں ہیں: (۱) علمی اسلوب یعنی عالمانہ طرز بیان۔ (۲) ادبی اسلوب یعنی ادیبانہ طرز بیان. (۳) خطابی اسلوب یعنی خطیبانہ طرز بیان.

اسلوب علمی تمام اسالیب کے مقابل نہایت متین، پُر وقار، سنجیدہ اور پر سکون ہوتا ہے، اس میں نہ ادبی شوخیوں کی چاشنی ہوتی ہے نہ خطابی جوش وخروش ہوتا ہے۔ اس اسلوب کو علمی حقائق کی تشریح کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جو عموماً مشکل اور دقیق ہوتے ہیں جنھیں سمجھانے کے لیے مستحکم دلائل اور وضاحت کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

اسلوب ادبی کا مطمح نظر حسین سے حسین تعبیر ہے، اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ معانی، الفاظ، تراکیب اور پیرایۂ بیان، سب میں حسن وجمال ہو، اگر زندگی کا کوئی فلسفہ بھی بیان کرنا ہے تو خوب صورت سے خوب صورت تعبیر اختیار کی جائے۔ اس اسلوب میں ہمیشہ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ مضامین کا پیرایۂ بیان اتنا دل کش ہو کہ سننے والا ہر طرف سے ہٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائے، اس کے لیے حسب موقع تشبیہ، تمثیل، استعارہ وکنایہ ہر چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسلوب خطابی کا مطمح نظر عزائم کو پختہ اور طاقت ور بنا کر سرگرم عمل بنانا اور دلوں میں زندہ تحریک اور جوش عمل کی روح پھونکنا ہے۔ [2]

جب ہم امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ کے نثری شہ پاروں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا اسلوب نہ خالص علمی اسلوب ہے، نہ محض ادبی یا خطابی، بلکہ یہ مختلف اسالیب کا حسین امتزاج ہے، اس لیے آپ کی عربی تحریروں میں نہ الفاظ ومعانی کا الجھاؤ ہوتا ہے، نہ طرز بیان میں کوئی جھول، اسی بنا پر قاری کے قلب وذہن تک مفہوم کی ترسیل بہت موثر اور طاقت ور پیرایے میں ہوتی ہے۔

---

(۱) حیات اعلی حضرت (بترتیب جدید مفتی مطیع الرحمن) ج ۱/ص ۳۱۷۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمۃ "البلاغة الواضحه"، مبحث الأسلوب.

پوری بیدار مغزی اور توجہ کے ساتھ درج ذیل اقتباس پڑھیے، رسالہ ''الکشف شافیا حکم فونوجرافیا'' میں شعر کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فما هو إلا أن الأوزان العروضية آلة لأداء كل قسم من الكلام موزونا، فلا يحكم عليها في أنفسها بحسن ولا قبح، بل تتبع المودى بها، فإن كان حسنا سائغا وذكرا بالغا ففي الحديث الصحيح: ''إن من الشعر لحكمة'' . وإن كان هزلا فارغا و رذلا زائغا ففي القرآن المجيد: ''الشعراء يتبعهم الغاون '' وللأول بشرى تحيي الفؤاد ''إن الله يؤ يد حسان بروح القدس '' وعلى الآخر وعيد يفت الأكباد: امرؤالقيس صاحب لواء الشعراء إلى النار.[1]

دبستانِ ادب:

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی عربی منثور تحریروں کو دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ نہ آپ دبستان ابن العمید سے متاثر نظر آتے ہیں جس میں سارا زور الفاظ کو پُر شوکت اور حسین وجمیل بنانے پر ہوتا ہے اور معنوی حسن کی طرف توجہ یا تو بالکل نہیں ہوتی، یا ہوتی ہے تو بہت کم۔ اور نہ آپ دبستان ابن المقفع کی پیروی کرتے ہیں جس کے امتیازی اوصاف جملوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑنا، الفاظ میں ہم آہنگی اور سہل پسندی کے ساتھ معانی کا زیادہ اہتمام اور سجع بندی سے نفرت کی حد تک گریز اور دوری ہیں۔ بلکہ آپ کا اسلوب بیان ان دونوں دبستان ادب کے درمیان ہے آپ کے یہاں معانی سے غفلت ولا پرواہی بھی نہیں اور سجع بندی سے نفرت ودشمنی بھی نہیں، بلکہ معنوی پہلو کو پورے طور پر سامنے رکھتے ہوئے بے تکلف سجع بندی بھی پائی جاتی ہے۔ اس طرح آپ کا طرز بیان دونوں دبستانوں کا آمیزہ معلوم ہوتا ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے یہاں سجع بندی اور قافیہ بندی کے نمونے بکثرت ملتے ہیں جب کہ یہ دور جدید، نثر مرسل کا دور ہے اور اب تو نثر مسجع کو عیب سمجھا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سجع کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

اول: یہ کہ سجع کی رعایت اس حد تک کی جائے کہ مافی الضمیر کی ادائگی متاثر ہوجائے یا معنی ومفہوم سے یک سر نگاہیں پھیر لی جائیں۔ جیسے ایک امیر نے شہر ''قُم'' کے قاضی کو خط لکھا اور اس میں صرف سجع بندی کا لحاظ کرتے ہوئے اس بے قصور قاضی کی برخاستگی کا فرمان جاری کر دیا، خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

(۱) رسالہ ''الکشف شافیا حکم فونوجرافیا''۔ص:۹۵، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئ

أيها القاضي بِقُم، قد عزلناك فَقُمْ.

(اے شہر قم کے قاضی! میں نے تجھے برخاست کیا لہذا یہاں سے اٹھ جا۔)

جب قاضی تک یہ شاہی فرمان پہنچا تو اس نے برجستہ کہا:

ما عزلني إلا هذا السجع.

(مجھے صرف اس سجع بندی اور تک بندی ہی نے برخاست کیا۔)

دوم: یہ کہ اس سجع میں تکلف، تصنع نہ ہو، اس سے معنی کی ترسیل متاثر نہ ہوتی ہو۔

سجع کی قسم اول قبیح اور ناپسندیدہ ہوتی ہے جب کہ دوسری قسم نہ صرف یہ کہ عیب نہیں گردانی جاتی، بلکہ اسے زبان وبیان پر قدرت اور مہارت کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ کی سجع اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے اس لیے یہ عیب نہیں بلکہ ان کی قادر الکلامی اور لسانی مہارت کی دلیل ہے۔ اسی بنیاد پر عربی زبان کے ماہرین بلکہ خود عرب علما آپ کی فصاحت وبلاغت اور زبان دانی کا کھلے دل سے اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

شیخ علی بن حسین مالکی مدرس مسجد حرام مکہ مکرمہ نے آپ کی شان میں یوں خراج عقیدت پیش کیا:

ذاخبرة مولى المعارف و الهدى رب البلاغة مَنْ به الدنيا زهت

أبدى معاني المشكلات بيانه ببديع منطقه الجواهر نظمت

(ترجمہ: وہ تجربہ کار اور صاحب معارف وہدایت ہیں، ایسے بلیغ جس پر دنیا ناز کرے۔ ان کے بیان نے مشکل معانی کو واضح کر دیا، اس کے اچھوتے کلام سے موتیوں کو پرویا گیا ہے۔)

ڈاکٹر حازم محفوظ استاذ جامعہ ازہر، قاہرہ، مصر کہتے ہیں:

عند مانطالع مؤلفاته النثرية التي كتبها- وكتب -أغلبها - باللغة العربية نتحير من تمكنه التام من اللغة العربية وآدابها،..... و مما يدعو إلى التأمل أن هذا الإمام تعلم اللغة العربية و أجادها إجادة تامة... أما عن النثر العربي فقد بلغ أسلوبه فيه قمة الفصاحة و البلاغة.[۱]

(جب ہم امام احمد رضا کی ان کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو آپ نے عربی زبان میں لکھی ہیں تو عربی زبان وادب میں ان کی مہارت اور کمالِ قدرت کو دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے ہیں........... قابل غور پہلو یہ ہے کہ انھوں نے عربی زبان سیکھی، اور اسے خوب سے خوب تر کیا......... اور عربی نثر میں تو آپ کا اسلوب و پیرایۂ بیان فصاحت وبلاغت کی بلندیوں تک پہنچا ہوا ہے۔)

(۱) محمد أحمد رضا خان والعالم العربي، ص۳۰،۳۱.

عربی شاعری:

امام احمد رضا نے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں پر مغز، بیش قیمت اور شان دار اشعار کہے ہیں ان کی شاعری قلبی واردات کا بیان ہوتی ہے، انھیں شاعری پر پورا پورا قابو حاصل ہے اسی لیے ان کے یہاں معانی کی تعبیر اور مفاہیم کی ادائگی کا میدان بہت کشادہ نظر آتا ہے۔ عربی زبان سے انھیں فطری مناسبت ہے۔ ان کی نظم و نثر کا مطالعہ کرنے والا اس حقیقت واقعیہ کے اعتراف میں کوئی تامل نہیں کرتا۔

حضرت شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ گیارہ سال سے زیادہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے دار الافتاء میں خدمت افتا سر انجام دیتے رہے اور حضرت مفتی اعظم ہند ان پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے، آپ کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ فرماتے تھے:

"قلب فقیر میں مضامین کی آمد اولاً عربی زبان میں ہوتی ہے، دوسری زبان میں بات کہنے کے لیے نقل و ترجمہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

امام احمد رضا کی تحریروں کو دیکھنے سے اس بات کی حرف بحرف تصدیق ہو جاتی ہے، عربی تو جانے دیجیے خود ان کی اردو میں عربیت کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا نظر آتا ہے، عربی الفاظ کا کثرت سے استعمال، بلکہ بہت سے اردو جملوں کا انداز ترتیب بھی عربی جیسا ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھیں بچپن ہی سے دینی و علمی ماحول ملا تھا، داداجان حضرت مولانا رضا علی خان بریلوی اور والد گرامی حضرت رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان اپنے وقت کے زبردست عالم تھے، گھریلو ماحول کے علاوہ طبعی میلان اور خداداد قابلیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور انھیں وجوہ کی بنا پر عربی زبان سے مناسبت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں زبان پر اتنی دست رس اور اس قدر عبور ملتا ہے کہ جہاں جس مضمون کو جس طرح عربی میں ادا کرنا چاہا ہے اسے بے تکلف ادا کر دیا ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کی عربی آپ کی اردو سے کہیں فائق نظر آتی ہے۔ آپ کے عربی اشعار کا مطالعہ کرنے کے بعد عرب ادبا اور ریسرچ اسکالر عربی شعر و ادب میں آپ کی مہارت اور اصناف سخن میں آپ کی گہرائی و گیرائی دیکھ کر محو حیرت ہیں۔

ڈاکٹر حازم محمد محفوظ استاذ جامعہ ازہر مصر لکھتے ہیں:

" إن هذا الديوان قد جعل الإمام فى طليعة شعراء العربية الأعلام فى شبه القارة بل إننا لا نكون مبالغين إذا قلنا : إن هذا الإمام يُعَدُّ فى جملة أكابر شعراء العربية فى العصر الحديث. وبمطالعة هذا الديوان العربى "بساتين الغفران" نتيقن من أسلوبه ولغته العذبة، أن ناظمه لابد أن يكون عربى اللسان والبيان، بيد أننا عندما نطالع أغراضه و موضوعاته

التی تصور المجتمع الهندی فی عصره نقول: إن ناظمه من تلك البيئة ،و نتساءل أين وكيف ومتى تعلم وأجاد واطلع على اللغة العربية."

(اس دیوان نے امام احمد رضا کو برصغیر کے بلند پایہ شعرا میں سرفہرست کر دیا ہے بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ امام احمد رضا، دور جدید میں عربی زبان کے اکابر شعرا میں شمار کیے جاتے ہیں۔

اور اس عربی دیوان "بساتین الغفران" کے مطالعہ کے بعد اس کے اسلوب کی حلاوت اور زبان کی چاشنی سے ہمیں اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ اس کا نظم کرنے والا، زبان و بیان کے اعتبار سے ضرور عربی ہے۔ لیکن جب ہم اس کے (شعری) اغراض ومقاصد اور ان موضوعات کو دیکھتے ہیں جو ان کے عہد کے ہندوستانی معاشرہ کی تصویر پیش کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اسے نظم کرنے والا اسی ماحول سے تعلق رکھتا ہے، اور ہم سوال کرتے ہیں کہ اس نے کہاں، کیسے اور کب عربی سیکھی اور اس میں عمدگی اور بہتری پیدا کی۔)

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی شاعری میں تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی فرمائی، ان کے یہاں نعت رسول بھی ہے، حمد ومناجات بھی ہے، مدح و ہجو بھی ہے اور پاکیزہ غزل بھی۔ انھوں نے اپنی شاعری میں خلاف واقع تشبیہات واستعارات اور جھوٹے مبالغے سے پرہیز کیا ہے۔

عربی دیوان (بساتين الغفران)

امام احمد رضا کے عربی اشعار کی جمع وتدوین اور ترتیب کا کام آپ کی حیات میں نہ ہو سکا تھا، بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی سالہاسال تک یہ کام کسی مرد مجاہد کے عزم واستقلال اور محنت و کاوش کا انتظار کرتا رہا۔

اس دوران ریسرچ اسکالروں نے آپ کی حیات و خدمات کے عنوان پر ایم۔اے. اور پی۔ایچ۔ڈی بھی کی اور گراں قدر علمی مقالے سپرد قلم کیے لیکن کسی نے آپ کے منتشر عربی اشعار کو جمع وترتیب کے مراحل سے گزار کر ارباب علم و دانش کے سامنے پیش کرنے کی جرأت نہ کی۔ بالآخر جامعہ ازہر مصر کے استاد ڈاکٹر حازم محمد احمد عبدالرحیم محفوظ پاکستان آئے اور انھیں اس کام کی اہمیت کا احساس ہوا، اور انھوں نے کمر ہمت کس لی، اور محقق عصر علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ، سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور اور دیگر اہل علم کے تعاون سے یہ کام تکمیل آشنا ہوا، اور آپ کے اردو دیوان "حدائق بخشش" کو سامنے رکھتے ہوئے اس عربی شعری مجموعہ کا نام "بساتين الغفران" رکھا۔ یہ مجموعہ پہلی بار ۱۹۹۷ء میں طباعت کے مرحلے سے گزرا، اس کی طباعت واشاعت رضا اکیڈمی برطانیہ، رضا دار الاشاعت لاہور اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے زیر اہتمام ہوئی۔ اس مجموعہ میں سات سو پنچانوے اشعار اور ننانوے شعری تاریخیں ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت امام کے عربی اشعار صرف

اتنے ہی نہیں ہیں، بلکہ یہ تو ان اشعار کی مجموعی تعداد ہے جو اس جمع وتدوین کے وقت جامع کو حاصل ہوئے تھے۔

آپ کے اس عربی شعری مجموعہ میں عربی زبان پر کامل دست رس اور بھرپور قدرت کا عنصر ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ اب ذیل میں آپ کے عربی اشعار کے کچھ نمونے کچھ ضروری تفصیلات کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

قصیدتان رائعتان:

یہ دو عربی قصیدوں کا مجموعہ ہے ایک قصیدہ نونیہ، جس کا اصل تاریخی نام "مدائح فضل الرسول" ہے اس قصیدہ میں کل دو سو تینتالیس اشعار ہیں اور دوسرا قصیدہ دالیہ، جس کا تاریخی نام "حمائد فضل الرسول" ہے، اس کے اشعار کی مجموعی تعداد ستر (۷۰) ہے۔ یہ دونوں قصیدے تاج الفحول علامہ شاہ عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمۃ کے پوتے حضرت مولانا شاہ عبدالحمید سالم القادری سجادہ نشین خانقاہ قادریہ بدایوں شریف کے پاس بخط شاعر (اعلی حضرت امام احمد رضا خان قادری قدس سرہ) موجود ہیں، ۵ر صفر ۱۴۰۹ھ کو دار العلوم قادریہ بدایوں میں خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی کے ہمراہ استاذی الکریم صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ کی ملاقات حضرت سالم میاں سے ہوئی، اسی موقع پر انھوں نے یہ دونوں قصیدے حضرت صدر العلما کو دکھائے اور آپ کی طلب پر بغیر کسی ٹال مٹول کے ان کی فوٹو کاپی دینے کے لیے رضامند ہوگئے۔ حضرت مولانا قاضی شہید عالم صاحب نے ان دونوں قصیدوں کی بہترین فوٹو کاپی کرا کے جلد ہی حضرت صدر العلما کے پاس مبارک پور بھیج دی۔ اور اس طرح المجمع الاسلامی مبارک پور کے زیر اہتمام یہ دونوں قصیدے "قصیدتان رائعتان" کے نام سے شائع ہو کر اہل علم کی نگاہوں کی زینت بنے۔ یہ دونوں قصیدے سیف اللہ المسلول حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح میں لکھے ہیں۔ راقم سطور (نفیس احمد مصباحی)، اور مولانا فروغ احمد اعظمی مصباحی اور مولانا نظام الدین مصباحی کی کوششوں سے یہ دونوں قصیدے دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، ضلع بستی یوپی نے جماعت خامسہ کے عربی ادب کے نصاب میں شامل کر لیے ہیں۔ دار العلوم علیمیہ کے زمانہ تدریس میں دو سال تک یہ قصیدے میرے ہی زیر تدریس رہے اور اسی دوران میں نے ان کا ترجمہ بھی مکمل کر لیا اور کچھ حل لغات اور محاسن بلاغت کی تعیین بھی کر لی۔ مگر اس کی باضابطہ شرح لکھنے کا ارادہ ابھی عملی شکل اختیار نہ کر سکا۔ واللہ الموفق والمعین.

قصیدة مدائح فضل الرسول:[1]

ان میں پہلا قصیدہ "مدائح فضل الرسول" باتشبیب قصیدہ ہے۔ عموماً باتشبیب قصیدہ کے چار جز ہوتے ہیں:

(۱) العمدة لابن رفيق القروانی يان.

(۱) تشبیب۔ (۲) گریز۔ (۳) مدح یا ہجو۔ (۴) خاتمہ۔

(۱) تشبیب: عربی شعر و ادب میں عشقیہ شاعری کو کہتے ہیں، خواہ وہ مدحیہ قصیدہ کی تمہید کے طور پر ہو یا پوری نظم کا موضوع ہو۔ فارسی میں جب غزل ایک صنف سخن کی حیثیت سے وجود میں آئی تو تشبیب صرف قصیدہ کی عشقیہ تمہید کا نام رہ گیا، بعد میں ہر قسم کی تمہید کو تشبیب کہا جانے لگا۔

(۲) گریز: تشبیب قصیدہ کا دوسرا جز گریز ہے، اس کو عربی میں خروج، توسل اور تخلص کہتے ہیں۔ اس کی تعریف ابن رشیق نے یوں کی ہے:

الخروج: إنما هو أن تخرج من نسيب إلى مدح أو غيره بلطف تحيل. (تشبیب سے مدح یا دوسرے موضوع کی طرف بہترین حیلے سے نکلنے کا نام گریز ہے۔)

(۳) مدح یا ہجو: یہ قصیدہ کا تیسرا اور سب سے بنیادی جز ہے، قصیدہ کا مرکزی مضمون اسی میں ہوتا ہے، یہ جز شعرا کی توجہ کا مرکز اور فنی مہارت کی جولان گاہ اور امتحان گاہ ہوتا ہے۔

(۴) خاتمہ: قصیدہ کی آخری منزل خاتمہ ہے، اسے مقطع اور دعائیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اگر قصیدہ کا خاتمہ اچھا ہے تو قصیدہ اچھا مانا جاتا ہے، ورنہ برا۔ ابن رشیق قیروانی نے اپنی کتاب ’العمدہ‘‘ میں متنبی کو ان تینوں میں تمام شعرا سے فائق تسلیم کیا ہے۔

خیال رہے کہ عربی، فارسی اور اردو کسی بھی زبان کے قصیدوں میں ان اجزاے ترکیبی کی پابندی لازم نہیں ہوتی، مدحیہ قصیدوں میں تو یہ اجزا اکثر کام میں لائے گئے ہیں لیکن دوسرے موضوعات کے قصیدوں میں ان کا چنداں خیال نہیں رکھا جاتا۔

قصیدہ ”مدائح فضل الرسول“ باتشبیب قصیدہ ہے اس میں مندرجہ بالا چاروں جز (تشبیب، گریز، مدح اور خاتمہ) پائے جاتے ہیں۔

(۱) تشبیب کا آغاز: ”رَنَّ الحمامُ علىٰ شُجونِ البَانِ
یاما أَمَیلحَ ذکرَ بیـضِ البَانِ“
سے ہو کر چونتیسویں شعر ”لیلٌ إذا أرخى ستار ظلامهِ
رَفعَ الستارةَ عن نجوم مَعَانِ پر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

قصائد کے آغاز میں تشبیب لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اصل مضمون بیان کرنے کے لیے محبوب اور اس سے نسبت و تعلق رکھنے والی اشیا اسے یاد دلانے والے مقامات کا تذکرہ کیا جائے یا اس کے بے مثال حسن و جمال اور

بے نظیر محاسن و کمالات بیان کیے جائیں تاکہ قارئین اور سامعین دونوں کی آتش شوق تیز ہو، خوابیدہ جذبات واحساسات بیدار ہوں، اور جس وقت اصل مضمون پر آئیں اس وقت قاری کے بیان کا جوش اور سامع کی سماعت کا اشتیاق، نقطہ عروج اور ذروۂ کمال کو پہنچ چکا ہو، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ تشبیب کا مضمون عام طور سے قصیدہ کے ایک تہائی یا نصف پر حاوی ہوتا ہے، مگر کامیاب شاعر وہ ہوتا ہے جو اس مضمون کو اتنا طول نہ دے، بلکہ چند اشعار ہی میں ایسے اچھوتے، پرکشش اور سحر انگیز مضامین لائے جن سے سامعین کے ذہن و دماغ کے تار جھنجھنا اٹھیں، دل کی تشنگی اپنے شباب پر آجائے، اور قلب و جگر پورے شوق و رغبت کے ساتھ اصل مضمون کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور قاری ان اشعار کو پڑھ کر اور سامع انھیں سن کر پھڑک اٹھے اور بے ساختہ دل کی گہرائیوں سے شاعر کے لیے داد و تحسین کے جذبات یا جملے نکل پڑیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ کی تشبیب اس معیار پر پوری آتی ہے اور ان کی شاعرانہ مہارت اور فنی عظمت و جلالت کو بے نقاب کرتی نظر آتی ہے۔ اس کا مشاہدہ خود میں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے کیا ہے۔

یہ کوئی ان دنوں کا قصہ ہے جب میں لکھنؤ میں قیام پذیر تھا۔ ایک دن میری ملاقات دار العلوم ندوہ کے دو اساتذہ سے ہوئی جو شعبۂ عربی ادب کے بلند پایہ استاذ مانے جاتے تھے ان میں سے ایک کا تعلق دیوبندی جماعت سے تھا جب کہ دوسرے صاحب جماعت اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے، اتفاقاً اس وقت میرے ہاتھ میں ''قصیدتان رائعتان'' کا ایک نسخہ تھا۔ اول الذکر نے یہ کتاب مجھ سے لے کر دیکھنا شروع کیا، اس کے آغاز میں عمدۃ المحققین صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا عربی زبان میں لکھا ہوا ایک گراں قدر اور وقیع مقدمہ ہے، اس کو جستہ جستہ پڑھتے ہوئے جب تشبیب کے پہلے شعر تک ان کی رسائی ہوئی جو درج ذیل ہے:

رَنَّ الحمامُ علىٰ شُجُونِ البَانِ
يَامَا أُمَيلِـحَ ذكرَ بيضِ البَانِ

(کبوتری نے درخت بان کی شاخوں پر نغمہ سرائی کی، واہ مقام بان کی حسیناؤں کا ذکر کتنا حسین ہے۔)

تو ان پر ایک طرح سے بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی اور بے ساختہ زبان سے تعریف و تحسین کے کلمات نکل پڑے کہ واہ واہ! کیا خوب کہا ہے۔ پھر تین چار بار اس شعر کو دہرایا اور ہر بار تعریف و تحسین کے کلمات کا اعادہ بھی کیا۔ اور پھر جب تشبیب کے اشعار پڑھنے شروع کیے تو درج ذیل اشعار تک اسی سرمستی کے عالم میں پڑھتے چلے گئے:

يَا حُسْنَ غُصنٍ فيه من كُلِّ الجَنیٰ — عِنَبٌ وَ عُنَّابٌ به سُلــوانی
و اللّوْ زُ فيه الفَوْزُ و التُّفَّاح و الـ — رُطَب و لا تَسْئَل عن الرُّمَّان

(ترجمہ: واہ رے اس شاخ کا حسن وجمال جس میں ہر قسم کے میوے ہیں، اس میں انگور بھی ہے اور وہ عناب بھی جو میرے لیے سامان تسکین ہے۔ اس میں بادام بھی ہے جس میں میری کامیابی ہے اور سیب اور تر و تازہ پختہ کھجوریں بھی، اور انار کی تو بات ہی نہ پوچھو۔)

اور پھر پوری کتاب تیزی کے ساتھ پڑھتے چلے گئے اور اس دوران جگہ جگہ کلماتِ تحسین بھی زبان سے نکلتے رہے، اخیر میں انھوں نے اپنے رفیق اہل حدیث فاضل سے کہا کہ مختلف علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان وادب میں بھی مولانا احمد رضا بریلوی کی مہارت کی بات اب تک صرف سنتے تھے لیکن آج ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ میں بلا جھجھک کہتا ہوں کہ اگر شاعر کا نام بتائے بغیر یہ قصیدہ عربی زبان وادب کے کسی شناور اور شعری ذوق رکھنے والے فاضل کے سامنے پیش کر دیا جائے تو وہ اسے پڑھنے، لفظی ومعنوی خوبیوں کو دیکھنے اور اس کے دل کش اسلوب بیان اور طرز تعبیر سے محظوظ ہونے کے بعد بلا جھجھک یہ کہہ اٹھے گا کہ یہ عہد اموی یا عہد عباسی کے کسی باکمال شاعر کا کلام ہے۔

اس پر اہل حدیث فاضل نے کہا کہ مولانا کے مخصوص نظریات (عقائد اہل سنت) کو چھوڑ کر دیگر علوم وفنون کے ساتھ عربی زبان وادب میں بھی مولانا کی برتری ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ان کے مخالفین بھی کرتے ہیں۔ ان دونوں فضلا کی گفتگو سننے کے بعد میں نے دل میں کہا:

الفضل ما شهدت به الأعداء. (کمال فضل وہ ہے کہ دشمن بھی جس کی گواہی دیں۔)

اس کے بعد دیوبندی فاضل نے مجھ سے کہا: مولانا! آپ مجھے ان دونوں قصیدوں کی فوٹو کاپی دے دیجیے، میں نے کہا کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو فوٹو کاپی کی بجاے اصل کتاب ہی دے دوں۔ پھر اسی دن میں نے استاذی الکریم صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ بانی رکن المجمع الاسلامی (موجودہ ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور) کی بارگاہ میں اس واقعہ کو لکھ بھیجا اور حضرت سے چند عدد ”قصيدتان رائعتان“ بھیجنے کی درخواست بھی کی، آپ نے کرم فرمایا اور المجمع الاسلامی کی جانب سے پانچ عدد کتابیں میرے پاس بھیج دیں۔ میں نے وہ کتابیں ان دونوں ندوی اساتذہ کے پاس بھجوادیں اور کچھ وہاں کی لائبریری اور دار المطالعہ میں دے دیں۔

اس واقعہ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کے عربی اشعار حسن ودل کشی کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں جنھیں پڑھنے اور سننے کے بعد اپنے تو اپنے ہیں، پرائے بھی بے اختیار ہو کر ان کی تعریف

وتوصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

بہر حال اس قصیدہ کی تشبیب میں چونتیس شعر ہیں۔ پھر چار شعر "گریز" کے ہیں، اس کے بعد چالیسویں شعر سے اپنے ممدوح علامہ فضل رسول قادری بدایونی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح شروع کی ہے، درمیان میں نمبر شعر ۱۳۱ تا ۱۴۴، چودہ اشعار تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی علیہ الرحمۃ کی مدح وستائش میں ہیں۔

اور اس قصیدہ کا اختتام درج ذیل اشعار پر ہوتا ہے:

وَ اَدِم شآبیب الرضا وندى العطا   لجميع أهـل الدين والإذعـان

(تمام برادران دینی ویقینی کو اپنی رضا وخوشنودی کے چھینٹوں اور جود وعطا کی بارش سے ہمیشہ بہرہ ور کر)

شَرَّ فتَنَا بِالحقِّ فانصر نا على   بدع العنود ونزغَة المجان

(تونے ہمیں حق سے مشرف کیا تو ان معاندین کی بدعتوں اور ان گستاخوں کے فتنہ وفساد کے خلاف ہماری مدد فرما۔)

حتى نَكونَ حُماة دين قيمٍ   ومحاة شر الزيغ والبطلان

(تاکہ ہم دین حق کے محافظ اور گمراہی وباطل پرستی کے مٹانے والے رہیں۔)

فلك الثناء ببدئه وثنائه   ولك المديح بأول وبثان

(ساری حمد وثنا تیرے ہی لیے ہے، اس کے آغاز میں اور انجام میں۔ اور ساری مدح وستائش تیرے ہی لیے ہے اول میں اور آخر میں۔)

وصــــلاة ربى دائـما أبدا على   خيـر البـرية سيـد الأكوان

والآل والأصحاب والأحباب والـ   نواب والأصهـار والأختـان

(اور ہمیشہ میرے رب کی رحمتیں افضل الخلق، سرور کائنات ﷺ اور ان کے آل واصحاب واحباب، ان کے خلفا اور خسروں (حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالی) اور دامادوں (حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالی) پر نازل ہوں)

صلى المجيد على الرسول وفضله   ومحبـه ومطيعـه بحنـان

(خدائے بزرگ وبرتر رسول، فضل رسول، محب رسول اور مطیع رسول پر بخشش ونوازش کے ساتھ رحمتیں نازل کرے۔)

صلى عليك الله يا ملك الورى   ما غرَّدَ القمـري في الأفنـان

(اے ساری مخلوق کے بادشاہ! اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے جب تک قمری شاخوں پر نغمہ سنجی کرتی رہے۔)

صلى عليك الله يا فرد العلى   ما اطرب الورقاء بالالحان

(اے بے مثال بلندی والے! اللہ تعالی آپ پر اس وقت تک رحمتیں نازل کرتا رہے جب تک فاختہ اپنی

خوش آوازی سے لوگوں کو مست و بے خود کرے۔)

صلی علیك الله یا مولاي ما رنَّ الحَمامُ علی شجون البانِ

(اے میرے آقا! اللہ تعالی اس وقت تک آپ پر رحمت برساتا رہے جب تک کبوتر، بان کی شاخوں پر نغمہ سرائی کرے۔)

(۲) قصیدة "حمائد فضل الرسول":

اس قصیدہ میں ستر (۷۰) اشعار ہیں، اور یہ قصیدہ "غیر مشبب" قصیدہ ہے یعنی اس کا آغاز تشبیب سے نہیں بلکہ حمد وصلاۃ سے ہے۔ ذیل میں اس کے کچھ ابتدائی اشعار پیش خدمت ہیں۔ غور کیجیے کہ حضرت امام نے اس مختصر سی بحر میں کس طرح اپنی مہارت اور قادر الکلامی کا ثبوت پیش کیا ہے کہ نہ کہیں مفہوم کی ترسیل اور معنی کی تعبیر میں کوئی خلل واقع ہو رہا ہے اور نہ اشعار کی سلاست وروانی متاثر ہوتی نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

(۱) الحمدُ للمتوحد بجلاله المتفرد

(۲) وصلاة مولانا علی خیر الأنام محمد

(۳) والآل أمطار الندی والصحب سحب عوائد

(٤) لا هم قد هجم العدی من كل شأو أبعد

(٥) في خيلهم ورجالهم مع كل عاد معتد

(٦) هاوين زلة مثبت باغين ذلة مهتد

(٧) لكن عبدك آمن إذ من دعاك يؤيد

(٨) لا أختشي من بأسهم يدُ ناصري أقوی يد

(٩) يا رب يا رباه يا كنز الفقير الفاقد

(١٠) بك اَلْتَجِیْ بِكَ أدفع في نحر كل مهدد

(١١) أنت القويُّ فقوني أنت القديرُ فأيد

(١٢) فالی العظيم توسلي بكتابه وبأحمد

(١٣) وبمن آتی بكلامه وبمن هدی وبمن هدی

(١٤) وبطيبة وبمن حوت وبمنبر وبمسجد

(١٥) وبكل من وجد الرضا من عند رب واجد

ترجمہ:

(۱-تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے جو اپنے منفرد جلال کے ساتھ یکتا ہے۔

۲- ۳ - مولا تبارک و تعالی کی رحمت خیر الانام حضرت محمد ﷺ پر نازل ہو، اور آپ کی آل پر جو بارشِ جود و عطا ہیں، اور آپ کے اصحاب پر جو فوائد و منافع کے بادل ہیں۔

۴-۵- اے اللہ! دشمنوں نے دور دراز مقام سے اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ، ہر حد سے تجاوز کرنے والے ظالم کے ہمراہ مجھ پر یورش کر دی ہے۔

۶-وہ ثابت قدم انسان کی لغزش کے خواہاں اور ہدایت یافتہ شخص کی ذلت کے طلب گار ہیں۔

۷-لیکن تیرا بندہ محفوظ و مامون ہے، کیوں کہ جو تجھے پکارے اس کو قوت پہنچائی ہی جاتی ہے۔

۸-میں ان کی طاقت و قوت سے خوف زدہ نہیں۔ کیوں کہ میرے مدد گار کا دست قدرت سب سے طاقت ور ہے۔

۹-اے میرے پروردگار! پالنہار! اور اے بے سروسامان بے مایہ کے خزانہ!

۱۰-میں تیری پناہ لیتا ہوں اور ہر دھمکی دینے والے کے سینے میں تیری مدد سے دھکا مارتا ہوں۔

۱۱-تو قوت والا ہے تو ہمیں قوت دے، اور تو قدرت والا ہے تو ہمیں طاقت بہم پہنچا۔

۱۲-۱۵- تو خداے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں میرا وسیلہ اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ، اس کے کلام کو لانے والے (حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام)، نبی ہادی اور ان کے ہدایت یافتہ اصحاب، مدینہ طیبہ اور اس کی آغوش میں آرام فرمانے والے نفوس قدسیہ، منبر رسول، مسجد نبوی اور ہر وہ ذات ہے جس نے خداے بے نیاز کی طرف سے رضا و خوشنودی کی دولت پالی۔)

یہ عنوان مختلف الجہات ہے۔ اگر اس کے تمام گوشوں پر گفتگو کی جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ لیکن وقت کی قلت اور کام کی کثرت کی بنا پر میں اپنی گفتگو اس اعتراف کے ساتھ یہیں پر ختم کرتا ہوں:

نکالی سیکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی ترے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

☆-☆-☆